حیدرآباد ٹیچر

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم اے (کنٹب)، میر ولی عبداللہ متقی بی آ، پی ڈی (تعلیمات)

سعید الدین خاں بی اے، ڈی پی ایڈ (عثمانیہ)

مقاصد

(۱) طبقۂ اساتذہ کے احساس معلمی کو بیدار کرنا۔

(۲) طبقۂ اساتذہ کے مخصوص انفرادی تجربات معلمی کو شائع کرنا۔

(۳) فن معلمی پر نفسیاتی حیثیت سے نقد و نظر۔

(۴) انجمن اساتذہ کے مفید مقاصد و اغراض کو ملک کے طول و عرض میں مکمل طور پر پھیلانا۔

قواعد

(ا) رسالہ کا نام حیدرآباد ٹیچر ہوگا۔ اور سہ ماہی پر صدر دفتر انجمن اساتذہ بلدہ سے ماہ ہائے آبان، بہمن، اردی بہشت، امرداد مطابق اکتوبر، جنوری، اپریل، جولائی میں شائع ہوگا۔

(ب) رسالہ کی سالانہ قیمت بہ تفصیل ذیل ہوگی۔

اندرون و بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی تین روپیہ مع محصول ڈاک سالانہ (سکہ رائجہ)

صرف اردو حصہ (۱۲ٖ) سالانہ قیمت فی پرچہ اردو انگریزی (۱۲ر) صرف اردو (۸ر)۔

(ج) رسالہ نصف انگریزی و نصف اردو ہوگا جس میں حسب صوابدید تغیر بھی ہو سکے گا۔

(د) صرف وہی مضامین درج ہو سکیں گے جو تعلیم سے متعلق ہوں۔

(ھ) جملہ مضامین و مراسلت دفتر کے پتہ سے ہونی چاہئے۔

(و) اشتہارات کا نرخ حسب تفصیل اشاعت ہذا رہے گا۔

نرخ اشتہارات حیدرآباد ٹیچر حسب ذیل ہے

مقدار	سال بھر	۶ ماہ	فی اشاعت
پورا صفحہ	عـه	صہ	سے
نصف صفحہ	صہ	لعہ	عہ ۸ر
ربع صفحہ	لعہ ۸ر	عہ ۶ر	۱۵ر
فی سطر	۱۰ر	۸ر	۶ر

اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع ہو کر صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی موقوعہ دفتر نظامت تعلیمات سے شائع ہوا

جلد (۱۳)

شمارہ (۱)

زیر سرپرستی جناب سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ملک سرکار عالی حیدرآباد دکن کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم۔ اے (کینٹب) مدیر مسئول عبدالنور صدیقی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ)

سعید الدین خاں بی۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ (عثمانیہ)

حیدرآباد ٹیچر

بابتہ شہریور لغایتہ آبان ۱۳۴۷ف

فہرست مضامین

جلد ۱۳ شمارہ ۱

”جبلت“

از

مولوی نور الحسن صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ) ڈپ۔ ایڈ (گلاسگو) صدر مدرس

مدرسہ فوقانیہ دار الشفا حیدرآباد

تعریفات جبلت جبلت کی جامع تعریف کرنا ناممکن ہے۔ گاڈفرے ایچ تھامسن کے خیالات کے مطابق جبلتوں کے عمل کا سلسلہ ان جوابی حرکات سے شروع ہوتا ہے جو بعض محدود مہیجات سے بے روک پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ان مبہم جبلی رجحانات تک پہنچتا ہے جو بسیط مہیجات کی جوابی حرکات کے طور پر کم وبیش ظاہر ہوتے ہیں۔ جبلت میں ایسے عصبی ارتباط ہوتے ہیں جو جوابی حرکات پر قابو رکھتے ہیں، جس سے مخصوص صورت حال میں مخصوص جوابی حرکات کا رونما ہونا یقینی ہے۔ میکڈوگل اپنی تصنیف سماجی نفسیات (Social psychology) میں جبلت کو پیدائشی مخصوص رجحانات سے تعبیر کرتا ہے۔ جو کسی نوع کے ارکان میں مشترک پائے جاتے ہیں۔ افراد نسلی خواص کو اپنے زمانۂ زندگی میں اختیار نہیں کرسکتے۔“ بالڈون کی لغتِ فلسفہ ونفسیات“ (Diotionary of philosophy and psychology) میں جبلت کی تعریف حسب ذیل ہے۔ ”حرکی حسی نظام (SensoryMotor Type) کا موروثی ردعمل جو نسبتاً پُرپیچ اور افراد کے لئے عام ہے۔“ میکڈوگل اپنی کتاب ”نفسیات کے خاکہ“ (Outline of psychology) میں کہتا ہے جبلت ذہنی ساخت کی ایک حقیقت ہے یا ایک ذہنی ترتیب ہے جو طرز کردار اور تجربہ سے متعین کی جاتی ہے۔ جبلت ایک داخلی طبیعت ہے جو عضویت کو کسی قسم کی چیز کا احساس کرنے اور اس کی موجودگی میں کسی جذباتی برانگیختگی کا تجربہ متعین کرتی ہے۔ جس کا اظہار چیز کے ساتھ خاص طرز کردار میں ہوتا ہے۔ شانڈ اس کو جذبہ کا طریقہ کہتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ

انسان کو تفصیلی رجحانات جو وہ رکھتا ہے طریقۂ کار کے لئے وراثتاً نہیں ملتے۔ یہ ایک سماجی جبلت ہے۔ جو ان میں سے کسی ایک یا سب طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے لیکن اس طرح ردِّعمل کرنے کا ایک عام رجحان ہے جو موروثی ہے۔ سوسن بیس برایرلی نے اپنی کتاب "تمہید نفسیات" (An Introduction to psychology) میں جبلت کی حسب ذیل تعریف کی ہے کہ "وہ پیدائشی رجحانات ہیں جن کی ساخت فطری ہے اور جو زیادہ تر جسمانی اور سماجی ماحول سے متاثر ہوتی ہیں۔ جیمس کا خیال ہے کہ "جبلت اس طرح کام کرنے کا رجحان ہے کہ اس سے کچھ مقاصد بغیر پیش بینی اور سابقہ تعلیم کے پیدا ہوں۔"

جبلت کی توضیح

تجربہ سے جبلتوں کے میلان اور ان کی فطرت کی خواہ کتنی ہی ترمیم ہو فطری افتادِ طبع جبلت کی اصلی محرک باقی رہتی ہے۔ اور یہ افتادِ طبع ہی ماخذ توانائی ہے۔ بعض ماہران نفسیات نے لفظ جبلت کو عمل کے ان رجحانات کے لئے محفوظ رکھا ہے جو معمولی طور پر اپنے ساتھ ایک مخصوص جذبہ رکھتے ہیں۔ ان طبائع کا عمل کچھ داخلی اور کچھ ظاہری اجزا سے متعین ہوتا ہے۔ انسان میں یہ داخلی رجحانات یا طبائع مخصوص نہیں ہیں۔ موجودہ تہذیب اور تمدن تک نوع انسان کے ارتقا کا باعث جبلتوں کا مبہم ہونا ہے۔ وہ جانور اور کیڑے جو ایسے مخصوص رجحانا ـــ ـتے ہیں۔ نرے جبلی (Instinctive) ہیں۔ ان کی جوابی حرکات معین مواقع میں ہمیشہ معین ہوتے ہیں۔ ایسے مخصوص داخلی رجحانات ادنیٰ ترین جانوروں کے طبقے میں ناقابل تربیت ہیں۔

نمایاں صورت میں بعض ذہنی ارتسامات بعض کامل اور قطعی اطوار کو اُکساتے ہیں یہ افراد جنس کے تمام افراد میں یکساں مواقع پر ایک ہی ہوتے ہیں۔ اور یا تو قوم کی بہبودی کے لئے ہوتے ہیں یا جنس کے استمرار کے لئے۔ ہر دماغی عمل کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) کسی چیز کا علم یا وقوف (۲) اس کے متعلق احساس (۳) اس کی طرف جانے کی سعی یا اس سے دُور بھاگنے کی کوشش۔ ماہران نفسیات نے تعلیم کی اثر آفریں اور تضمنی اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ پہلے ہم احساس کے ذریعہ اس چیز سے جسمانی اثرات محسوس کرتے ہیں۔ ان سے عصبی نظام میں ایک عمل شروع ہوتا ہے جس کا فوری نتیجہ حرکات ہیں۔ عضویت میں ہر جبلت خواہ کسی طرح نشو و نما پائے بتدریج درجہ کمال تک پہنچنے سے پہلے جزءً اپنا اظہار کرسکتی ہے۔ "قانون عارضیت جبلت" (Transitoriness of Instincts) کے مطابق اگر سن بلوغ کو پہونچنے کے بعد جبلت نہ ابھرے تو پھر وہ دب جاتی ہے۔ میکڈوگل

اس صداقت کو ایک حد تک تسلیم کرتا ہے کہ بطور خاص کسی جبلت کی بار بار مشق بظاہر اس کو زیادہ اشتعال انگیز بنا دیتی ہے۔ اور اس ہیجان کو بروئے عمل لانے میں تقویت دیتی ہے۔ اگر کوئی جبلت نہایت مخصوص ہو تو عمل فطری اور غیر ارادی ہوگا۔ اور ذہانت کے اظہار کے لئے کم گنجائش باقی رہے گی۔ اس کے برخلاف جبلت جتنی کم مخصوص ہو اتنی ہی ذکاوت اور فراست کو زیادہ دخل ہوگا۔ ہم کو اس امر کا خیال رکھنا چاہئے کہ حرکی مکانیت (Motor Mechanism) جبلتوں کا محض آلۂ کار ہے۔ کیونکہ مختلف حالات کے تحت، مختلف حرکی مکانیت کا تجربہ کیا گیا ہے۔ جبلی ہیجانوں کو طبعی کہنے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ توارث سے متعین کئے گئے ہیں۔ اسی طرح افعال اس وقت طبعی کہلاتے ہیں جب کہ (جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں) تجربہ کا اثر ادنیٰ ہو اور ذہین اس وقت کہلاتے ہیں جب کہ تجربہ کا اثر اعلیٰ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جبلت میں علم شامل ہے اور نفسیاتی نقطہ نظر سے جبلت اور ذہانت کو ایک دوسرے کے مخالف نہیں سمجھا جا سکتا۔ برگسان کا خیال ہے کہ غیر ذہین جانور کے اطوار گویا ہتھیار کا استعمال ہیں۔ جو اس کے جسم کا ایک حصہ ہیں۔

ظاہری علم بغیر تجربہ کے، افعال بغیر مقصد کی پیش بینی کے ذاتی اطوار کی خصوصیات ہیں ہمارا اشیاء کا تجربہ ہمارے سابقہ تجربے سے متاثر اور متعین ہوتا ہے۔ محض شئے کی فطرت ہمارے فعل کو متعین نہیں کرتی۔ اس طرح ہم اطمینان کے ساتھ لائیڈ مارگن کے خیال کو کہ تمام تجربہ فعل کے ایک شعور پر مشتمل ہے، مان سکتے ہیں۔ درحقیقت جبلت اور ذہانت دونوں باہم ملی جلی ہوتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے میں مدغم اور غیر منفک ہیں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اکثر ابتدائی ذاتی اطوار میں بھی، تجربہ اور ذہانت سے سیکھنے کی شہادتیں موجود ہیں۔

طریقۂ آزمائش و غلطی

اس کے برخلاف اگر ایک خاص اور معین صورت حال کے لئے ادنیٰ حیوانات کی جوابی حرکات مقرر اور مخصوص ہوں تو جانور ذہین نہیں ہے۔ بلکہ اندھی جبلت کی مخلوق ہے۔ اس لئے ناقابل تربیت ہے اور وہ تجربہ سے نہیں سیکھ سکتا۔ جب کبھی خاص صورت حال پیش ہوگی۔ بے شک مخصوص جوابی حرکات ظہور پذیر ہوں گی۔ مگر جس جانور سے ایک معین صورت حال میں مختلف جوابی حرکات سرزد ہوں تو وہ ایک ذہین مخلوق ہے اور قابل تربیت۔ وہ مسلسل کوشش کرے گا اور آخر کار منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ کوئی

مضایقہ نہیں اگر یہ متعدد مرتبہ ناکام ہو مگر آخر کار ضرور کامیاب ہوگا۔ نئی صورت حال جو ناکامی یا مزاحمت کے سبب پیدا ہو جاتی ہے، اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ بارہ جوابی حرکات پیش کرے۔ اس کا داخلی نظام موجودہ تجربہ سے فوراً ترمیم قبول کرلیتا ہے۔" کوششوں، آزمائشوں اور ناکامیوں سے حاصل کئے ہوئے مقصد کا طریقہ طریقۂ آزمائش و غلطی کہلاتا ہے۔ ہم ان مختلف تجربوں سے آشنا ہیں، جو بلیوں، کتوں اور چوہوں پر کئے گئے ہیں۔ اور کس طرح ان کی جبلت گرسنگی کو متاثر کرکے متواتر کوششوں سے انھیں ان صندوقوں کی مکانیت کو سمجھایا گیا جن میں غذا رکھی گئی تھی۔ اگرچہ ہم انھیں ذہانت کے درجہ اعلےٰ سے متصف نہیں کرسکتے، تاہم ان میں کچھ نہ کچھ ذہانت ضرور پائی جاتی ہے۔

جیسا کہ اوپر دکھایا گیا اس قسم کا ادنیٰ جانور جس میں صرف جبلت ہی جبلت ہے۔ تجربہ سے کچھ نہیں سیکھ سکتا۔ کیوں کہ اس میں ذہانت نہیں ہوتی اور وہ قوت حافظہ بھی نہیں رکھتا، مگر ایسے جانوروں سے کچھ اعلےٰ طبقہ میں ہم ذہانت کا اظہار پاتے ہیں۔ ہم انھیں تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہ اپنی لغزشوں کو یاد رکھ کر آیندہ ان کو ترک کرسکتے ہیں۔ اپنی آزمائش اور غلطی سے اختیار اور ترک کے اصول پر کام کرتے ہیں۔ اور ان امور کو منتخب کرلیتے ہیں جن کی مدد سے انھیں کامیابی ہوتی ہے اور ان امور کو ترک کردیتے ہیں جو ناکامی کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر ہم پیمائش ذہن میں ایک اور منزل آگے بڑھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ذہنی آزمائش و غلطی کا اصول حقیقی جد و جہد کی آزمائش کی جگہ لے لیتا ہے۔ انسان کسی مسئلہ یا معمہ سے دوچار ہونے کے بعد، پہلے اس کے بارے میں سوچتا ہے، دوسرے الفاظ میں اس کی ذہنی آزمائش و غلطی شروع ہوتی ہے اور صحیح نتیجہ پر پہونچنے کے بعد صحیح طور پر آگے بڑھتا ہے۔

ذہانت کی فطرت

اب ہم ذہانت کی فطرت کا مطالعہ کریں گے، طبعی فعل ہیجان کا اظہار ہے۔ جو عموماً قوی ہوتا ہے۔ اور کسی مزاحمت سے دوچار نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ تکمیل و تعقل کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہاں ترقی کرکے وہ خاص ادراکات اور مخصوص تصورات بن جاتے ہیں۔ ذہنی قوت اور ذہانت تند، مبہم، آزاد و تقریباً غیر محسوس ہیجانات پر مشتمل ہے۔

حیاتیاتی نقطہ نظر سے ہر ذہنی عمل ایک غیر مختتم عمل ہے۔" ایک معقول اور ذہین کردار میں ہم فرض کرلیتے ہیں کہ عصبی ارتباط نسبتاً زیادہ پیچیدہ ہوجاتے ہیں۔ مگر حسب ذیل تین صورتوں میں

خاص طور پر وہی رہتے ہیں۔ (۱) محرک ذی شعور عامل کے ذہن کو دفاع کی تدابیر پر لگا دیتا ہے (۲) قیاس تصور گزشتہ اور تجربہ کا ایک خیالی عکس ہے جبلتی افعال تعقل کے نقطہ نظر سے ناقص اور غیر مکمل ہیں اور آزمائش و غلطی کی کشمکش ہیں ہیں۔

ذہانت

ذہانت ہیجانات کو ابتدائی غیر مکمل مرکزی منزل پر لانے کی قوت ہے۔ اس لئے ذہانت ایک جدا قوت ہے جو ایک امتناعی عمل ہے۔ ذہانت کی پہلی علامت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ اتصال کامل (Consummatory Contact) کے تجربہ کا ذہنی تجربہ سے ارتباط ہوتا ہے۔ ذہانت کا حیاتیاتی کام جاندار کو جسمانی خطرے سے بچانا اور اس کی ضرورتوں کو اس طرح پورا کرنا کہ اس کا ماحول اس کی ناکامی سے کم سے کم متاثر ہو۔ ذاتی رجحانات فطرت کا عطیہ ہیں۔ ایک حد تک ماحول ان کے اظہار پر تصرف کرتا ہے۔ مگر وہ ان کی قوت یا وجود کا کسی طرح ذمہ دار نہیں ہے۔ بعض ذاتی رجحانات سادے اور خاص ہیں مگر بعض بہت زیادہ پیچیدہ اور عام ہیں۔ رجحانات پہلی منزل میں یعنی جبکہ وہ سادہ اور خاص ہوں۔ اضطرارات (Reflexes) کہلاتے ہیں اور ذاتی حفاظت کا ایک آلہ ہوتے ہیں۔

جاندار مخلوقات کی میکانیت

بچے کے دودھ پینے اور پکڑنے کی حرکات، اور بڈھوں کا کھانا پھینکنا کن انکھیوں سے دیکھنا اور چھپانا وغیرہ سب پیدائشی ہیں۔ یہ حرکات اکتسابی نہیں بلکہ توارث کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ اگر تحریک قوی ہو تو عمل ساتھ ہی ہوتا ہے۔ جوابی حرکتیں انفرادی تجربات سے بمشکل قابل ترمیم ہوتی ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ سطح شعور پر جب عضویہ حواس پہنچتے ہیں اور ان میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو

احساس و ادراک

کیفیات احساس ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور یہ احساسات دنیا اور ہمارے جسم کے متعلق تمام معلومات کی اساس ہیں۔ چھونا، دیکھنا، اور سننا اشیاء کی بیرونی دنیا کے علم کے لئے انسان کے بہت زیادہ اہم حواس ہیں۔ تمام حواس خاص صفت اور کمیت میں اختلاف رکھتے ہیں۔ سب مدت، ابتداء اور انتہا رکھتے ہیں۔ ذہنی تجربہ کی سادہ ترین اکائی ادراک ہے نہ کہ احساس۔ علم واقفیت پر اور ادراک حافظے پر مشتمل ہے۔ ایک بالکل نئی چیز سے صرف احساس پیدا ہوگا۔ نہ کہ ادراک کیونکہ ہم صرف ان چیزوں کو پہچان سکتے ہیں جنھیں ہم نے پہلے دیکھا ہے۔

یا جن کے متعلق ہمیں تجربہ ہے۔ اس لئے ہم بے دریغ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اوراک ہمیشہ گزشتہ تجربہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ولیم جیمس دنیا کی تعریف یوں کرتا ہے کہ "وہ ایک عظیم پُرشور، بڑھتا ہوا ہنگامہ ہے" مکڈوگل اپنی کتاب سماجی نفسیات (Social psychology) میں کہتا ہے "افعال کا سلسلہ غیر متغیر طریقہ پر جاری رہتا ہے۔ ان کم و بیش یکساں افعال کے لئے عام نام مخصوص ردعمل (Pattern Re actions) ہیں بعض مخصوص ردعمل انفرادی املاک ہیں جو ایک فرد کی زندگی میں حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے عادات (مثلاً مونچھیں چڑھانا) اس جنس کے دوسرے تمام ارکان میں مشترک ہیں۔ جیسے اطوار کے ذاتی اور اضطراری طریقے۔ (مثلاً چوزے کے طبعی افعال، پانی پینا، آنکھیں کھولنا اور بند کرنا) یہ طبعی افعال تین قسم کے ہیں۔

طور (Tropism) اضطرار (Reflex) اور جبلت (Instinct)

"طور" کارآمد اور سادہ ترین فعلیت کو کہتے ہیں۔ یہ دوسرے اطوار سے اسی لئے ممتاز ہے کہ "طور" عضوی یا کیمیائی ہیج سے متعین ہوتا ہے۔ ایسے ردّعمل پودوں اور سادہ ادنیٰ ترین حیوانی عضویت میں پائے جاتے ہیں۔ مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ ایسے داخلی طبائع جو پختہ اور ناقابل تربیت ہیں۔ ذہانت سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ہم تجربہ یا آزمائش و غلطی کے طریقے سے انھیں نہ ترقی دے سکتے ہیں اور نہ ان کے ردّعمل کو بدل سکتے ہیں وہ ہیج کے اندھے نوکر ہیں۔ اگر ایک مقررہ ہیج فراہم کی جائے تو وہ وہی عمل کریں گے جو اُن کے لئے طبعی ہے۔

عکسی اعمال

اب ہم عکسی اعمال کی فطرت کا امتحان کریں گے یہ بھی سادہ، طبعی اور مخصوص ردعمل ہیں۔ یہ ردعمل عضویت کی بقا اور حفاظت کے ذرائع ہیں۔ یہ طور کی مانند فوری جوابی حرکات نہیں ہیں لیکن ایک جواب ہے جس میں رگ پٹھوں کے ذریعہ ایک ہیجان کی ترسیل نمایاں کام انجام دیتی ہے۔ جیسے آنکھیں کھولنا، بند کرنا، چھینکنا وغیرہ۔

اس قسم کی جوابی حرکات اس وقت رونما ہوتی ہیں جب عضویت کا کوئی حصہ کسی چیز سے اپنے ماحول میں متاثر ہوتا ہے۔ اور یہ جوابی حرکات عضویت کے لئے کارآمد ہیں۔ اضطراری افعال تین علیحدہ علیحدہ قسموں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ ہیج کے وصول کرنے کے لئے ایک عضو موصولی (Receptor) ہیج کو مرکز افعال تک لے جانے والا عضوی راستہ جو اس

عضو کی طرف رہبری کرتا ہے' جس پر رد عمل ہوتا ہے۔ موصل (Con ductor) عضو' مچھلیاں اور غدود جو ردعمل کرتے ہیں۔ موثر (Effector) ایک اضطرار دوسرے تمام اضطراروں سے علیحدہ جو اکثر سادہ اضطرار کہلاتا ہے۔ اور تینوں ساختیں (موصولی' موصل اور موثر) جو سادہ اضطرار میں بروئے کار آتی ہیں اضطراری قوس (Reflex Arc) کہلاتی ہیں۔

تصور جبلت اب ہم تصور جبلت کی طرف لوٹتے ہیں۔ جبلت اضطرار کی مانند ایک داخلی ردعمل ہے۔ یہ اضطرار سے' اپنے نظام کی زیادہ پیچیدگی کے سبب مختلف ہوتا ہے۔ اضطراری ردعمل ہیجان کے لئے اعضاء کے ایک مجموعہ کی جوابی حرکت ہے۔ جبلی ردعمل ایک جوابی حرکت ہے ایک صورت حال کے لئے' جو تمام عضویت پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ بعض خواص تمام جبلی اعمال کے لئے مشترک ہیں (۱) ان کا اختیار کردہ کردار۔ (بغیر انجام کی پیش بینی کے) (۲) کوتاہی یعنی مانوس موقعوں پر افعال کی تبدیلی کی کم گنجائش ہوتی ہے۔ (۳) ایک جنس کے افراد کے درمیان عمومیت۔ (۴) پہلا ہی فعل درجہ کمال کو پہونچا ہوتا ہے (سیکھنے کی قوت مفقود ہوتی ہے)۔ (۵) انسان اور اعلیٰ حیوانوں میں فطری کردار جذبے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ جذبہ خاص قوت کے ساتھ ترقی پاتا ہے۔ جب کہ جبلت کا فطری عمل رک جاتا ہے۔

اب ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ جبلت کے دوسرے خواص میں جذبات کی معیت خاص ہے۔ جب جذبہ ابھارا جاتا ہے تو افعال میں ایک خاص قوت پیدا ہوتی ہے۔ مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ جذبات کے گہرے ہیجان کی صورت میں ردعمل نسبتاً گہرے ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب جذبہ کم قوت کے ساتھ ابھارا جاتا ہے تو ادراکی عمل واضح اور صاف ہوتا ہے۔ اور دماغ کو کافی فرصت اور موقع ملتا ہے کہ وہ ماحول کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کرے' اس طرح دماغ کی معیت سے جو افعال سرزد ہوں گے ان کا صورت حال کے مطابق ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ بچے کے ہیجانات سادہ ہیں۔ اور اسی باعث سے وہ موقتی حال سے (Immediate present) تعلق رکھتا ہے۔

اس کے برعکس بچے کی سادہ جبلتوں کی طرح بڑے انسان اور اعلیٰ جانوروں میں بھی احساس' جوابی حرکات اور ادراک کا راست چکر ہوتا ہے۔ یہ چکر ذہنی زندگی کی ضروری اکائی بن کر

باقی رہتا ہے۔ عمل علم کی آخری منزل مقصود ہے۔ اور علم سے عمل کا راستہ احساس سے ملتا ہے۔ انسانی زندگی میں صورتیں نفوذ کر جاتی ہیں۔ اور فی الحقیقت صورتیں موزوں جوابی حرکات حاصل کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔ کیوں کہ وہ حافظہ، پیش خیالی، خیال اور اس کے افعال کا جز ہوتی ہیں۔ دوسری منزل میں صورتیں خیال کا آلۂ کار بنتی ہیں۔ اور آخر کار وہ خیالات بن جاتی ہیں۔ خیال قائم کرنے میں الفاظ بڑی مدد کرتے ہیں وہ مفرد ان صورتوں سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔

نتیجہ

جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ بچوں کی جوابی حرکات تنہا اور غیر منتظم ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ فوقیتی صورت حال سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کو مستقبل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس کے خیالات پختہ نہیں ہوتے وہ الفاظ پر جو خیالات قائم کرنے میں ضروری آلہ ہوتے ہیں۔ بہت کم قدرت رکھتا ہے۔ وہ اپنے گزشتہ تجربہ یا ممکنہ نتائج سے بمشکل امتزاج کرتا ہے۔ اس لئے وہ ہر جذبہ کو جو مشتعل ہوتا ہے پوری طرح سے محسوس کرتا ہے۔ اپنے کو غصہ، خوف، ہنسی اور حیرت کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ غیر موصوف جذبہ کے بغیر شاذ و نادر جوابی حرکات پیش کرتا ہے۔ تجربہ، مسرت اور الم نے اس کے اضطرار کو مشروط کر دیا ہے۔ اور اس کی عادات کو اس طرح طبیعت ثانیہ بنا دیا ہے کہ یا تو وہ طبعی حرکات کو روکتی ہیں یا داخلی جوابی حرکات کو بدل دیتی ہیں۔" مختلف جذبات اور ہیجانات حافظے اور غور کے زیر اثر منظم ہو گئے ہیں۔" مختلف جذباتی رجحانات فرد کے زمانہ زندگی میں ایک کلیہ بن جاتے ہیں۔ یہ طبائع خود ساختہ ہوتی ہیں۔ اور اکثر وجدان کہلاتی ہیں۔ یہ صرف داخلی رجحانات کی تبدیلی ہے۔ وجدان کے عناصر ترکیبی فرد کی موروثی ساخت کی نشو و نما ہوتے ہیں۔ یہ نظام کسبی ہے۔ اعلیٰ ذہنی طبائع جو اشخاص یا اشیا یا خیالات کی طرف رجوع کرتے ہیں یا جن کی مدد سے ہم نے محبت کرنا اور نفرت کرنا سیکھا ہے۔ بلوغ کی زندگی میں ہمارے طرز عمل کے اہم اجزا ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جبلتیں وجدانوں کے لئے راستہ پیدا کرتی ہیں اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ایک وجدان خاص الخاص فطری طبع ہے جو مخصوص شئے سے وابستہ ہوتا ہے۔ جذباتی ردّ عمل کے زیر اثر مجرد وجدانوں سے مغلوب ہونے کے سبب ممکن ہے کہ تمہارا خون کسی بے گناہ پر ظلم دیکھ کر کھولنے لگے۔ اگر تمہارا احساس انصاف قوی ہے تو تم جانوروں پر ظلم ہوتا ہوا دیکھ کر چیخ اٹھو گے۔ مگر مقرون اور مخصوص وجدان تمہارے جذبے کو اور زیادہ ابھارتے ہیں۔ اگر ایک عورت کو جس کو تم چاہتے ہو اور قدر کرتے ہو کوئی اجنبی برا بھلا کہے

اور اس سے برا برتاؤ کرے اور تم اتفاقاً اس کے بارے میں سنو یا دیکھو تو یقیناً تم اپنے دماغ کا توازن کھو بیٹھو گے۔ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی متمدن آدمی کسی خاتون کے ساتھ بدسلوکی نہیں دیکھ سکتا لیکن اگر وہ خاتون جو ذلیل کی گئی اجنبی ہو تو محسوس کی ہوئی ناراضی اس درجہ قوی نہیں ہوتی۔ عام مقرون وجدان بھی حیات انسانی میں زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہم کسی مجموعۂ اشیاء کو پسند یا ناپسند کر سکتے ہیں۔ ہمیں فراموش نہ کرنا چاہئے کہ وجدانوں میں جسمانی اظہار کی کوئی علامت ایسی نہیں ہوتی جیسی جذبات میں ہوتی ہے۔ کوئی خاص تجربہ وجدان کے متعلق نہیں کیا جا سکتا۔

جیسا کہ ہم نے جبلتوں کے بارے میں معلوم کیا ہے کہ وہ قابل تربیت و ترمیم ہیں۔ اسی طرح وجدان بھی متواتر انکار یا غلامانہ اطاعت اور ترغیبوں سے علی الترتیب کم زور یا طاقت ور بنائے جا سکتے ہیں۔ وجدان کی یہ تبدیلیاں تعمیر سیرت کے لئے بیش قیمت ہیں۔ شانڈ اپنی کتاب قانون تنظیم وجدانات (Law of Organization of Sentiments) میں حسب ذیل خلاصہ کرتا ہے:۔

"ہر وجدان اپنے نظام میں تمام ان جذبات، خیالات، پسندیدہ افعال اور خصائص سیرت کو مشتمل کرنے کا میلان رکھتا ہے جو حصول مقصد کے لئے فائدہ مند ہیں۔ اور ایسے سب اجزائے ترکیبی جو فالتو یا مخالفانہ ہیں اپنے نظام میں شامل نہیں کرتا۔"

ابتدائی جذباتی تحریکات اس طرح آہستہ مگر مضبوطی کے ساتھ منظم ہوتے اور آخر کار سیرت اور چلن کو متعین کرتے ہیں۔ بلوغ کے ساتھ وجدان پختہ ہوتے اور ترقی کرتے ہیں۔ اور نوجوان کے تقریباً تمام افعال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ نمایاں وجدان خودداری کا وجدان ہے۔ جذبہ خودداری کو "اعتراف خودی" اور انکسار خودی کی جبلتوں اور ان سے وابستہ جذبات ہمت افزائی یا اثباتی احساس نفس (positive self Feeling) اور تسخیر یا منفی احساس نفس (Negative Self Feeling) سے مدد ملتی ہے۔ سکھ، دکھ، تعریف، مذمت، پسند اور ناپسند چھوٹے بچے کے ابتدائی معلین ہیں۔ وہ اپنی حرکات کو ان آئینوں میں دیکھتا ہے۔ وہ اس کے لئے غور کا ایک ذریعہ ہیں۔ حافظہ، تخیل اور خیال کی تدریجی نشو و نما سے شعور نفس ترقی پاتا ہے اس کے برخلاف اعلیٰ تخیل اور ذہن کی نشو و نما سے نصب العین بنتے ہیں۔ بچے کے لئے

دیانت داری، انصاف اور خیرات بے معنی الفاظ ہیں۔ مگر سن بلوغ کو پہونچنے کے بعد جب اس کا ذہن ایک خاص سطح تک پہونچتا ہے۔ تو بچہ ان اوصاف کی قدر کرنا شروع کرتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ نصب العین ایک یا زیادہ ابتدائی جبلتوں سے تعلق رکھتا ہے۔" علاوہ ازیں نصب العین احساس خودی سے تعلق رکھتا ہے۔ احساس خودی میں "یہ ہونا چاہتا ہوں" یا "یہ کرنا چاہتا ہوں" کہنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

جذبہ خودداری جب اچھی طرح ترقی پا جائے تو ہماری قوی ترین طبایع میں سے ایک ہے۔ جو ہمیں قوت ارادی کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے۔ قوت ارادی اسی مسالے سے بنی ہے جس سے ابتدائی فطری تحریکات بنی ہیں۔ ذہنی نظاموں میں فرق صرف یہ ہے کہ قوت ارادی اعلیٰ ذہنی نظام کا نتیجہ ہے جس کی ساخت میں تجربے، نتائج، حافظہ، تخیل اور خیال کے اجزا شامل ہیں۔ اوپر کے مختصر خاکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جبلتیں پروان چڑھتے چڑھتے اور نشو و نما پاتے پاتے سیرت سازی میں نہایت پیچ دار سطح پر پہنچتی ہیں۔ شروع سے آخر تک ارتقار کا تسلسل بھی واضح ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ قوت ارادی بھی اسی مسالے سے بنی ہے جس سے ابتدائی فطری ہیجان بنے ہیں۔ جبلت وہ اساس ہے جس پر شخصیت منحصر ہے۔ اصل میں شخصیت کی تشکیل جبلتوں سے ہوتی ہے۔ جبلتیں ناقابل تربیت ہوتیں تو انسانیت کو تجربہ سے سیکھنے کا کوئی موقع نہ ملتا۔ مگر خوش قسمتی سے حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ ہم ان ابتدائی جبلتوں کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

مترجمہ
محمد عبدالسلام ذکی۔ بی۔ اے۔ ٹی۔ ڈی
مدرسہ فوقانیہ دارالشفاء

"واردھا اسکیم"

از

مولوی سید عبدالحکیم صاحب ایم۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ٹی

ملک کی عام ابتدائی تعلیم سے متعلق مہاتما گاندھی نے ایک نظام العمل تیار کیا ہے۔ جو واردھا اسکیم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس نظام سے متعلق صاحب موصوف نے ابتداءمیں اپنے خیالات کا اظہار ہریجن کے پرچوں میں فرمایا۔ اور اکتوبر ۳۷ء میں اپنی تجاویز آل انڈیا واردھا ایجوکیشنل کانفرنس میں پیش کیں۔ حال میں مرکزی حکومت نے اس اسکیم پر غور کرنے کے لئے بہ مقام شملہ ایک کمیٹی منعقد کی۔ اور خیال یہ ہے کہ غالباً ان تمام صوبوں میں جن میں کانگریسی وزارت برسر اقتدار ہے۔ اس اسکیم کو روبہ عمل لایا جائیگا۔ ذیل میں اس جدید نظام تعلیم کے جملہ مقاصد، قواعد، صفات اور نقائص پر روشنی ڈالی جائے گی۔

واردھا اسکیم اور منصوبی تعلیم

اس جدید نظام تعلیم کے دو امتیازی اصول ہیں۔ اول بچہ کی تمامتر تعلیم کسی مفید صنعت سے وابستہ ہو۔ دوم یہ تعلیم اپنے اخراجات کی خود کفیل ہو۔ بچہ کی تمامتر تعلیم سے مطلب اس کی دماغی، جسمانی اور روحانی تربیت کسی صنعت کی تعلیم کے دوران میں قدرتی طریقہ پر تکمیل پا جائیں۔ بہ الفاظ دیگر صنعت کی تعلیم صرف میکانیکی طریقہ پر نہ ہو؛ بلکہ سائنٹفک طریقہ پر۔ دوسرے مضامین اس اساسی صنعت سے اس طرح وابستہ ہوں جس طرح مختلف مضامین پراجکٹ طریقہ تعلیم میں کسی ایک مرکزی منصوبہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مثلاً تعمیر مکان کے منصوبہ پر غور کیجیے۔ تعمیر مکان کے لئے اول مناسب قطعہ کا انتخاب اس ضمن میں زمین کی ساخت، ہوا اور دھوپ کا رُخ، حفظ صحت سے متعلق اور دیگر امور پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ قطعہ کی پیمائش، مکان کا نقشہ، کمروں اور برآمدوں کی شکل اور وسعت، دیواروں کی

عمارت: بنیاد کی گہرائی وغیرہ کے سلسلہ میں علم ہندسہ۔ ڈرائنگ، مساحت کے جملہ اصولوں کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ پھر اینٹ، چونا، پتھر، لوہے وغیرہ کی قیمت خرید مزدوری کے اخراجات میں حساب کے طریقے بتائے جاسکتے ہیں۔ باغبانی اور چمن بندی کے دوران میں کیمیائی مسائل مثلاً زمین کے اجزا، پھولوں میں رنگوں کی پیدائش، روشنی اور ہوا کے بہت سے خواص سکھائے جاسکتے ہیں۔ مکان کی آرائش میں پھولوں کی پیدائش، روشنی اور ہوا کے بہت سے خواص سکھائے جاسکتے ہیں مکان کی آرائش میں بچوں کی خوش مذاقی، سلیقہ مندی۔ طبیعت کی جدت اور لطافت کا پورا پورا اظہار ہو جاتا ہے۔ فرنیچر کی فراہمی میں اشیاء کی صنعتی درآمد برآمد، تجارتی لین دین پر درس دئیے جاتے ہیں اور اس طرح عملی اور نظری تعلیم ہم آہنگ ہو کر ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم بن جاتی ہے۔

خود مکتفی ہونا اس نظام کا دوسرا بنیادی اصول تعلیم کا اپنے اخراجات کی خود کفالت کرنا ہے۔ دوسرے الفاظ میں تعلیم اپنے اخراجات کی کفیل ہو۔ طلباء جو اشیاء تیار کریں وہ اس قسم کی بے مصرف نہ ہوں جیسی کہ مروجہ مدارس میں دستی مشاغل کے سلسلے میں تیار ہوتی ہیں اور وہ صرف مدرسہ کی نمائش گاہ کی زینت کا باعث ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ صنعتی پیداوار ایسی ہو جو بازار میں فروخت ہو سکے۔ مسٹر گاندھی نے اس نظام تعلیم کی حقیقی آزمائش کا معیار بھی تعلیم کی اس مخصوص صفت خود مکتفی پر رکھا ہے۔ اور حکومت سے خواہش کی گئی ہے کہ وہ ان جدید مدارس میں تیار کردہ اشیاء کو واجبی قیمت پر خرید لے۔ خیال یہ ہے کہ شروع شروع میں جب بچہ مبتدی ہوگا تو خام اشیاء کسی قدر ضائع ہوگی۔ لہذا کچھ نقصان برداشت کرنا پڑے گا لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ نقصان نہ اٹھانا پڑے گا۔ اور بچہ کم از کم اوسطاً ۲½ روپیہ ماہواری پیدا کرنے لگے گا۔ اور اگر حکومت ان اشیاء کو خرید لے تو مہاتما جی کا خیال ہے کہ تعلیم کا کفیل بالذات ہو جانے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اور اگر ایسا نہ ہو تو اساتذہ کو بے وقوف محض اور مدارس کو فریب گاہ تصور کرنا چاہئے۔ ملک میں عوام کی لازمی تعلیم کا انحصار بھی تعلیم کے اسی اصول پر مبنی ہے۔ ورنہ اس وسیع اخراجات کی اور کوئی دوسری سبیل ممکن نہیں ہے۔

نصاب اس جدید تنظیم میں مروجہ ابتدائی، درمیانی، اور ثانوی تعلیم کو متحد کر کے ایک بنا دیا جاتا ہے اور اس کو ابتدائی تعلیم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ تعلیم بچہ کی ۷ برس سے ۱۴ برس کی عمر تک

مشتمل ہوگی۔ اور اس ہفت سالہ تعلیم میں طالب علم سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے معیار تعلیم میں مروجہ میٹرک کے مساوی ہو جائے گا۔ تمام مضامین کی تعلیم کسی صنعت کو محور قرار دے کر دی جائے گی۔ ذریعہ تعلیم مادری زبان ہوگی۔ اس کے علاوہ ہندوستانی تعلیم جس کا رسم الخط ہندی یا اُردو ہوگا، ملک کی عام زبان ہونے کی حیثیت سے لازمی ہوگی۔ اس ابتدائی تعلیم کے نصاب سے انگریزی بالکل خارج رہے گی۔ کیونکہ خیال یہ ہے کہ اس ہفت سالہ تعلیم کے اختتام پر اکثر و بیشتر طلباء اپنے صنعتی مضمون کے لحاظ سے کوئی پیشہ مثلاً کاشتکاری، نجاری وغیرہ اختیار کر لیں گے۔ ان پیشوں میں انگریزی کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ اس لئے ہر کس و ناکس پر انگریزی کا بار نہ ڈالا جائے گا۔

اس اسکیم میں نصاب تعلیم دو اہم شعبوں میں تقسیم ہوگا۔ اول اساسی صنعتیں مثلاً

(۱) سوت کاتنا اور کپڑا بُننا

(۲) نجاری

(۳) زراعت

(۴) میوہ اور ترکاریوں کی کاشت

(۵) چمڑے کا کام

(۶) مقامی حالات اور ماحول کی مناسبت سے کوئی صنعت مگر سوت کاتنا اور ابتدائی زراعتی کام سے واقف ہونا لازم گردانا گیا۔

(دوم) درسی مضامین جن میں زیادہ تر وہ مروجہ مضامین ہونگے جو اب بھی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ مثلاً

(۱) مادری زبان

(۲) ریاضی

(۳) سماجی مطالعہ (سوشل اسٹڈیز)

(۴) جنرل سائینس

(۵) ڈرائنگ

(۶) موسیقی

(۷) ہندوستانی

نظام الاوقات نصاب کی یہ تقسیم محض مضامین اور مشاغل کے نوعیت کے اعتبار سے کی گئی ہے ورنہ یہی مضامین اور دستکاری کی تعلیم میں کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ بلکہ دستکاری کی تعلیم کے دوران میں موقع اور مناسبت کے اعتبار سے یہ مضامین اپنے مرکزی اساسی صنعت سے وابستہ ہیں گے اس نصاب کی تکمیل کے لئے جو نظام الاوقات مرتب کیا گیا ہے اس میں سال کے ۳۶۵ دنوں میں ۲۸۸ دن تعلیم ہوگی۔ اس طرح ہر ماہ میں ۲۴ دن کام ہوگا۔ ہر دن کے کام کی تقسیم ذیل کے طریقہ پر ہوگی۔

اساسی صنعت	۳ گھنٹہ ۲۰ منٹ
موسیقی، ڈرائنگ، حساب	۴۰ منٹ
مادری زبان	۴۰ منٹ
سماجی مطالعہ اور عام سائنس	۳۰ منٹ
قواعد جسمانی	۱۰ منٹ
وقفہ	۱۰ منٹ
جملہ	۵ گھنٹہ ۳۰ منٹ

اس طرح ۵ گھنٹہ ۳۰ منٹ میں ۳ گھنٹہ ۲۰ منٹ صنعتی تعلیم کے لئے ہیں اور ۲ گھنٹے ۱۰ منٹ بقیہ مضامین میں صرف ہوں گے۔

اساتذہ کا تقرر موجودہ مدارس اس نظام تعلیم کے نفاذ پر بند کر دئے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ اساتذہ کو بھی رخصت کر دینا پڑے گا لیکن ان امور کا قطعی فیصلہ وزراء کریں گے جدید اساتذہ کے انتخاب میں کافی احتیاط سے کام لیا جائے گا۔ اس امر کو خاص طور پر پیش نظر رکھا جائے گا کہ اساتذہ کو جدید نظام سے کامل ہمدردی ہو۔ اور وہ ہر ممکنہ طریقہ سے اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کرے۔ مقامی استاد کو دوسرے امیدواروں پر ترجیح دی جائے گی۔ اُستاد کی تنخواہ ۲۵ روپیہ یا اس سے کچھ زائد ہوگی۔ لیکن ۲۰ روپیہ سے کم نہ ہوگی۔ ابتدا میں موزوں اُستادوں کی قلت کی وجہ سے کچھ زائد تنخواہ دینا پڑے گی۔

ٹریننگ اسکول - استادوں کی تربیت کے لئے ٹریننگ اسکول کھولے جائیں گے۔ ان میں ۳ سال کا

نصاب ہوگا۔ ٹریننگ اسکول میں داخلہ کی شرط یہ ہوگی کہ جدید مدارس میں امیدوار ہفت سالہ نصاب کی تکمیل کرچکا ہو یا ورناکیولر مڈل اسکول کا طالب علم ۲ سال کسی جدید مدرسہ میں کام کرچکا ہو۔ ٹریننگ کے نصاب میں سوت کاتنا، کپڑا بننا اور دیگر اساسی صنعتوں کے علاوہ اصول تعلیم، حفظ صحت، سماجی تاریخ ہندوستانی زبان، تختہ سیاہ پر تحریر اور خاکہ بنانے کی مشق، ڈرائنگ اور قواعد جسمانی شامل رہے گی۔ اسباق مادری زبان میں دینا ہوں گے۔ لیکن ہندوستانی زبان سے واقفیت ضروری ہوگی۔ طریقہ تعلیم میں خصوصیت سے اس امر کی تربیت دی جائے گی کہ مثل منصوبی طریقہ تعلیم کے اساسی صنعتوں کو محور قرار دے کر دوسرے مضامین کی تعلیم کس طرح اس کے ذریعہ دی جائے۔

صغیر و اعلیٰ جماعتوں کی تعلیم

صغیر اور اعلیٰ جماعتوں کی تعلیم کا اس نظام تعلیم میں کوئی انتظام نہیں ہے۔ ۷ برس سے قبل بچہ کی تعلیم کی اہمیت کو مدنظر رکھکر حکومت سے خواہش کی گئی کہ وہ اس تعلیم کو اپنے ذمہ لے لے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے یہ تجویز بتائی گئی کہ کالج مخصوص کارخانوں سے وابستہ رہیں۔ مثلاً ٹاٹا کے کارخانوں کے ساتھ انجنیری کالج قائم ہو۔ مالک کارخانہ اس کالج کے تمام اخراجات کا کفیل ہو۔ وہ اپنے کارخانے میں ضرورت کے لحاظ سے طلباء کا داخلہ کرے اور فارغ التحصیل ہونے پر اپنے کارخانہ میں ان کو ضم کرلے۔ اسی طرح سے انجمن تجارت ہند ایک تجارتی کالج کھولے اور اس میں تجارت سے متعلق جملہ باتیں سکھائی جائیں۔ ملک کے شفاخانوں کے ساتھ میڈیکل کالج قائم کئے جائیں اور شفاخانہ میں رجوع ہونے والے مریضوں کے عملی تجربہ سے طبی مسائل سکھیں۔ میڈیکل کالج کے اخراجات کے ذمہ دار ایک بڑی حد تک ملک کے امراء و روساء خوشی سے ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کی ضرورتیں اس فن سے زیادہ وابستہ رہتی ہیں۔

امتحان لینے والی یونیورسٹیاں

سرکاری یونیورسٹیاں بھی کھولی جائیں گی۔ ان کا کام امتحان لینا اور مرکزی شعبہ تعلیم کو قایم رکھنا ہوگا۔ حکومت سے ان یونیورسٹیوں کو کوئی مالی امداد نہ ملے گی۔ امتحانات کی فیس سے ان کے مصارف پورے کئے جائیں گے۔ یونیورسٹی چارٹر نہایت فیاضی سے مسلمہ قابلیت اور دیانت دار جماعتوں کو عطا کئے جائیں گے۔ چارٹر کی تقسیم وزراء کے تفویض رہے گی۔ سہ ماہی اور ششماہی وغیرہ امتحانات نہ لئے جائیں گے۔ صرف سالانہ امتحان ہوگا لیکن مدت امتحان زیادہ رکھی جائے گی۔ تاکہ کافی احتیاط سے امیدوار کی قابلیت کی

جانچ ہوسکے۔ کامیابی کے لئے تیار شدہ نمونہ جات اور ان اشیا کی خوبی پر بھی نظر رکھی جائے گی جو طلبا نے کسی سالانہ مقامی نمائش کے لئے تیار کی ہوں۔ اگر امتحان میں زیادہ طلبا ناکام ہوں گے تو اساتذہ کے کام پر خاص طور پر نگرانی رکھی جائے گی۔

خوبیاں

بانیان جدید نظام تعلیم کا دعویٰ ہے کہ یہ اسکیم تعلیمی، نفسیاتی، سماجی اور اقتصادی نقاط نظر سے جملہ صفات اور خوبیوں کی حامل ہے۔ مروجہ تعلیم میں علم اور زندگی میں کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ بچہ مدرسہ میں لکھنا، پڑھنا سیکھتا ہے۔ تاریخ و جغرافیہ یاد کرتا ہے۔ حساب و الجبرا کے پیچیدہ سوالات حل کرتا ہے۔ مگر اس کو یہ نہیں معلوم کہ اس تمام کاوش اور محنت کا مقصد کیا ہے۔ صغیر سنی سے علم اس سے لئے مقصود بالذات بنا دیا گیا۔ لیکن جدید نظام میں کسی صنعت یا پیشہ کو تعلیم کا محور قرار دے کر علم اور زندگی کے درمیان جو فصل حائل تھا اس کو مٹا دیا گیا۔ اب طالب علم کے سامنے ابتدا ہی سے علم اور اس کا مقصد نمایاں رہے گا۔ یہ امر اس کے لئے کوئی راز نہ رہے گا کہ وہ جو کچھ سیکھتا ہے اس سے آیندہ زندگی میں کیا استفادہ کرے گا۔

واردھا اسکیم نفسیاتی نقطہ نظر سے

نفسیاتی نقطہ نظر سے بھی یہ طریقہ تعلیم فطرت اطفال کے لئے نہایت موزوں ہے۔ ہر بچہ میں قدرت کی طرف سے تعمیر اور تعاون کی جبلتیں ودیعت ہوتی ہیں۔ بچہ کو چیزوں کے بنانے میں، اوزاروں اور آلات کے استعمال کرنے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنے میں جو خوشی ہوتی ہے وہ انہی قدرتی جبلتوں کی طمانیت کا نتیجہ ہے۔ اس اسکیم میں عملی کام کے ذریعہ ان جبلتوں کے اظہار کے کامل مواقع موجود ہیں۔ کسی چیز کے بنانے میں اس کو اپنے تمام حواس سے کام کرنا پڑے گا۔ وہ آنکھ سے دیکھے گا۔ دماغ سے سوچے گا اور پھر کوئی نقشہ ذہن میں تیار کر کے اس کو ہاتھوں سے انجام دے گا۔ اس طرح سے جو وہ معلومات حاصل کرے گا وہ نہایت عمیق اور پائدار ہوں گے۔ اس کے برعکس منطقی، و رسمی تعلیم کے ذریعہ جو معلومات بچہ کو ملتے ہیں وہ خارجی ہوتے ہیں۔ لہذا سطحی اور ناپائدار ہوتے ہیں۔

واردھا اسکیم سماجی نقطہ نظر سے

سماجی نقطہ نظر سے بھی یہ طریقہ نہایت مفید ہوگا۔ قوم کے تمام بچے ساتھ ساتھ ایک قسم کے کام کریں گے۔ کام کے دوران میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اس طرح ان میں یگانگت اور اتحاد عمل کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ جسمانی کام کی عزت دلوں میں پیدا ہوگی۔

مروجہ نظام نے جسمانی کام کی طرف سے دلوں میں جو حقارت، اور تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ طبقوں کے درمیان میں جو بیگانگی پیدا کر دی ہے اس کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ سماجی مطالعہ کے ذریعہ بچوں میں ابتدا ہی سے مقامی معاملات میں توجہ اور ہمدردی کے ساتھ شریک ہونے کی صلاحیت، اور حب وطن کا احساس پیدا ہوگا۔ ان کے دلوں میں بلا امتیاز مذہب وملت ایسے مشاہیر عالم کی عزت اور قدر پیدا ہوگی جنہوں نے بنی نوع انسان کو بہتر بنانے میں اپنی تمام آرام اور راحتوں کو قربان کر دیا۔

واردھا اسکیم اقتصادی نقطہ نظر سے

اقتصادی نقطہ نظر سے یہ نظام تعلیم اپنے اخراجات کا خود کفیل ہوگا۔ بچہ کسی فن میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اپنے فرصت کے اوقات کو زیادہ مفید طریقہ پر صرف کرے گا۔ ملک کی ابتدائی تعلیم کو عام کرنے میں جن جن اخراجات کی ضرورت ہے اس کی سبیل بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ تعلیم کفیل بالذات ہو۔ نیز ترک مسکرات کے سلسلہ میں نشئی اشیاء پر ٹیکس کے ذریعہ جو آمدنی ہوتی ہے اس میں کمی ہونا ضروری ہے۔ آمدنی کی مد میں یہ کمی ہو جانے سے تعلیم کے اخراجات کا جو موازنہ ہے اس میں بھی کمی ہوگی۔ بچوں کی تعلیم کی خاطر یہ امر کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ہے کہ ہم قوم کے ایک طبقہ کو شراب پلا پلا کر اس کی آمدنی سے تعلیم کے اخراجات کی سربراہی کریں۔

واردھا اسکیم تنقیدی نقطہ نظر سے

کسی مسئلہ کے متعلق اس وقت تک صحیح رائے قائم کرنا مشکل ہے جب تک کہ خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کے نقائص پر بھی غور نہ کر لیا جائے۔ واردھا اسکیم کے مقاصد یہ ہیں کہ ابتدائی تعلیم عام کر دی جائے تاکہ ملک سے جہالت کی تاریکی دور ہو۔ ملک میں صنعت و حرفت کا رواج ہو تاکہ بے روزگاری کا انسداد ہو سکے۔ طریقہ تعلیم ایسا ہو جو بچہ کی بہترین جسمانی، ذہنی اور روحانی صفات کو نمایاں کر دے۔ ان اعلیٰ مقاصد سے کس کو ہمدردی نہ ہوگی؛ لیکن سوال یہ ہے کہ ان مقاصد کے حل کرنے کے لئے جو اسکیم ہمارے سامنے پیش کی گئی اس میں کس حد تک ان مقاصد کو حاصل کرنے کی صلاحیت ہے۔

واردھا اسکیم سے بے روزگاری کا حل ممکن نہیں

نصاب میں صنعتی تعلیم کو نمایاں جگہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح بے روزگاری کا کامل استیصال ہو جانے کے علاوہ علم اور زندگی میں جو فصل پیدا ہو گیا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے لیکن مروجہ تعلیم کو

بے روزگاری کا باعث قرار دینا یا جدید تعلیم کے ذریعہ اس کے انسداد کی امید کرنا۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ہم نے ملک میں بے روزگاری کے اسباب کو نہیں سمجھا۔ ہر ملک کے باشندوں کی مصروفیات کے چار ذرائع رہتے ہیں۔ صنعت و حرفت، زراعت، تجارت اور ملازمت۔ یورپ اور جاپان کے صنعتی سیلاب میں ملک کی قدیم دستی صنعتیں غائب ہوگئیں اور اس طرح ملک کی ایک بڑی آبادی بیکار ہوگئی۔ اصول سرمایہ داری پر اندرون اور بیرون ممالک سے تجارتی کمپنیاں قائم ہوئیں اس طرح سرمایہ داروں کے ایک مخصوص گروہ نے ملک کے قدیم تاجروں کا دیوالہ نکال دیا۔ اگر کسی نے ہمت کرکے ان سرمایہ داروں کے مقابلہ میں تجارت شروع کی تو گھر کا سرمایہ بھی کھویا۔ زراعت میں کسان بیچاروں نے دن رات کوشش اور سرگردانی کے بعد جو کچھ پیدا کیا اس میں کچھ حکومت نے وصول کیا کچھ زمینداروں کے حصہ میں آیا کچھ سرمایہ داروں نے لیا اور کسان بے چارہ خالی ہاتھ رہا۔ اب رہا ذریعہ ملازمت۔ ان حالات کی تحت ملک کی ایک کثیر آبادی کا ہجوم ملازمت پر ٹوٹ پڑا۔ اور جب ملازمت کے حصول میں دشواریاں پیدا ہوئیں تو تمام الزامات مروجہ نظام تعلیم کے سر تھوپا گیا۔ واردھا اسکیم میں صنعتی تعلیم کو نصاب میں داخل کرکے یہ امید تو کرلی گئی کہ اب علم اور زندگی میں جو فصل پیدا ہوگیا تھا وہ دور ہو جائے گا لیکن اس امر پر غور نہیں کیا گیا کہ اس طرح جو عالم پیدا ہوں گے ملک میں اُن کی ضرورت ہے بھی یا نہیں۔ ان کو اپنے علم سے استفادہ کرنے کے مواقع بھی ہیں یا نہیں۔ ایسی سریلی اور لچکدار آواز بے کار ہے جس کے سننے کے لئے کوئی کان نہ ہوں۔ ایسی دل فریب اور سکون بخش تصویر بے کار ہے جس کو دیکھنے کے لئے کوئی آنکھ نہ ہوں۔ بالکل اسی طرح وہ علم بے کار ہے جس کے استفادہ کی معاشرہ میں کوئی مواقع نہ ہوں۔ ابتدا میں معاشرہ کی تنظیم کرو ورنہ تعلیم اور زندگی کا فصل کبھی پورا نہ ہوگا۔ نصاب میں صرف پیشہ کی تعلیم شامل کر دینے سے بے روزگاری کا انسداد ممکن نہیں۔ بلکہ خطرہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اور زیادہ سنگین ہو جائے گا۔ کیونکہ فی الوقت ہی پیشہ وروں کی یہ کثرت ہے کہ اگر ایک بڑھئی بلاؤ تو تین اور بڑھئی دریافت کرجاتے ہیں کہ بڑھئی کی ضرورت تو نہیں ہے۔ خاکروب کی اگر ایک جگہ خالی ہوجاتی ہے تو متعدد اُس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان حالات کی تحت واردھا اسکیم کی تحت چلنے والے مدارس جب مثل سکہ ڈھالنے والی مشینوں کی طرح پیشہ ور ڈھالنے لگیں گے تو پیشہ وروں میں باہمی مسابقت

اس قدر بڑھ جائے گی کہ اس اسکیم کو جلد سے جلد خیرباد کہہ دینا پڑے گا۔

اسکیم کفیل بالذات نہیں ہوسکتی

اس نظام تعلیم کو کفیل بالذات بنانے کے لئے حکومت سے خواہش کی گئی کہ وہ جدید مدارس میں طلبا کی تمام تیار کردہ اشیا اچھی قیمت پر خرید لے۔ اب سوال یہ ہے کہ حکومت ان اشیا کو مدارس سے خرید کر کیا کرے؟ یہ تو ممکن نہیں کہ اس قسم کی اشیا کے لئے گورنمنٹ اسٹور روم تیار کر کے وہاں ان کو جمع کرتی جائے۔ حکومت کو ان اشیا کی نکاسی کے لئے کسی بازار کا تلاش کرنا ضروری ہوگا۔ لیکن ہر بازار میں ۳ قسم کا مال ہوگا۔ ایک تو وہ مال جو یورپ اور جاپان کے صنعتی کارخانوں کا تیار کردہ ہو۔ دوسرا وہ مال جو خود یہاں کے پیشہ وروں کا بنایا ہوا ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک تیسرا مال بھی جو ان کاریگروں کا تیار کردہ ہوگا جو جدید مدارس کے فارغ التحصیل ہوں گے بازار میں آنے لگے گا۔ ان تینوں کے مقابلہ میں ناتجربہ کار طلبا کا بنایا ہوا مال سب سے خراب اور گراں ہوگا۔ ایسی صورت میں اس مال کی نکاسی کی کیا امید کرنا چاہیے۔ گو مال کی نکاسی کی ایک امید یہ دلائی گئی ہے کہ قوم اپنے بچوں کی تیار کردہ اشیا کا خریدنا باعث فخر سمجھے گی اور اس کو کسی قدر گراں قیمت پر بھی خوشی خوشی خرید لے گی۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں اس خیال میں کچھ کامیابی ہو اور لوگ قومی خیال کی تحت اصل قیمت سے کئی گنا قیمت دے کر اس ناقص مال کو خوشی خوشی خرید لیں جس طرح قانون نمک کے خلاف ورزی کے زمانہ میں خود ساختہ نمک کی قیمت لوگوں نے ۵۰۰ روپیہ فی تولہ تک دی لیکن اس قسم کے جذبات عارضی ہوتے ہیں۔ کسی مستقل اسکیم کو اس امید پر تیار کرنا یقیناً دانشمندی کے خلاف ہے اور جب تیار کردہ مال کی نکاسی کی کوئی صورت نہ ہوگی تو تعلیم کا کفیل بالذات ہونا تو کجا مروجہ تعلیمی اخراجات سے بھی یہ اخراجات تجاوز کر جائیں گے۔

کفیل بالذات بنانے میں خطرہ

تعلیم کا اپنے اخراجات کے لئے خود مکتفی ہونا یہ خیال ایک خوشکن خواب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ ممکن ہے کہ جس طرح مروجہ تعلیم میں طلبا کی فیس کے ذریعہ تعلیم کے کچھ اخراجات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اشیا کے فروخت ہونے کے بعد اگر اس میں کچھ نفع ہو تو اس سے اخراجات کے کسی جزو کی پابجالی ہو جائے۔ لیکن اس جزوی کفایت میں ایک اہم خطرہ پوشیدہ ہے۔ اس خطرہ میں مہاتما گاندھی کے ان الفاظ نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے کہ اگر تعلیم اپنے اخراجات کی کفیل نہ ہو تو استاد نالائق اور مدرسہ فریب گاہ

سمجھا جائے گا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے وار دھا ایجوکیشنل کانفرنس کو اس خطرہ سے متنبہ بھی کیا کہ تعلیم کے اس رخ پر زور دینے سے نتیجہ یہ ہوگا کہ استاد تمام تعلیمی اصولوں کو پس پشت ڈال کر اپنی تمام تر کوشش تعلیم کو کفیل بالذات بنانے میں صرف کر دے گا۔ اس حالت میں بچوں کی صورت ان قیدیوں کی سی ہوگی جن کو حکومت نے کسی شدید جرم کی سزا میں قید بامشقت دی ہو۔ اور یہ یقیناً قوم کے لئے نہایت گراں ہوگی۔

وار دھا اسکیم پر عمل مشکل ہے

وار دھا اسکیم اپنے طریقہ کار میں منصوبی طریقہ تعلیم کے ہم شکل ہے۔ منصوبی طریقہ تعلیم کو باقاعدہ عمل میں لانے کے لئے دو بنیادی اصولوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ اول مشاغل کے انتخاب میں احتیاط۔ یہ مشاغل تعلیمی نقطۂ نظر سے اتنے وسیع ہوں کہ مختلف مضامین کی باقاعدہ ان کے ذریعہ تعلیم ہو سکے۔ نیز ان مشاغل کی تعداد بھی زیادہ ہو تاکہ مختلف طبائع کے لئے وہ نفسیاتی نقطۂ نظر سے موزوں ہوں۔ دوم قابل؛ تربیت یافتہ اساتذہ کا تقرر۔ منصوبی طریقہ تعلیم کی تحت تعلیم دینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُستاد کو اپنے مضامین پر کامل عبور رہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو کہ اس کے مضامین سے متعلقہ اصولوں کا اطلاق قدرت میں کہاں کہاں اور کس طرح ہوتا ہے۔ قابل استاد اور علمی مشاغل کے علاوہ اس طریقہ تعلیم کو کامیاب طریقہ پر چلانے کے لئے مدارس میں باقاعدہ سائنٹفک آلات سے آراستہ دارالتجارب کی ضرورت ہے۔

منصوبی طریقہ کے اس عنصر کے لئے وسیع اخراجات کی ضرورت ہے۔ وار دھا اسکیم میں جب ہم ان چیزوں کو تلاش کرتے ہیں تو وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ عملی مشاغل لے دیکر چھ یا سات ہیں ان میں سوائے زراعت یا باغبانی کے اور دوسرے مشاغل تعلیمی نقطۂ نظر سے زیادہ موزوں نہیں ہیں۔ ان کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ اس لحاظ سے مختلف طبائع کے بچوں کی تشفی کے لئے بالکل ناکافی ہیں اور اس پر طرفہ یہ ہے کہ چرخہ کی گردش ہر طالب علم کے لئے لازمی قرار دی گئی۔ سیاسی نقطۂ نظر سے چرخہ کی گردش میں کوئی خوبی ممکن ہے پوشیدہ ہو۔ مگر تعلیمی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ اُستادوں کی قابلیت میٹرک کے مساوی ہوگی۔ اُن کی تنخواہیں ۲۵ روپیہ ہونگی۔ قدرت میں جن سائنٹفک اصولوں کا اطلاق ہوتا ہے وہ اس معیار کے استادہی کے سمجھ کے باہر ہیں تو پھر شاگرد

کو ایسے استاد سے کیا توقع رکھنا چاہئے پھر جب مدارس کفیل بالذات کے اصول پر عمل کریں گے تو اسٹاف مدرسہ ہی کے اخراجات نکلنا مشکل ہیں منصوبی طریقہ تعلیم کے لئے وسیع دار التجارب مع قیمتی ساز و سامان کے کہاں سے فراہم کئے جائینگے۔ ان تمام باتوں پر غور کرنے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ واردھا اسکیم کا جو نقشہ کاغذ پر کھینچا گیا ہے وہ صرف دل کے خیالی منصوبے ہیں۔ عملاً اس میں بجز کسان، بڑھئی، جولاہے کی فنی میکانکی تربیت کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔

واردھا اسکیم میں خالص پیشہ ورانہ رنگ۔

واردھا اسکیم میں پیشہ ورانہ تعلیم کا رنگ اتنا غالب ہے کہ کوئی دوسرا رنگ غور کرنے پر بھی نظر نہیں آتا۔ نظام الاوقات کی ترتیب بھی کچھ اس طرح دی گئی ہے کہ اس میں بجز پیشے کی تعلیم کے اور دیگر مضامین کی تعلیم ناممکن ہی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً ۵ گھنٹہ ۳۰ منٹ کی جملہ تعلیم میں ۳ گھنٹہ ۲۰ منٹ صنعتی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے اور ۲ گھنٹہ ۱۰ منٹ جملہ مضامین کی تعلیم کے لئے باقی رہ جاتے ہیں۔ اس میں ۱۰ منٹ وقفہ اور ۱۰ منٹ قواعد جسمانی کے بھی شامل ہیں۔ اس وقت کو نکال کر صرف ۱ گھنٹہ ۵۰ منٹ رہ جاتے ہیں۔ اس وقت میں موسیقی، ڈرائنگ، حساب، مادری زبان، سماجی مطالعہ اور عام سائنس کی تعلیم دینا ہے۔ موسیقی، ڈرائنگ اور حساب کے لئے مجموعی طور پر ۴۰ منٹ رکھے گئے۔ اس طرح اوسطاً ہر مضمون کے لئے ۱۳ ۱/۳ منٹ ملتے ہیں۔ اگر اس میں سے وہ وقت منہا کر دیا جائے جو عموماً ایک مضمون کے خاتمہ پر دوسرے مضمون کی ابتدا کرنے میں صرف ہوتا ہے تو حساب کے لئے مشکل سے ۱۰ منٹ روزانہ ملتے ہیں۔ اس قلیل مدت میں حساب کے ابتدائی چار قاعدے ضرب، تقسیم، جمع، باقی۔ روپیہ۔ آنہ۔ پائی وغیرہ کی ضرب و تقسیم۔ کسور عام و کسور اعشاریہ۔ تناسب، اکائی کا قاعدہ، سود مفرد و مرکب۔ مساحت، بک کیپنگ، عملی ہندسہ کی تعلیم شامل ہے۔ سوشل مطالعہ اور جنرل سائینس کے جملہ ۳۰ منٹ مقرر کئے گئے۔ اس وقت میں مطالعہ قدرت، نباتات، حیوانات، انسانی جسم کی ساخت، حفظ صحت، فزیکل کلچر، کیمیا، طبیعیات، علم ہیئت، مشہور سائینس دانوں کی سوانح عمریاں سائینس میں۔ اور دنیا کی جغرافیہ، ہندوستان کی جغرافیہ خصوصیت سے۔ انسانی ارتقاء کے حالات، ہندوستان میں سیاسی بیداری ایسے حالات جن سے حب وطن کا احساس پیدا ہو۔ تاریخ ہند۔ پنچایت و بورڈ وغیرہ کی تنظیم و قواعد۔ جغرافیہ میں ملک کی پیداوار۔ موسم ذرائع نقل و حمل۔ پیشہ۔ نقشہ کشی وغیرہ۔ سوشل مطالعہ میں شامل ہیں۔

اس قلیل مدت میں متعدد سے متعدد استاد کے لئے بھی اتنے مضامین کا پڑھانا ناممکن ہے۔

واردھا اسکیم تعلیمی نقطہ نظر سے نامکمل

ایک ماہر تعلیم کا مقولہ ہے کہ انسان کی تعلیم کا آغاز اسی دن سے ہونا چاہئے جس دن سے وہ شکم مادر میں آتا ہے اور خاتمہ اس دن ہونا چاہئے جب وہ قبر کی آغوش میں سو جاتا ہے۔ اس اسکیم میں ۷ برس سے ۱۴ برس کے ہفت سالہ وقفہ کے علاوہ اور کسی عمر کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ پیدائش سے ۷ برس تک بچہ کی تعلیم کو نظر انداز کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس عرصہ میں بچہ کی جو جبلتیں ظاہر ہوئیں وہ غیر تربیت یافتہ گزر گئیں۔ بقول مسٹر جیمس کے بچوں کی جبلتیں "ابھی یا کبھی نہیں" کے مصداق ہوتی ہیں۔ مثلاً ۱ تا ۳ برس کا زمانہ بچہ کے لئے زبان سیکھنے کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں بچہ کو جو زبان سکھانا مقصود ہو اسی زبان کے بولنے والوں میں اس کی پرورش کرو۔ جو روانی اب پیدا ہوگی وہ بات پھر کبھی حاصل نہیں ہو سکتی ۳ تا ۷ برس کے زمانہ میں بچہ میں نقل کرنے، مختلف سوالات کرنے، کہانیاں سننے کا شوق بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں دماغ میں اتنی نرمی اور لچک ہوتی ہے کہ جو خیال اس وقت دماغ میں نقش ہو جاتا ہے وہ تمام عمر زائل نہیں ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کو اگر اخلاقی و ذہنی تربیت کا ذریعہ بنایا جائے تو یقیناً آیندہ کے لئے نہایت مستحکم بنیادیں پڑ سکتی ہیں۔ واردھا اسکیم نے اس زمانہ کو صرف اتنی خواہش کے ساتھ فراموش کر دیا کہ حکومت اس تعلیم کا انتظام کر دے گی۔ ۱۴ برس سے بعد کی تعلیم کا انتظام بھی ایسا ہی نامکمل ہے۔ اب طالب علم اس منزل پر پہنچ چکتا ہے جہاں اس کے شوق کی ایک حد تک نشو و نما ہو چکی ہے۔ اب اسے بعض علوم سے بنفسہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اب وہ اپنے پسندیدہ مضمون کو ایک محقق کی حیثیت سے پڑھنا چاہتا ہے۔ اس منزل پر کسی عملی مشغلہ کو تعلیم کا محور بنا کر پڑھانا طالب علم کو ایک باقاعدہ اصولی تعلیم سے محروم کر کے اس کا تضیع اوقات کرنا ہے۔ طبی تعلیم کے لئے یہ مشورہ دیا گیا کہ اس میں مریضوں کو ذریعہ تعلیم بنا کر تمام طبی اصول سکھیے جائیں۔ اس طریق کار میں معلم اور متعلم دونوں کے لئے مشکلات کا سامنا ہے۔ فرض کرو ایک دن ایسا مریض آتا ہے جس کا مرض قبل کے گوناگوں بیماریوں کا نتیجہ ہے۔ اب قبل اس کے استاد ان تمام بیماریوں کو جن کا کہ یہ مرض آخری نتیجہ ہے نہ پڑھا لے شاگرد اس موجودہ مرض کے متعلق کچھ نہ سمجھ سکیں گے۔ اس کے برعکس اگر باقاعدہ مرتب کئے ہوئے اصول پر آسان سے مشکل کی طرف قدم

اٹھایا جائے اور ساتھ ہی ساتھ نظری اور عملی تعلیم کو وابستہ رکھا جائے تو ان مشکلات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

وار دھا اسکیم میں صنعتی تعلیم بھی زمانہ کے حسب حال نہیں ہے

وار دھا اسکیم میں تعلیم کی بنیاد صنعت پر رکھی گئی ہے لیکن مشینوں کے استعمال سے قطعی پرہیز کیا گیا ہے۔ ہم کو معلوم رہنا چاہئے کہ ہم سولہویں صدی کے طلبا کے لئے نظام تعلیم نہیں بنا رہے ہیں بلکہ اب بیسویں صدی ہے۔ مشینوں کے استعمال کے خلاف درویشانہ نقطہ خیال سے جو کچھ بھی کہا جائے درست ہوگا۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ مشینیں انسان کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ اور انسان کی بہتیری سہولتوں اور راحت کا ذریعہ ہیں۔ جس طرح ہر مفید چیز ناقص ہاتھوں میں ناقص بن جاتی ہے اسی طرح مشینوں کے غلط استعمال نے ان کو جا بجا انسانی مصائب کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اگر کوئی شخص کرسی بنا کر اس پر خود بیٹھنے کی بجائے کرسی سر پر رکھ لے تو قصور کس کا ہے۔ صنعت کو ذریعہ تعلیم بنا کر مشین سے بریّت میں دو نقصانات ہیں۔ اول مشینوں کے ذریعہ جن سائنٹفک اصولوں کی تعلیم ممکن تھی وہ پہلو مفقود ہو گیا۔ دوم دوسری اقوام کا بغیر مشینوں کی مدد کے صنعت میں ہمارے لئے مقابلہ ناممکن ہے۔ ہم ریل اور موٹر کے مقابلہ میں بنڈیوں کے استعمال کے کتنے فوائد بتائیں اور اس کو رواج دینے کی کتنی ہی تلقین کریں کبھی کامیابی نہ ہوگی خود ناصح کو اپنی نصیحت پر عمل کرنا مشکل ہوگا۔

زبان انگریزی کا اخراج

ایک زمانہ وہ تھا کہ ہر مضمون کا ذریعہ تعلیم انگریزی تھا اور اب بھی جا بجا ایسا ہی ہے کہ ہر کس و ناکس کے لئے چاہے قدرت نے اُس کو کسی غیر زبان کے سیکھنے کا اہل بنایا ہو نہ بنایا ہو۔ زبان انگریزی کا سیکھنا لازمی ہے۔ وار دھا اسکیم نے رقّاص کو دوسری حد پر پہونچا دیا۔ اور زبان انگریزی کو نصاب سے بالکل اڑا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ پہلا طریقہ صحیح تھا نہ دوسرا درست ہے۔ مناسب طریقہ یہ تھا کہ ہم حد اعتدال پر رہتے اور انگریزی کو نصاب میں ایک اہم اختیاری زبان کی حیثیت دے دیتے۔ کیونکہ انگریزوں کا ملک پر تسلط ہونے کی وجہ سے اس زبان کو جو اقتصادی اور معاشرتی اہمیت حاصل ہے اُس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر انگریز ہندوستان سے چلے بھی جائیں تب بھی اس زبان سے تجارتی اور بین الاقوامی

تعلقات رکھنے کے لئے اس زبان کی شدید ضرورت باقی رہے گی۔ مزید براں ہندوستان کی تمام زبانوں میں ابھی علمی و سائنٹفک ذخیرہ بہت کم ہے۔ اس ذخیرہ کو ہندوستانی زبان میں منتقل کرنے کے لئے آسان ترین ذریعہ انگریزی زبان ہے۔

امتحان لینے والی جماعتوں کا طریقہ انتخاب غلط ہے

مروجہ طریقہ تعلیم کی خرابیوں کا باعث ایک بڑی حد تک امتحان ہے۔ معلم اور متعلم اصول تعلیم کو پس پشت ڈال کر اپنی تمام تر کوششیں اس لئے کرتے ہیں کہ کسی طرح امتحان میں کامیاب ہو جائیں۔ امتحان کو دیوتا بنا کر اس کی پرستش میں طالب علم کی دماغی جسمانی اور اخلاقی قوتیں قربان کر دی جاتی ہیں۔ واردھا اسکیم بھی اس وبا سے محفوظ نہ رہ سکی اور غالباً یہ جدید طریقہ قدیم طریقہ سے بھی زیادہ ناقص ثابت ہوگا کیونکہ امتحان لینے والی یونیورسٹیوں کا چارٹر بڑی فیاضی سے عطا ہوگا۔ اگر ان چارٹر پانے والی جماعتوں نے اپنے اختیارات کو جائز طریقہ پر استعمال نہ کیا تو اس کی جانچ اور سد باب کا کیا طریقہ ہوگا۔ اس خطرہ میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ ان جماعتوں کے اخراجات کی کفالت امتحانی فیس سے کی جائے گی۔ چارٹر عطا کرنا وزراء کے تفویض رہے گا اور گو دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ یہ چارٹر مسلمہ قابلیت اور دیانت دار جماعتوں کو دیا جائے گا لیکن ہم کو معلوم رہنا چاہئے کہ دیانت کی جانچ کا کوئی آلہ نہیں ہوتا۔ رہا قابلیت کا سوال تو عموماً وزراء خود فن قانون کے ماہرین میں سے ہوتے ہیں۔ فن تعلیم سے وہ ایک بڑی حد تک ناواقف ہوتے ہیں۔ اگر یہ چارٹر مناسب ہاتھوں میں نہ پڑا (جس کے کافی امکانات ہیں) تو اس اسکیم میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جائینگی۔

واردھا اسکیم میں تعطیلات کی کمی

واردھا اسکیم میں تعطیلات اور روزمرہ کی تعلیم کے دوران میں فرصت کے وقفوں کی نہایت کمی ہے۔ روزانہ ۵ گھنٹہ ۳۰ منٹ کی تعلیم میں صرف ۱۰ منٹ کا وقفہ رکھا گیا۔ ۵ گھنٹہ ۲۰ منٹ کی مسلسل تعلیم سات برس کے بچوں کے لئے وہ منصوبی طریقہ تعلیم ہی کی تحت کیوں نہ ہو یقیناً پریشان کن ہوگی۔ تعطیلات کی بھی کچھ ایسی ہی صورت ہے ہر ماہ میں جملہ ۶ یوم کی تعطیلات رکھی گئی ہیں۔ ان چھ یوم میں ۴ جمعہ یا اتوار واقع ہوں گے اور باقی ۲ یوم غالباً کسی تہوار یا تقریب کے رکھے گئے۔ اس لحاظ سے مدارس کی تعطیلات کارخانوں کی تعطیلات کے مماثل اور مساوی ہیں لیکن مدارس اور کارخانوں کے کام کی نوعیت بالکل جدا ہے۔ مدارس میں معلم اور متعلم

دونوں کے لئے دماغی کام رہتا ہے اور کارخانوں کا کام ایک بڑی حد تک میکانکی رہتا ہے۔ مدارس میں خصوصاً متعلم کے لئے تعطیلات کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ انسان کے دماغ کی حالت مثل برقی "لیک لینشی خانہ" کے ہوتی ہے۔ جو کچھ عرصہ تک مسلسل برقی رو دینے کے بعد کمزور پڑ جاتا ہے اور پھر اصل حالت پر لانے کے لئے برقی دَور توڑ کر وقفہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ دماغ بھی کچھ عرصہ تک مسلسل کام کرنے کے بعد سست پڑ جاتا ہے تعطیلات کے ذریعہ یہ تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور پھر نئے کام کے لئے از سر نو تیار ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نفسیاتی نقطۂ نظر سے بھی یہ تعطیلات ضروری ہیں کیونکہ جس طرح معدہ کو کھانا ہضم کرنے کے لئے ایک کھانے اور دوسرے کھانے کے درمیان میں وقفہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح دماغ کو کچھ عرصہ تک کام کرنے کے بعد کم از کم دو ہفتوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ گذشتہ ارتسامات کو اچھی طرح جمالے۔ واردھا اسکیم میں تعطیلات کی یہ کفایت عین اسراف ہے۔

واردھا اسکیم اور اخلاقی تعلیم

واردھا اسکیم میں اخلاقی و مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اخلاقی تعلیم کے متعلق یہ کہا گیا کہ سوشل مطالعہ کے دوران میں یہ تعلیم قدرتی طریقہ پر انجام پا جائے گی لیکن سوشل مطالعہ کا جو نصاب ہے اور اس کی مناسبت سے جو وقت رکھا گیا ہے وہ اتنا ناکافی ہے کہ اس سے کسی باقاعدہ مطالعہ کی امید رکھنا فضول ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سوشل مطالعہ کے ذریعہ اخلاقی تعلیم کا جو طریقہ کار بتایا گیا ہے اس میں کامیابی ہوگی تو بھی اخلاقی تعلیم نامکمل رہتی ہے۔ کیوں کہ انسان کی اخلاقی تعلیم کے تین پہلو ہیں۔ اول حقوق اللہ۔ دوم حقوق العباد اور سوم حقوق النفس۔ حقوق اللہ سے مطلب وہ حقوق جو بندے پر اپنے خالق کے ہیں۔ حقوق العباد سے مطلب وہ حقوق جو انسان پر ابنائے جنس کے ہیں۔ اور حقوق النفس سے مطلب وہ حقوق جو خود اپنی ذات کے اپنے اوپر ہیں۔ سوشل مطالعہ سے (وہ بھی اگر باقاعدہ طریقہ پر عمل میں لایا جائے) طالب علم صرف حقوق العباد کے احترام کی تربیت حاصل کرے گا۔ اور اس کی حالت مثل فرضی "رِپ وین وِنکل" کی ہوگی جو دوسروں کی مدد کے لئے تو ہر وقت تیار اور اپنی و نیز اپنے بچوں کی کچھ پروا نہیں۔ اسی طرح صرف معاشری تہذیب حاصل کر لینے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق کے ساتھ محبت اور عبودیت کے صحیح جذبات پیدا کر سکے اس کے لئے اس کی زندگی ایک مختصر بے معنی زندگی ہوگی اور

وہ کبھی اس زندگی کو ابدی و روحانی صفات سے مزین نہ کر سکے گا۔ صرف اسی ایک معاشری تہذیب کا نتیجہ ہے کہ آج تمام دنیا پر جنگ و جدال کی تباہ کن گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ اسپین اور چین میں ہزار ہا بندگان خدا بلا قصور ذبح ہو رہے ہیں۔

استاد

از

محترمہ رابعہ بیگم صاحبہ محبوبیہ گرلز اسکول

اس سے پیشتر کہ میں اپنے ناقص خیالات ارباب حل و عقد کے سامنے پیش کروں نہایت صاف دلی اور صاف گوئی کے ساتھ اس امر کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ میں نہ کوئی سند یافتہ معلمہ ہوں نہ ٹرینڈ ٹیچر اور نہ سیر و سیاحت یا تعلیمی سفر یا آزاد فضا کے تجارب و معلومات سے استفادہ کیا ہے۔ یہ مضمون سینکڑوں ماہرین فن اور ناقدین اُصول اصلاحی کا تختہ مشق رہ چکا تقریباً اس کا ہر پہلو زیر بحث و تنقید آچکا ہے۔ میرا مضمون یقیناً کوئی نئی چیز نہ ہوگا۔ پھر بھی قلم اٹھانے کی جرأت دو وجوہات پر مبنی ہے۔ اولاً تدریس کا ترکہ والدین سے مجھے ورانتاً ملا ہے۔ ثانیاً میرا ذاتی بائیس ۲۲ سالہ تعلیمی تجربہ جس کی بنا پر میں چند امور پر روشنی ڈالنی ضروری سمجھتی ہوں۔

میں نے اس مضمون کو حسب ذیل عنوانات پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ استاد کی شخصیت ۲۔ استاد کی ذمہ داریاں ۳۔ تدریس کے اساسی اصول۔
۴۔ احساس فرائض ۵۔ اُستاد کا انتخاب۔ ۶۔ استاد کی عظمت و وقعت ۷۔ استاد کی مشکلات۔

۱۔ **استاد کی شخصیت**۔ یہ بات قابل غور ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن کی وجہ سے استاد کی شخصیت اہمیت حاصل کر سکتی ہے۔

لیاقت علمی۔ اس کی جانچ کے دو معیار ہیں۔ ایک تو علم اور فن دانی۔ دوسرے ملکۂ تدریس مسلمہ امر ہے کہ جو استاد زیادہ تعلیم یافتہ صاحب تجربہ اور وسیع المعلومات ہوگا اُسی قدر اس کی

تعلیم کامیاب ثابت ہوگی اور اس کامیابی کی مناسبت سے شخصیت وقیع اور اہم سمجھی جائے گی۔
ظاہر ہے فی زمانا علم وفن کا معیار ڈگری ہے جو جتنی بڑی ڈگری کا مالک ہوتا ہے اسی قدر لایق وقابل سمجھا جاتا ہے اور بڑی ڈگری رکھنے والے استاد کی شخصیت کا اہم سمجھا جانا امر لازمی ہے۔

رہا دوسرا پہلو ملکۂ تدریس وہ ایک بالکل علٰحدہ چیز ہے۔ یہ ایک فطری قابلیت ہے۔ ہرگز لازمی نہیں کہ جو شخص ایک اعلٰی سند رکھتا ہو وہ قابل استاد بھی ثابت ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ ایک اُصولی تعلیم دینے والا استاد صاحب سند بھی ہو۔ پس جو معلم علم وفن اور ملکۂ تدریس دونوں پر عبور رکھتا ہے اُسی کی شخصیت کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

کردار۔ ایک استاد کے لئے کردار کی پختگی کیارکٹر کی مضبوطی اخلاق کی پاکیزگی نہایت ضروری چیزیں ہیں۔ استاد کو صاحب وقار، متین، سنجیدہ، حلیم، طبیعت شناس، بیدار مغز، با اخلاق، شیریں کلام، خندہ رو وخوش مزاج ہونا چاہئے اور شریف النفس، بے غرض خوددار وخود اعتماد، شفیق ومہربان راست باز، ضابط، محنت پسند بلند نظر وعالی ظرف نیک دل وحق شناس وسیع الخیال وروشن دماغ صاف دل ذاتیات سے مُبرا، فرائض شناس منتظم انس والفت کا مادہ دوسروں میں پیدا کرنے والا۔ اقتدار واثرات سے متاثر نہ ہونے والا ہونا چاہئے۔ جس قدر اُستاد پختہ کردار ہوگا اسی قدر اس کی شخصیت بھی وقیع ہوگی۔

جسامت۔ استاد کو ذی وقار بنانے والی ایک چیز اس کی ظاہری وجاہت اور قامت وجسامت بھی ہے۔ یہ مثل مشہور ہے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی۔ اس میں شک نہیں کہ ابتداً جسیم وطویل استاد باوقار معلوم ہوتا ہے اور وقتیہ اس کے رعب کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی شخصیت کا ضرور اچھا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح پست قامت نحیف الجثہ اور کم زور استاد کی شخصیت پہلی نظر میں نہیں جچتی اور جیسا کہ چاہئے استاد کا وقار پیدا ہونے نہیں پاتا لیکن محض وجاہت ظاہری استاد کی شخصیت کو باوقار نہیں بنا سکتی جب تک کہ وہ غیر معمولی قابلیت وکردار کا حامل نہ ہو اور نہ نحیف ہونا اس کے وقار کو گرا سکتا ہے اگر وہ اعلٰی لیاقت اور مضبوط کیارکٹر رکھتا ہو کسی کا مقولہ ہے کہ قیمتی جواہر چھوٹے صندوق میں بند ہوتے ہیں۔

پس اُستاد کو درحقیقت جو چیز وقیع وباوقار بنانے والی ہے وہ اس کا علم وفضل

طریقہ تعلیم اور سیرت و کردار ہے۔

۲۔ استاد کی ذمہ داریاں:۔ استاد کی ذمہ دارانہ حیثیت بے حد بڑھی ہوئی ہے سب سے پہلی بات جو اس کو محسوس کرنی چاہیئے یہ ہے کہ وہ ایک گراں قیمت سرمایہ کا امانت دار ہے۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ والدین بچوں کو وجود ظاہری میں لانے اور ان کے نشو ونما کا سبب ہیں اور استاد ان کی باطنی قوتوں کی پرورش اور روحانی ترقی کا باعث ہے۔

حقیقتاً اولاد امانت خداوندی ہے جس کا ذمہ دار وہ اپنے ان بندوں کو جنہیں اہل جانتا ہے بناتا ہے۔ عموماً والدین کی تمام تر خواہش و کوشش یہی ہوتی ہے کہ ان کی اولاد بہ لحاظ صحت و تندرستی تعلیم و تربیت اخلاق و عادات شہرت و ناموری تمول و خوش حالی وغیرہ میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کرے اور خاندان و ملک و قوم کے لئے ایک بکار آمد ہستی ثابت ہو اور اسی مقصد کے حصول کے لئے وہ کسی ممکنہ جد وجہد سے باز نہیں رہتے۔ ماں باپ دنیا بھر کی سختیاں جھیلتے افلاس و تنگ دستی کے مصائب برداشت کرتے اپنے مقدور سے زیادہ روپیہ صرف کرتے اپنے بچوں کو اپنے قرب اور آغوش سے دور کر دیتے ہیں محض اس لئے کہ ان کی اولاد قابل و لایق بنے۔

ان کی یہ جد وجہد درحقیقت امانت الہٰی کی ذمہ داریوں کی بجا آوری ہے جس میں وہ استادوں کو اپنا شریک بناتے ہیں اور اس بڑی امانت کو ان کے سپرد کرتے ہیں بس جیسے والدین امانت خداوندی کے امین ہیں اُسی طرح استاد والدین کی امانت کے امانت دار ہیں۔ ان کا فریضہ ہے کہ اس امانت میں کاہلی و بے پروائی خود غرضی و آرام طلبی کی خیانت کو دخل نہ دیں۔

استاد کی مثال ایک زرگر کی سی ہے۔ جسے زر خالص دے کر اس سے خواہش کی جاتی ہے کہ حسب پسند و فرمائش خوش وضع و نفیس چیز تیار کرے اور اس کی یہ ذمہ داری اور کاریگری ہے کہ اپنے فن کی مدد سے اس سونے کو نہ صرف آمیزش سے پاک رکھے بلکہ صیقل و جلا کرکے ایک عمدہ نمونہ پیش کرے۔ ایسے ہی بچے جو لوح سادہ کی مانند ہیں استاد کے حوالے کئے جاتے ہیں اور اس کا فریضہ اور کمال قابلیت ہے کہ اس لوح پر بہترین نقش و نگار مرتسم کرے۔

جہاں تعلیم دینا اور بچوں کے دل و دماغ میں اخذ کا مادہ پیدا کرنا اُس کا کام ہے وہاں ان کی تربیت و پرداخت اور اخلاق و عادات کی اصلاح بھی اس کا فریضہ ہے۔ اُس کا صرف

یہی کام نہیں کہ اپنے اوقات درس کو صرف درس کی حد تک کسی حال طوعاً و کرہاً گزار دے بلکہ اس کا فرض ہے کہ دوران درس اور درس کے باہر طالب علموں کی ہر اُس بات پر نظر رکھے جو اصول اخلاق سے بعید ہو۔ جب تک بچہ والدین سے دور مدرسہ کے کمپونڈ میں ہے۔ اس وقت تک بچے کی ہر بات کا استاد ذمہ دار ہے۔ اس کو خوب جاننا چاہئے کہ وہ نہ صرف ایک معلم ہے بلکہ قوم کا معمار ہے قوم کی آیندہ تعمیر و تشکیل کا انحصار قریب قریب بالکل اس کی ذات پر ہے جس حد تک پایہ مضبوط ہوگا اُسی حد تک عمارت بھی مستحکم ہوگی۔ استاد صرف ایک بچے ایک جماعت ایک مدرسہ کا جواب دہ نہیں ہوتا بلکہ ایک قوم ایک ملک کا جوابدار ہے۔

۳۔ **تدریس کے اساسی اصول**:۔ یہ وہ چیز ہے کہ اگر ابتداءً چھوٹی جماعتوں سے ان پر توجہ کی جائے اور اُن پر عمل ہو تو آیندہ کالج بھی اس کے فیضان سے محروم نہ رہیں۔

ملکۂ اکتساب۔ اس میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ استاد متعلقہ جماعت میں متعلقہ مضمون سے جو کچھ بتانا سکھانا چاہتا ہو اس کے اخذ کا ملکہ دماغ میں جاگزیں اور دلنشیں کرنے کا مادہ بچوں میں پیدا کرے اور یہ بات اس وقت تک نہیں پیدا ہوتی جب تک بچے استاد سے مانوس نہ ہوں اور اس کی عظمت و الفت ان کے دل میں پیدا نہ ہو اور اس کا پیدا کرنا بالکلیہ استاد کا کام ہے۔ اور یہ بات پیدا ہوتی ہے استاد کے خلوص و ہمدردی طبیعت شناسی اور مناسب طرز عمل سے جو طلباء کو اس سے مانوس کرتی ہے اور وہ انس ان کی توجہ کو اس کی طرف منعطف کر دیتا ہے جب بچے محسوس کرتے بلکہ انھیں تصدیق ہوتی ہے کہ استاد کا قول و عمل ان کی بہی خواہی پر مبنی ہے تو اس کی بات کو دلچسپی و توجہ سے سنتے اور دلنشیں کرتے ہیں ضبط جماعت کا ابتدائی اور اُصولی گر یہی ہے۔

تنظیم جماعت۔ استاد کو اپنے میں یہ قوت پیدا کرنی اور طلباء پر یہ اثر رکھنا چاہئے کہ جیسے وہ کلاس میں داخل ہو پوری جماعت بطیب خاطر بالکل خاموش ہمہ تن اس کی جانب متوجہ ہو جائے۔ پھر وہ انھیں فوراً کام میں مصروف کر دے اور مصروف رکھے اور مناسب سوال و جواب کے سوا اور کوئی غیر ضروری گفتگو۔۔ بیان میں نہ آنے دے جو اُستاد جماعت میں کام کروانا نہیں چاہتا یا خود وقت ٹال دینا چاہتا ہے اس کی جماعت بے نظمی شور و غوغا اور ہڑبونگ سے بھری نظر آتی ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ کارگزار استاد طلباء کو کارگزار۔ محنتی استاد طلبہ کو محنتی۔ اور مجتمع الدماغ استاد ان کو مجتمع اور

متوجہ بنا لیتا ہے۔

جماعتوں میں ڈیسک پیٹنا، کرسیاں جھلانا۔ ہاتھ پیر ہلاتے رہنا بلا اجازت استاد باہم باتیں کرنا (خواہ وہ کتنی ہی ضروری بات ہو) مقررہ مضمون کے وقت دوسرا کام کرنا۔ استاد کا فرض ہے کہ طلبا کو ہرگز اس کا عادی نہ ہونے دے۔ جب انھیں کھانے کے وقت پڑھنے پر (سوائے بصورت سزا) مجبور نہیں کیا جاتا۔ کھیل کے وقت کلاس میں بند کرکے نہیں بٹھایا جاتا تو اس امر کی اہمیت ان کے ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ جو وقت جس کام کا ہے وہ ہرگز مجاز نہیں کہ اپنی توجہ اس کے سوا کسی اور طرف معطوف کریں یہ احساس ان میں کارگزاری اور فرائض شناسی کا مادہ پیدا کرتا ہے۔

استاد نظر رکھے کہ طلبا، ایک دوسرے سے مناسب فاصلہ پر بیٹھیں اگر کوئی بالکل دور اور کوئی بہت قریب ٹھسا ہوا ہو تو اس کی درستی کر دینی چاہیئے۔

تقریباً تمام مدارس میں درسی کتب کا بوقتِ درس موجود رکھنا طلبا، پر واجبی گردانا گیا ہے۔ متعلقہ مضمون کے استاد بلا قابل قبول وجہ کے اس کی خلاف ورزی کرنے نہ دیں نظم جماعت کے لئے یہ بڑی مدد دینے والی چیز ہے۔

جماعت میں پڑھائی کے وقت باری باری سے صرف ایک ہی بچے سے پڑھوایا جائے اور استاد نظر رکھے کہ دوسرے طلبا، بہ خاموشی سبق کو دیکھتے جارہے ہیں تاوقتیکہ اُن سے پوچھا نہ جائے۔ بیچ میں نہ بولیں اور نہ آواز سے پڑھیں حتیٰ کہ بہ آہستگی بھی نہ پڑھیں دو چار بچوں کو ساتھ ملا کر پڑھانا یا ہلکی آواز سے سب کا ساتھ ساتھ پڑھنا بے نظمی جماعت کا سبب ہوتا ہے۔

دوران درس استاد میں چستی حرکت اور بیدار مغزی ہونی چاہیے ایسا نہ ہو کہ کرسی پر جم کے کتاب پر نظر جھکائے بیٹھے رہے تو بس اُسی کے ہو گئے تختہ سیاہ پر لکھنے میں مصروف ہو گئے تو مطلق خبر نہ لی کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے بلکہ اس کو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے پوری جماعت پر ایک امعانی اور آزمائشی نظر ڈالتے رہنا چاہیئے اور ایک دو بار جماعت کا دورہ کر لینا چاہیئے۔

سبق حتی الامکان۔ بہ اعتبار عمر و قابلیت طلبا، دلچسپ و جاذب توجہ بنایا جائے استاد کی دلچسپی اور توجہ لازماً بچوں میں بھی دلچسپی اور توجہ پیدا کرتی ہے۔

طلبا کے سن اور لیاقت کے موافق تفہیم ہونی چاہیئے نہ کہ استاد کی قابلیت اور تجربہ کے لحاظ سے

اُستاد کو اطمینان کر لینا چاہیئے کہ جو کچھ اُس نے بتایا ہے وہ طلبا سمجھ بھی گئے یا نہیں۔

اُستاد کی یہ بڑی قابلیت ہے کہ طلبا میں فرماں برداری اور اطاعت کا مادہ اس طرح پیدا کرے کہ اس کے غیاب اور حاضری میں بچے استاد کی خلاف مرضی حرکت کرنے سے پرہیز کریں۔

استاد کی شخصیت ہر متعلقہ کلاس پر حاوی ہونی چاہیئے اس کا طرز عمل بچوں کے دلوں کو مسحور کرنے والا ہو۔

"یوں کرنا چاہیئے اور یوں نہ کرنا چاہیئے" سے طلبا اتنے متاثر نہیں ہوتے اور نہیں سیکھتے جتنا کہ وہ استاد کی سیرت اور کردار کو اپنے لئے نمونہ بنا کر سیکھتے ہیں استاد کی شفقت انہیں بلا ارادہ مانوس اور بزرگانہ سلوک بلا کوشش مرعوب کرتا ہے۔ محبت و رعب دونوں کا نتیجہ وقعت ہے اور یہ استاد کے ادب پر بلا جبر و اکراہ انھیں مجبور کرتی ہے۔

طلبا کے ساتھ اشتعال طبع سخت کلامی نفرت' حقارت طعن و طنز ناروا شدت و استبداد والدین و اہل خاندان پر اعتراض اپنی توصیف و ستائش سوقیانہ طرز ناروا حرکات و سکنات کتابوں کا جھٹکنا پٹکنا ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ اس طرح اپنا وقار قائم کرنے کی کوشش کرنا استاد کی انتہائی ناکامیابی ہے باوجود اس کے کہ ٹیچرس ٹریننگ کا معیار بڑھتا جاتا ہے مگر اب بھی ہمارے اکثر اساتذہ اس سے محترز نہیں ہیں۔

یوں تو اعتدال و میانہ روی دنیا کے نظام ترتیب کے جز اعلیٰ ہیں لیکن استاد کو اس کی بے حد ضرورت ہے۔ جس طرح بے جا غیظ و غضب اس کو ناکام ثابت کرتا ہے۔ اُسی طرح بے موقع نرمی و تحمل اس کو ناکام بناتا ہے۔ نرم استاد طلبا کی خوش طبعی کے ایک کھلونے سے بڑھ کر اہمیت نہیں رکھتا استاد کی سنجیدہ بیانی خوش مزاجی بزرگانہ روش بر موقع گرمی بجا نرمی مناسب عفو و گرفت برمحل متانت و وقار گاہے گاہے پند و نصیحت' دل سوزی و ہمدردی اور خلوص و محبت سے بھرا ہوا برتاؤ خود طلبا کو استاد کا مطیع و شیدا بنا دیتے ہیں اور

نہیں لگتی اس میں محنت زیادہ۔

سزا دہی میں یہ اُصول مدنظر رہے کہ پہلی غلطی پر درگزر دوبارہ تنبیہ (درشت کلامی سے نہیں) پھر سختی و سزا سے کام لیا جائے اور تا وقتیکہ بچہ خوب متاثر نہ ہو کر سچے دل سے معافی نہ مانگے مقررہ

سزا سے ہرگز درگزر نہ کی جائے تاکہ بچے کے دل پر استاد کی کمزور رائے کا برا نقش نہ بیٹھنے پائے۔
بچوں کو جماعت میں ادھر ادھر سبق کے وقت پھرنے نہیں دینا چاہئے جو استاد کی موجودگی میں اکثر جماعتوں میں ہوتا ہے یہ بات انھیں سمجھانا چاہئے کہ جماعت بخوشی تحصیل کی جگہ ہے۔ اسٹیشن کا پلاٹ فارم نہیں۔

۴ - **احساس فرائض**:- فرائض کا احساس جداگانہ ہے اور اس پیمانہ پر اس کی اہمیت بھی مختلف الحیثیت ہے۔ خدا کے فرائض خلق کے ذمے، بادشاہ کے فرائض رعایا اور رعایا کے بادشاہ کے ساتھ۔ عزیز و اقربا کے فرائض ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کامیابی مقاصد کا بڑا راز فریضہ شناسی میں مضمر ہے۔

استاد کو اس امر کا احساس ہونا چاہئے کہ طلبا کی تعلیم و تدریس اخلاق کی درستی اُن کے دماغ کی اصلاح ان کے وقت کی تنظیم ان کی زندگیوں کو آنے والی زندگی کے قابل بنانے کا بوجھ زیادہ تر اس کے کندھوں پر ہے جس کے لئے محنت و تن دہی کی ضرورت ہے۔ اس کو جاننا چاہئے کہ طالب علموں کا وقت کتنا گراں قدر ہوتا ہے۔ ایک سال کا بکار آمد یا بے کار ہو جانا ان کی زندگی کے زبردست انقلاب کا سبب ہوتا ہے۔ لہذا مقررہ کورس پر مدت معینہ میں ایک توازن کے ساتھ عبور کروا دینا اور امتحانات سرکاری کے لئے انھیں تیار اور قابل بنا دینا اس کا زبردست فریضہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ طلبا سب ایک طرح قوائے عقلی و دماغی نہیں رکھتے۔ کوئی روشن دماغ و ذہین کوئی شوقین و خاموش کام کرنے والا کوئی ذہین و بدشوق کھلاڑی اور بے توجہ ہوتا ہے۔ مگر ہر طالب علم میں اس کی قابلیت اور قوت اکتساب کے مطابق تحصیل کا ملکہ پیدا کرنا استاد کا کام ہے۔

نیز اس امر کا احساس اس کے لئے ضروری ہے کہ چند ہستیوں کا بنانا (جس کا اہل وہ سمجھا جاتا ہے) اس کے ذمے کیا گیا ہے اور اس محنت و جانکاہی کے لئے جو اس کو اس کام کے انجام دینے میں اٹھانی پڑی سرکار کی جانب سے صلہ مقرر ہے۔ اُسے چاہے کہ اس صلہ کو ایمان داری اور دیانت داری سے حاصل کرے۔ اسے اپنے نفس سے محاسبہ کرنا چاہئے کہ جو کچھ وہ حاصل کر رہا ہے وہ درحقیقت اُس کا جائز طور پر حق ہے کہ نہیں۔

۵ - **استاد کا انتخاب** :- ایک اہم اور غور طلب چیز استاد کا صحیح انتخاب ہے۔ اگرچہ سینکڑوں

ہزاروں استاد فی زمانہ بڑی بڑی سندیں رکھنے والے اور ہزاروں بلاسند کے کار تعلیمی پر متعین ہیں لیکن اگر بہ وقت نظر دیکھا جائے تو اس کو ماننا پڑے گا کہ اکثر کا غلط انتخاب ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے نہ ان کی زندگی صحیح طور پر کامیاب ثابت ہوئی نہ ان کے طالب علموں کی۔ اس انتخاب کا پورا پورا ذمہ دار محکمۂ تعلیم ہے۔ انتخاب میں ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ کو مدرسہ اور کالج سے مدد لینی چاہیئے کہ دوران تعلیم اس کا رکارڈ کیسا رہا ہے۔ اس کی کارگزاری اور فریضہ شناسی کس حد تک اطمینان بخش ہوسکتی ہے اپنے اساتذہ اور ہم درسوں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا تھا۔ اس کو کن خاص مضامین سے شغف رہا ہے وہ جو کچھ جانتا ہے آیا اس میں اپنے علم سے اوروں کو مستفید کرنے کی قوت موجود ہے۔ اس کا معیار علمی کس پایہ کا ہے اس کا میلان طبع درس تدریس کی طرف زیادہ ہے یا کسی اور فن کی جانب اگر انتخاب صحیح ہو تو کار ہائے تعلیمی میں بہت اصلاح اور ترقی ہوسکتی ہے۔

۶۔ **استاد کی عظمت ووقعت**:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ معلمی ایک نہایت شریف پیشہ ہے معلم کے ہاتھوں اصلاحات کی بنیاد و تعمیر ہوتی ہے۔ وہ خاندانوں، قوموں، ملکوں کو سپوت لڑکے گرہست لڑکیاں لائق باپ قابل مائیں کارکن و فرض شناس افراد عطا کرتا ہے۔ اس کی تعظیم و تکریم محکمہ متعلقہ کے عہدہ دار پرنسپل و صدر مدرس اور طلبا، کے والدین پر ضروری ہے کیونکہ معاشرت قدیم میں اس کا بے انتہا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اس افراط کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں تفریط کی ضرورت لاحق ہوئی۔ لیکن فی زمانہ احساس آزادی و مساوات بہت تیز ہے۔ اسی بنا پر طلبا، استاد کی برتری کو تسلیم کرنا۔ اس کے احترام کو ضروری سمجھنا ایک مضحکہ خیز بات تصور کرنے لگے ہیں۔ استادوں کو بنانے کی عام ذہنیت طلبا میں پیدا ہوگئی ہے نہ صرف اسکول کے طلبا یا کم سن بچوں میں بلکہ کالج کے طلبہ میں بہت زیادہ بچے گھروں میں جاکر والدین وغیرہ سے خوش ہو ہو کر فخریہ اپنی کارگزاری یعنی استاد کو بنانے کا ذکر کرتے ہیں اور ان میں اکثر ٹھنڈے دل سے سنتے بلکہ اُن کے شریک ہوتے ہیں۔ اگرچہ میں یہ ضرور کہوں گی کہ وہ استاد ہی نہیں جو طلبا، کے بنانے سے بن جائے یا اُس کے ساتھ طلبا ایسی جرأت کرسکیں لیکن ان کی اس ذہنیت کی اصلاح ضرور ہونی چاہیئے۔ یقیناً ایک صاحب وقار استاد کا وقار ان کی تضحیک سے ہرگز متاثر نہیں ہوسکتا بلکہ اس میں خود انھیں کے اخلاق کی پستی ظاہر ہوتی ہے۔ بچوں میں یہ ذہنیت خواہ کہیں سے پیدا ہوئی ہو لیکن یہ ذہنیت پست و ذلیل ہے۔ اور اس کا انسداد

ضروری ہے خواہ اس کے مرتکب مدرسہ تحتانیہ کے طالب علم ہوں یا ٹریننگ کالج کے طالب علم اساتذہ استاد آخر انسان ہوتا ہے۔ مافوق البشر ہستی نہیں۔ ہر انسان کی جسمانی حالت شکل صورت رنگ و روپ وضع وقطع بات چیت نشست برخاست چال ڈھال وغیرہ جداگانہ ہوتے ہیں کوئی طویل القامت ہے تو کوئی پستہ قد۔ کوئی قوی ہیکل ہے تو کوئی نحیف کوئی بات کرنے میں اعضائے بدن کو حرکت دیتا ہے تو کسی کو ہاتھ ہلا کر چلنے کی عادت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال ایک شخص دوسرے سے مختلف ہوتا ہے قدرت کی صناعی ہے کہ اگر سب آدمی ایک سے ہوتے تو ان کی شناخت ہی ناممکن ہوجاتی۔ معلمین پر کیا موقوف ہے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ہوتی ہے پس طالب علم ہرگز مجاز نہیں کہ ان کی قدرتی خصوصیات کا نوٹ لے اور ان کی نقلیں اتارے ان کا کام تحصیل علم و تہذیب اخلاق ہے نہ کہ نقالی کا پیشہ سیکھنا۔

استاد کی عظمت پیدا کرنے اور قائم رکھنے میں صدر مدرسہ کو بھی بے حد دخل ہے وہ اپنے ذاتی تعلقات تفہیم و تنبیہ کو بچوں کے روبرو ظاہر نہ ہونے دے اور نہ بچوں کی شکایت پر فوری توجہ کرے بلکہ بذات خود تجربہ کرکے تنہائی میں اسے متنبہ و آگاہ کرے۔ اس مقابلہ میں تمام تر ذمہ داری استادوں کے سر تھوپی جاتی ہے لیکن ذرا دقت نظر سے دیکھا جائے تو بالکلیہ استاد ہی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ۔

خاندانی کردار و سیرت ان کی پرورش و تربیت۔

نصاب تعلیم کی دقتیں۔

طلبا کی تعداد۔

صدر مدرسہ کے طرز عمل کو بھی اس میں دخل ہے۔

۷۔ **استاد کی مشکلات**:۔ آج کل کے استاد جن گوناگوں دقتوں اور طرح طرح کی مشکلوں میں پھنسے ہوئے ہیں وہ محتاج توجہ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ان کے لئے حتی المقدور سہولتیں پیدا کی جائیں۔ اور ضروری ترمیم و اصلاح ہو۔

(۱) خصوصاً چھوٹے مدارس میں اساتذہ کو وقت واحد میں کثیر التعداد طلبا کو تعلیم دینے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً ۵۰ کی تعداد ۶۰ کی تعداد میں بچے جماعت میں ہوتے ہیں۔ طالب علم بچے

ہوتے ہیں۔ بڑے نہیں ہوتے۔ مقررہ گھنٹہ بیس۲۰ تیس۳۰ یا چالیس۴۰ پینتالیس۴۵ منٹ کا ہوتا ہے۔ بچوں میں ضبط پیدا کرنے انھیں خاموش رکھنے میں تقریباً آدھا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ پھر بھی ذرا نظر چوکی اور بے قابو ہوئے۔ ذرا غور کیجیئے استاد بھی انسان ہے۔ لوہا لاٹ نہیں۔ ایک جماعت میں جب اس کا دماغ اس قدر بھنّا جائے تو دوسری جماعتوں کے لئے کیا خاک اجتماع باقی رہ سکتا ہے اور کس طرح عمدہ تعلیم دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا میری یہ رائے ہے کہ کسی جماعت میں پندرہ۱۵ بیس۲۰ سے زیادہ طالب علم نہ رکھے جائیں تاکہ تعلیم زیادہ پختہ ہو۔

۲۔ جن مدارس میں زبان اول انگریزی ہے وہاں جماعت بندی اس کی قابلیت کے اعتبار سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے ثانوی زبان کے سکھانے میں اساتذہ کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگرچہ اس کے لئے کوچنگ کلاسس مقرر کی جاتی ہیں لیکن یہ مشکل اس سے ہرگز حل نہیں ہو سکتی ایک حروف تہجی پڑھنے والا اور ایک چوتھی کتاب پڑھنے والا بچہ باہم باوجود زائد اسباق کے کس حد تک مساوی ہو سکتے ہیں جب کہ تعلیم کا سلسلہ دونوں کا جاری رہے۔ لہٰذا میری رائے میں اس قدر کم زور بچے کو ثانوی زبان مدرسوں میں نہ پڑھائی جائے بلکہ کسی اور ملکی زبان سکھانے کا انتظام ہو۔

۳۔ اکثر استادوں پر بے اندازہ کام کی بھرمار ہوتی ہے یوں تو کوئی فن بغیر محنت و جاں فشانی کے ترقی نہیں پا سکتا مگر تعلیمی کام دوسرے پیشوں کی بہ نسبت جدا حیثیت رکھتا ہے۔ دیگر دفتر و محکمہ جات کے ملازمین اپنے تنہا خاموش بیٹھ کر کام کر سکتے ہیں ان کی اختیاری بات ہوتی ہے کہ چاہیں تو ایک دن بارہ گھنٹے کام کر لیں یا ایک دن چند گھنٹے ہی کر کے آرام لے لیں مگر استاد کو ہر روز مقررہ اوقات پر حاضر جماعت ہونا اور تن دہی کے ساتھ زیادہ تر کھڑے رہ کر کام کرنا پڑتا ہے دوسرے لوگ صرف اپنے کار مفوضہ کے ذمہ دار اور جواب دہ ہوتے ہیں اور استاد نہ صرف اپنے بلکہ طالب علموں کے کام کا ذمہ دار اور جواب دہ ہوتا ہے۔ اس لئے لازماً اس پر دوہرا اشہرا بار پڑتا ہے۔ بنا بریں اس کو بہ نسبت دوسرے محکموں والوں کے زیادہ آرام کی ضرورت ہے جو اسے نہیں ملتا۔ اس کا ٹائم ٹیبل ہر روز کا تقریباً بھرا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اوقات تعلیم کے بعد دوسری ڈیوٹیاں اس کے ذمہ ہوتی ہیں۔ مثلاً لائبریری تیاری رجسٹرات۔ بل بنانا فیس وصول کرنا۔ کھانے۔ کھیلنے۔ نماز اور سواری کی نگرانی وغیرہ وغیرہ۔

ٹائم ٹیبل میں نصف یا پون گھنٹہ بعض دن اُسے فرصت دی جاتی ہے تو اس میں بھی وہ

خالی نہیں رہ سکتا۔ بلکہ طلبہ کے ہوم ورکس وغیرہ کی تصحیح یا تیاری میں مصروف رہنا پڑتا ہے یا کسی غیر حاضر استاد کی جماعت کے سنبھالنے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے۔ اُسے رات کو بھی کئی کئی گھنٹے بلکہ آدھی آدھی رات تک کام میں مصروف رہنا پڑتا ہے جس سے وہ تقریباً شل ہو جاتا ہے اور یقینی زیادہ تکان کی حالت میں اپنے کار مفوضہ کو بخوبی انجام نہیں دے سکتا جس کی وجہ سے طلباء کی تعلیم پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

ضرورت ہے کہ اساتذہ کو مطالعۂ تیاری اسباق طلباء کے ہوم ورکس اور کلاس ورکس کی تصحیح وغیرہ کے لئے وقت دیا جائے۔

علاوہ ازیں افسران متعلقہ کو یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ تمام معلمین مجرد و تنہا نہیں ہوتے ان کا بھی گھر بار، بال بچے، والدین عزیز و اقارب ہوتے ہیں اور ان کے حقوق بھی ان کے ذمے ہیں اور وہ زیادہ تر کثیر العیال اور قلیل المعاش ہیں۔ اتنی وسعت نہیں رکھتے کہ متعدد ملازمین رکھیں۔ جب وہ دن رات کے چوبیس[۲۴] گھنٹوں میں پندرہ سولہ بلکہ اکثر اوقات اٹھارہ[۱۸] گھنٹے اسکول کی نذر کردیں تو ان کے ذاتی کاروبار کیسے انصرام پا سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض تو تعلیمی فرائض غیر دلچسپی اور سہل انگاری سے ادا کرتے ہیں اور جو ایمانداری اور ادائی فریضہ کا خیال رکھتے ہیں تو طاقت سے زیادہ محنت کرنے سے بہت جلد ان کی صحت متاثر ہو جاتی ہے اور وہ خانہ نشینی پر مجبور ہو جاتے اور اس طرح طلباء ایک لائق استاد کے استفادہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔

میرے خیال میں اساتذہ پر اس قدر کام ہونا چاہیے کہ وہ اپنے کارہائے مفوضہ کو بہ وجہ احسن انجام دے سکیں۔ انہیں مناسب آرام بھی ملے اور وہ چاق و چوبند بھی رہ سکیں۔

بظاہر یہ سمجھا جائے گا کہ باوجود تعطیلات گرما و سرما و دیگر تعطیلات کے استادوں کی فرصت میں اور اضافہ سراسر کام کو سست رفتار اور تعلیم کا نقصان کرنا ہے لیکن اصولاً اس میں نقصان نہیں بلکہ تعلیم نسبتہً زیادہ بہتر طریق پر دی جاسکے گی جس کے نتائج بھی زیادہ بہتر برآمد ہوں گے۔

(۸)

واردھا اسکیم
تاریخی پس منظر

از
جناب ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب سی۔آئی۔ای۔ام۔ال۔اے

عام ابتدائی تعلیم کی کانگرسی اسکیم جو واردھا اسکیم کے نام سے موسوم ہے اس پر نہایت سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ غالباً جملہ کانگرسی وزارت کے صوبوں میں اس پر عملدرآمد ہو جائے گا۔ اس کا اصول اساسی اس وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب کہ اس کے تاریخی پس منظر کی روشنی میں اس اسکیم پر غور کیا جائے۔ اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ میں اس کا تاریخی پس منظر اس مضمون میں بیان کرتا ہوں۔

مفت اور جبری ابتدائی تعلیم کی تحریک کوئی نئی تحریک نہیں ہے اور انڈین نیشنل کانگریس تحریک ترک موالات سے پیشتر اس مطالبہ پر برابر زور دیتی رہی۔ آنجہانی مسٹر گوکھلے نے اس تحریک کو ایک خاص شکل میں مرتب کر کے امپریل کونسل میں اس مسئلہ پر ایک بل پیش کیا تھا اور گورنمنٹ سے یہ استدعا کی تھی کہ ابتدائی تعلیم کے واسطے ۵ ½ کروڑ کی اسپیشل گرانٹ عطا کی جاے اس کی تائید کونسل کے مقتدر اراکین اور سربرآوردہ لیڈران ملک نے کی۔ چنانچہ ۱۹۱۰ء میں زیر صدارت سرہارکورٹ بٹلر ایجوکیشن ممبر کی ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی۔ تاکہ وہ اسکیم کے مالی اور دیگر عملی پہلوؤں پر غور کرے۔ اس کمیٹی نے یہ رپورٹ پیش کی کہ جدید مدرسے کھول کر اور زیادہ رقم صرف کر کے ابتدائی تعلیم کی توسیع کی جاے لیکن ابتدائی تعلیم کو لازمی قرار دینے کے لئے یہ زمانہ موزوں نہیں ہے۔ ۱۹۱۳ء میں حکومت ہند نے لوکل گورنمنٹوں کو توجہ دلائی کہ ابتدائی تعلیم کی توسیع کے واسطے وہ اپنی اسکیم مرتب کر کے پیش کریں لیکن بجز صوبہ جات پنجاب کے

پراونشل گورنمنٹوں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں کی۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کی رو سے جو کونسلیں بنائی گئی تھیں انھوں نے جو تجاویز پاس کیں ان کی رو سے گورنمنٹ کی ذمہ داری لوکل باڈیز کے سر منڈھی گئی حالانکہ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ لوکل باڈیز کے پاس اس قدر سرمایہ نہیں ہے کہ وہ ابتدائی تعلیم کو مفت جاری کر دیں۔

ہرٹاگ کمیٹی

ہرٹاگ کمیٹی نے جبریہ ابتدائی تعلیم کی اسکیم پر ۱۹۱۶ء میں غور کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ ابتدائی تعلیم کو برٹش انڈیا میں مفت رائج کرنے پر دس کروڑ روپیہ کی اور ضرورت لاحق ہوگی۔ ۶ کروڑ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اور ۴ کروڑ لڑکوں کی تعلیم کے واسطے میں نے ان اعداد پر غور کیا اور ہرٹاگ کمیٹی نے جو واقعات پیش کئے تھے ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جبریہ ابتدائی تعلیم کی ترویج کے لئے ہم کو گیارہ کروڑ یکمشت صرف کرنے کی اور ضرورت پڑے گی۔ از اں جملہ ۲ کروڑ لڑکوں کی تعلیم پر اور ۹ کروڑ لڑکیوں کی تعلیم پر صرف کرنا پڑے گا۔ میں نے ۱۷۔ مارچ ۱۹۳۱ء کو اسمبلی کے اجلاس میں جو تقریر کی ہے۔ اس میں اس کی تفصیلات پیش کر دی ہیں یہ دونوں تخمینے صرف ۴ سال کی لازمی تعلیم کے واسطے تیار کئے گئے تھے۔

اب صوبائی خودمختاری اور اکثر صوبہ جات میں کانگرسی حکومت قائم ہو جانے سے اس تحریک کو مزید تقویت حاصل ہوگئی ہے لیکن ایک طرف تو اس تجویز پر عمل درآمد کے لئے کانگرسی حکومت کافی روپیہ فراہم کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اور دوسری طرف پبلک کو بہت زیادہ توقعات دلائی گئی ہیں اس لئے کانگریس اگر اس کو معرض التوا میں ڈال دے گی تو عوام میں اس کی شہرت کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ اس مسئلہ پر مختلف کانگرسی حکومتوں نے اور بالخصوص سی۔ پی گورنمنٹ نے بہت کچھ غور و فکر کیا ہے اور سی۔ پی گورنمنٹ نے مصارف کا تخمینہ لگایا تو معلوم ہوا کہ اس صوبہ میں جبریہ ابتدائی تعلیم جاری کرنے کے لئے ۲ ½ کروڑ روپیہ درکار ہوگا۔ جس کو وہاں کی حکومت فراہم نہیں کر سکتی ہے اور وہاں کی حکومت نے اس کا یہ حل سوچا ہے کہ ودیا مندر اسکیم تیار کی ہے۔ جس میں اپنی ذمہ داری کو دیہاتی انجمنوں کے سر ڈال دیا ہے اس لئے فی الحقیقت کوئی اصلاح نہیں ہوئی بلکہ اصلاحات سے قبل دفتری حکومت کے اصولوں کی پیروی کی گئی ہے۔ اس زمانہ میں حکومت نے اپنی ذمہ داری ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈ کے سر ڈالی تھی اور اب دیہاتی انجمنوں کے سر ڈالی جا رہی ہے

لیکن دونوں صورتوں میں حکومت نے اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کی۔

پراونشل حکومتوں کے پاس اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کے غیر محدود وسائل ہوتو نہیں ہیں وہ اپنی محدود آمدنی میں بھی ترک مے نوشی اور مال گزاری میں تخفیف کرکے اور کمی کر رہی ہیں۔ اس لئے یہ امر واضح ہے کہ پراونشیل حکومتیں عوام کو مفت تعلیم دینے کے فریضہ کو ادا کرنے کے لئے مزید رقوم فراہم کرنے کے قابل نہیں ہوسکتی ہیں۔ اس لئے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لئے وہ بہانہ تلاش کر رہی ہیں۔

مفت اور لازمی ابتدائی تعلیم زمانہ ماضی میں مختلف ممالک میں براہ راست حکومت کے زیر اقتدار جاری ہوئی ہے اور صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے کہ آیندہ بھی وہ ہمارے ملک میں جاری ہوسکتی ہے۔

اپنی ذمہ داری کو لوکل باڈیز یا دیہاتی انجمنوں کے سر ڈالنے کے صریح یہ معنی ہیں کہ اپنی مالی مشکلات کے باعث حکومت لازمی تعلیم نہیں رائج کرسکتی اور نہ قابل تعلیم لڑکوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ قائم کرسکتی ہے۔

جس طرح کہ مغربی ممالک میں ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی ہے اسی طرح ہندوستان میں رائج کرنے کا مطالبہ کانگرس نصف صدی سے کر رہی ہے لیکن اب ان دونوں لفظوں یعنی مفت اور لازمی کو معتدل کیا جارہا ہے اور لازمی کی بجائے عام استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی کی وضاحت آیندہ مضامین میں کی جائے گی۔ فری ایجوکیشن کے اب یہ معنی نہیں کہ طلبا کو فیس نہ دینی پڑے گی۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ تعلیم کے مصارف سے حکومت سبکدوش ہو جائے گی۔

۲-عام خاکہ میں نے اپنے پہلے مضمون میں واردھا اسکیم کا تاریخی پس منظر پیش کیا تھا اب اسکیم پر اپنی رائے ظاہر کرنے سے پیشتر میں اس کی عام خصوصیات ذیل میں درج کرتا ہوں۔ جو اولاً اخبار ہریجن مورخہ ۲-اکتوبر ۳۷ء اور پھر کارروائی واردھا کانفرنس میں درج ہوکر شائع ہوئی ہے۔

(۱) ابتدائی تعلیم کا نصاب کم از کم ۷ سال کا ہونا چاہیئے۔ اس میں سے زبان انگریزی کی تعلیم خارج کردی جائے گی اور کسی پیشہ کی تعلیم داخل کردی جائے گی۔ اس کا معیار میٹریکیولیشن کے

مساوی ہوگا۔ اس ابتدائی تعلیم کے حصول سے لڑکے اور لڑکیاں اپنی روزی پیدا کرنے کے لائق ہوجائیں گے۔ کیوں کہ جو پیشے وہ سیکھیں گے ان کے شعبوں میں حکومت انھیں ملازمت دینے کی ذمہ دار ہوگی یا ان کے تیار کئے ہوئے مال کی خریداری مقررہ قیمت پر حکومت کے ذمہ رہے گی۔

یہ ابتدائی تعلیم موجودہ پرائمری۔ مڈل اور ہائی اسکول کی تعلیم کی بجائے دی جائے گی۔

(۲) یہ ابتدائی تعلیم اپنے مصارف کی خود کفیل ہوسکتی ہے اور اسے ضرور ہونا چاہئے کیوں کہ اس کی خوبی کی صحیح آزمائش اس کا خود مکتفی ہونا ہے۔

(۳) دیگر مضامین کی تعلیم کسی پیشہ کے سلسلہ میں اور اس کے پہلو بہ پہلو ہونی چاہئے۔

(۴) ڈرل۔ دستکاری اور ڈرائنگ کی تعلیم لازمی ہوگی تاکہ بہترین نمونہ کے طلبا اور طالبات تیار ہوسکیں۔

(۵) موجودہ تحتانیہ (پرائمری) اور فوقانیہ (سکنڈری) مدرسہ بند کردے جائیں لیکن اس کا قطعی فیصلہ وزرا کریں گے۔

(۶) سرکاری یونیورسٹیاں صرف امتحان لینے والی یونیورسٹیاں ہوں اور فیس امتحانات سے ان کے مصارف پورے ہونے چاہئیں۔ یونیورسٹی چارٹر نہایت فیاضی کے ساتھ مسلمہ قابلیت اور دیانت دار جماعتوں کو عطا کئے جائیں اور صرف یہ شرط ہوگی کہ سلطنت ان یونیورسٹیوں کو کوئی مالی امداد نہیں دے گی البتہ وہ ایک مرکزی شعبہ تعلیم قایم رکھے گی۔

(۷) کوئی پرائیویٹ اسکول نہ قائم کیا جائے تاوقتیکہ پیشتر ہی اس یونیورسٹی سے اجازت حاصل نہ کی جائے جس سے کہ اس کا الحاق ہوگا۔ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے گورنمنٹ اپنے مدرسے چلائے۔

اس اسکیم کے تحت ابتدائی۔ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی تقسیم ہی غائب ہوجائے گی۔ اور جملہ تعلیم کے صرف ۲ حصے ہوں گے۔ ابتدائی اور اعلیٰ۔ یونیورسیٹیاں صرف امتحان لینے والی ہوں اور یونیورسٹی چارٹر ہر ایک دیانت دار جماعت کو عطا کر دیا جائے یہ ایسی تجاویز ہیں جن کو کوئی ماہر فن تعلیم بیسویں صدی میں ہرگز منظور نہیں کرسکتا ہے۔

(۳) **بنیادی خرابیاں بدستور ہیں** یہ امر مسلمہ ہے کہ ہندوستان کے نظام تعلیم کی سب سے بڑی خرابی موجودہ طریقہ امتحان ہے لیکن ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے ایک معمولی ریمارک کے علاوہ واردھا کانفرنس میں یہ سوال کسی نے اٹھایا ہی نہیں اور مقام حیرت ہے کہ امتحان لینے والی جماعتیں قائم کر کے اس خرابی کو دوامی شکل دی جا رہی ہے۔

اگر اس تجویز کو منظور کر لیا جائے کہ پرائیوٹ جماعتوں کو امتحان لینے والی یونیورسٹیاں قائم کرنے کا چارٹر دے دیا جائے تو پھر اس ملک میں اعلیٰ تعلیم کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہم دیگر ممالک سے ہرگز مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

جو اصحاب کہ چارٹر کی درخواست کریں گے ان کی دیانت داری اور راست بازی معلوم کرنا وزرا تعلیم کے متعلق ہوگا اس لئے جو لوگ کہ کانگرسی خیالات کے مخالف ہیں وہ چارٹر پانے سے محروم رہیں گے اور پھر ان ایماندار حضرات میں باہمی مقابلہ ہوگا اور اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ ڈگریاں نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرونی ممالک میں قیمتاً فروخت ہونے لگیں گی اور پھر ان ڈگریوں کے عجیب وغریب نام رکھے جائیں گے اور اس قسم کی ڈگری پانے سے علمی قابلیت کا کوئی سوال بھی نہ ہوگا بلکہ یہ ظاہر ہوگا کہ اس شخص کے پاس اس قدر دولت تھی کہ اس نے یہ ڈگری خرید لی۔ چنانچہ یہ کارروائی امریکے بعض چھوٹی ریاستوں میں فی الحقیقت ہو رہی ہے۔ ایشیا میں ہماری یونیورسٹیوں میں امتحانات کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں رہی ہے اور یہ ہندو مسلم تمدن کی روایات اور مذہب کے منافی ہے اور اس کا تصور ہی بدیسی ہے۔

جرمنی میں طریقۂ امتحان قدیم ایشیائی طرز کا رکھا گیا اور قرطبہ اور بغداد کی یونیورسٹیوں کے طریقہ امتحان پر قائم کیا گیا ہے۔

تعلیم میں مقابلہ کا طریقہ سب سے اول عیسائیوں کے ایک قدیم فرقہ جزوئش نے جاری کیا اور لندن یونیورسٹی سب سے پہلی امتحان لینے والی یونیورسٹی قائم ہوئی۔ آج کل انگریز ماہران تعلیم متفقہ طور پر اس طریقہ کے مخالف ہیں اور ہالڈین کمیشن کی رپورٹ کی اشاعت کے بعد سے وہ اس طریقہ کو بالکل مسدود کرنے کے مسئلہ پر نہایت سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں طریقہ امتحان انگریزی حکومت کے ساتھ آیا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ طریقہ جو کہ بالکل بدیشی ہے اور خود اپنے ملک میں بھی

رد کیا جارہا ہے وار دھا اسکیم کے ذریعہ سے اس ملک پر مستقلاً عائد کیا جائے گا۔ شفاخانوں کے ساتھ میڈیکل کالج قائم کرنے کا خیال اس تجویز پر مبنی ہے کہ ابتدائی تعلیم میں جملہ مضامین کی تعلیم پیشے کے ذریعہ سے ہونی چاہئے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا کوئی ڈاکٹر اپنی تعلیم شفاخانوں میں شروع کرنے کا خواہاں ہوگا۔ اور وہ طبی مسائل کو محض ان مریضوں کو دیکھ کر سمجھ سکے گا اتفاقاً جو شفاخانہ میں بغرض معالجہ آئیں گے اس اسکیم میں باقاعدہ علمی مطالعہ کے لئے کوئی موقع نہ ہوگا اسی طرح صنعتی کارخانوں کے ساتھ جو انجینیری کالج قائم ہوں گے ان میں صرف وہ طلبا تعلیم پاسکیں گے جن کو کسی مخصوص صنعت میں ملازمت مل سکتی ہے۔ دیگر صنعتوں کے لئے انجینیر تیار نہیں کئے جائیں گے اور نہ سلطنت یا ملک کی ضروریات فراہم کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ کی جائے گی۔

موجودہ اسکولوں اور کالجوں کو بند کر دینے سے ہماری موجودہ تعلیم کو سخت صدمہ پہونچے گا۔ اس تعلیم کی مذمت میں خواہ ہم کیسے ہی سخت الفاظ استعمال کریں لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسی تعلیم نے ایسے لوگ تیار کئے ہیں جو تمدنی، سیاسی اور صنعتی معاملات میں پبلک کی رہبری کر رہے ہیں۔ اب سے چند سال پیشتر اعلیٰ تعلیم کے دائرہ کو محدود کرنے کی تجویز پیش کرنے کی جسارت کرنا دشوار تھا اس لئے کہ اس پر نہایت سخت اعتراضات کی بوچھار قوم پرست اخبارات کی طرف سے ہوتی۔ لیکن فی الحقیقت وار دھا اسکیم اعلیٰ تعلیم کو روکنے کے لئے یہ تجویز پیش کرتی ہے کہ حکومت کو اعلیٰ تعلیم سے کوئی سروکار ہی نہ رکھنا چاہئے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلبا کی تعداد بڑھنے کی دفتری حکومت مخالف تھی لیکن پبلک نے گورنمنٹ کے اس خیال کی ہمیشہ سخت مخالفت کی ہے۔ مگر وار دھا اسکیم سے اعلیٰ تعلیم پر ایسی کاری ضرب لگتی ہے کہ دفتری حکومت کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی تھی۔

علاوہ بریں وار دھا اسکیم میں ابتدائی تعلیم کے جو اصول پیش کئے گئے ہیں وہ ہر ٹاگ کمیٹی کی سفارشات کے بالکل برعکس ہیں۔ ہر ٹاگ کمیٹی نے **نوشت و خواند سے بے توجہی** یہ سفارش کی تھی کہ ہم صرف لکھنا پڑھنا اور حساب سکھادیں لیکن وار دھا اسکیم میں لکھنے اور پڑھنے کو بالکل پس پشت ڈال دیا گیا۔

یہ تجویز کہ ریاضیات۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ حفظان صحت وغیرہ جیسے علوم کو چرخہ کے ذریعہ سے پڑھایا جائے اس پر نہایت متانت اور سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ جرمنی نے اپنے یہاں کے

صنعتی مدارس کے واسطے اس طور پر نصاب تعلیم مرتب کیا ہے جس سے کہ خاص خاص پیشوں کی تعلیم میں طلبا کو امداد ملے اور سہولت حاصل ہو جائے۔ مثلاً ایک طالب علم مالی بننا چاہتا ہے تو اس کی ادبی درسی کتاب میں زیادہ تر درختوں اور باغات کے حالات درج ہوں گے اور اسے اقلیدس کی تعلیم میں باغات کے نقشے بنانا اور اقلیدس کی ایسی شکلیں پڑھائی اور سکھائی جائیں گی جو اس کام میں کارآمد ثابت ہوں۔ جغرافیہ کی تعلیم میں اسے پڑھایا جائے گا کہ مختلف ممالک میں کون کون سے پھل پیدا ہوتے ہیں اور پھلوں کے درختوں کی کاشت میں مختلف اقسام کی کھادوں کا بیان اُسے پڑھا دیا جائے گا۔ لیکن یہ تعلیم طالب علم کو اس وقت دی جاتی ہے جب وہ مدارس تحتانیہ میں ۷ سالہ نصاب ختم کرلیتا ہے اور وہ لکھنے پڑھنے کی قابلیت حاصل کرلیتا ہے اور اس کے دماغ میں یہ استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ان مضامین کو سمجھ سکتا ہے اور ان کی قدر کرسکتا ہے۔ لیکن واردھا اسکیم کی تجویز اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیوں کہ جرمنی طریقہ تعلیم میں مختلف مضامین کی تعلیم پیشہ کی امداد کے لئے دی جاتی ہے اور واردھا اسکیم میں پیشہ کو اس طرح استعمال کیا جائے گا کہ وہ اسکول کے مضامین میں امداد دے۔ ہر مضامین کہ واردھا اسکیم میں درج ہیں، ان کو میں نے بہت غور سے پڑھا ہے میں ایک عملی معلم سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ وہ چرخہ کے ذریعہ سے کس طرح تعلیم دے گا۔ مجھ کو کامل یقین ہے کہ جس طالب علم نے صرف کسی پیشہ کے ذریعہ سے ریاضی کی تعلیم حاصل کی ہے وہ مدت العمر ہرگز ریاضی داں نہیں ہوسکتا۔

ہم کو اس قسم کی تعلیم کا بند وبست کرنا چاہیے۔ جس سے ہر ایک طالب علم صرف جولاہا ہی نہ بن جائے۔ بلکہ ایسے ریسرچ اسکالر پیدا کرے۔ جن کو سائنس اور صنعت وحرفت کو فروغ دینے کا شوق ہو کسی نظام تعلیم کا صرف یہ مقصد نہیں ہوسکتا کہ وہ کاریگر تیار کردے۔ واردھا اسکیم خود موجودہ نظام تعلیم کی خرابیاں رفع کرنے کی غرض سے تیار کی گئی لیکن وہ خرابیوں میں اور اضافہ کردے گی اس لئے ماہران فن تعلیم کا فرض ہے کہ اس کو قبول کرنے سے پیشتر اس پر بخوبی غور وفکر کرلیں۔ آیندہ مضامین میں اس کے اساسی اصولوں پر بحث کی جائے گی اور دیکھا جائے گا کہ (الف) آیا مدرسہ کے درسی مضامین کی تعلیم کسی پیشہ کے ذریعہ دی جاسکتی ہے (ب) آیا اس تعلیم کا خود مکتفی ہونا ممکن ہے جو اس کی حقیقت کی خاص آزمائش ہے۔ (ج) آیا مفت اور لازمی تعلیم کے مطالبہ میں ترمیم کرکے اُسے عام تعلیم کردیا جائے جس میں کہ طلبہ اپنے تعلیمی مصارف اپنی مزدوری سے ادا کریں۔

واردھا اسکیم کے بانیوں کا دعویٰ ہے کہ اس اسکیم کی اصل خصوصیت یہ ہے

پیشہ کے ذریعہ سے تعلیم

کہ بچوں کی تعلیم کسی بنیادی حرفت سے شروع کی جائے اور اسی حرفت کے ذریعہ سے اسکول کے دیگر مضامین پڑھائے جائیں جیسے ورنیکلر، زبان، ریاضی، تاریخ وجغرافیہ، سیاسیات، موسیقی، ورزش جسمانی اور نقشہ کشی۔ ان تمام مضامین کا نصاب شائع کر دیا گیا ہے۔ ورنیکلر کے . . . . نصاب میں لکھنا اور چپکے چپکے اور بلند آواز سے پڑھنا اور لغت کا استعمال اور مستند مصنفین کی کتابیں شامل ہیں۔ یہ نصاب ایسا ہے کہ کوئی بھی ایکسپرٹ ماہر جو ورنیکلر کی تعلیم سے دلچسپی رکھتا ہو مرتب کر سکتا تھا لیکن جو امر وضاحت طلب ہے اور جس کی تشریح واردھا اسکیم میں موجود نہیں ہے وہ یہ ہے کہ نصاب کے مضامین کی تعلیم سوت کاتنے اور کپڑا بننے کی حرفت کے ساتھ کس طرح دی جائے گی۔ یہ بات تو ہمارے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ نصاب کی کتابیں اس طرح کی لکھی جائیں کہ ان سے کوئی پیشہ سیکھنے میں مدد ملے لیکن اس کا الٹا طریقہ یعنی لکھنا پڑھنا کسی پیشہ کے ذریعہ سے سکھانا ایسا ہے جس کی واردھا اسکیم میں کوئی توجیہ وتشریح نہیں ہے۔ یہی صورت ریاضی کی ہے۔ جس میں نصاب کے اندر چاروں قاعدے سادے اور مخلوط، کسر، اعشاریہ، مکسر ومکعب اصول اربعہ اور سود داخل ہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ ان سب چیزوں کی مشقیں اس طرح بنائی جائیں کہ وہ کسی خاص پیشہ سے متعلق یا اس پر مبنی ہوں لیکن زندگی کے دیگر مسائل جن میں ریاضی کی ضرورت ہے۔ طلبہ اس وقت تک کیوں کر حل کر سکیں گے۔ جب تک کہ ان کا طریقہ سکھایا نہ گیا ہو۔ لڑکوں کا نقطہ نظر صرف اسی مشق کے اندر محدود نہیں کیا جا سکتا کہ ایک اور ایک مل کر دو روٹیاں ہوتی ہیں۔ میں نے اپنے سابقہ مضمون میں لکھا ہے کہ جرمنی نے اسکول کا نصاب اس طرح بنایا ہے کہ ان تمام مضامین کی تعلیم کسی بنیادی حرفت کے لئے معین ہو۔ واردھا اسکیم کے مصنفین کہتے ہیں کہ انھوں نے اس کا برعکس طریقہ دریافت کیا ہے لیکن اس دعویٰ کی توضیح نہیں کی ہے۔

مذہبی تعلیم

مذہبی تعلیم کے مسئلہ پر زور تو بہت دیا گیا ہے۔ مگر عمل میں اسے بالکل پس پشت ڈال دیا گیا ہے نصاب میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور مجھے تو یہ شبہ ہو رہا ہے کہ واردھا اسکیم کے مصنفین ایک ایسا نظام تعلیم رائج کرنا چاہتے ہیں جس میں خدا کا ذکر نہ آئے۔ اگر مذہبی تعلیم واقعی دی جائے گی تو پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مختلف مذہب کے لڑکے ایک ہی درجہ میں ایک ہی مدرس سے بیک وقت کیوں کر تعلیم حاصل کر سکیں گے۔

واردھا اسکیم نے ایبٹ اور ووڈ رپورٹ کی تقلید میں اس امر پر زور دیا ہے کہ پیشہ کی تعلیم محض نظری نہ ہونا چاہئے بلکہ عملی ہونا چاہئے اور بچوں کو ایسی چیزیں بنانی سکھانا چاہئے جو بازار میں فروخت ہوسکیں۔ واردھا اسکیم نے ہرٹاگ کمیٹی کی اس سفارش کو بھی لے لیا ہے کہ طلبہ کی بہت بڑی تعداد جو اس وقت یونیورسٹیوں میں جاتی ہے اس کا رخ دوسرے نصاب کی طرف پھیر دیا جائے۔ مسٹر ایبٹ کی رائے ہے کہ حرفتی تعلیم اس وقت شروع ہونی چاہئے۔ جب کہ طالب علم تھوڑا لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب سیکھ لے اور اس کے بعد جرمنی کے حرفتی مدارس کی طرح ان مضامین کو پیشہ سکھانے کے لئے کام میں لایا جائے۔ یہ سمجھ میں آنے والی اور قابل عمل بات ہے لیکن اس کے برعکس واردھا اسکیم کا مقصد بالکل نرالا ہے۔ اس مسئلہ پر نظری حیثیت سے بحث کرنا دشوار ہے لیکن ہمیں واردھا اسکیم کے منافع سے آگاہ ہونے کے لئے اس کے عملی تجربہ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک خاص خاص مضامین کے نصاب کا تعلق ہے واردھا اسکیم میں کوئی جدت نہیں ہے۔ جدت ان مضامین کو بنیادی حرفت کے ذریعہ سے پڑھانے کی تجویز میں ہے اور اسے بغیر عملی مظاہرہ کے لوگ نہ سمجھ سکتے اور نہ قبول کر سکتے ہیں۔

یہ امید کی جاتی ہے کہ ابتدائی تعلیم سے لڑکے خود اپنے لئے روزی کمانے کے قابل ہو جائیں گے اس طرح کہ حکومت انھیں ملازم رکھنے یا ان کی بنائی ہوئی چیزوں کو خریدنے کا ذمہ لے لے گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ مختلف پیشوں میں حکومت کی طرف سے اس قسم کی ضمانت دئے جانے کے لئے شمار و اعداد کی جانچ کی گئی ہے یا نہیں۔

ودیامندر اسکیم اب میں ودیامندر اسکیم کو لیتا ہوں جو ممالک متوسط کی حکومت نے مرتب کی ہے دیہات میں یا دیہاتوں کے شمول میں ودیامندر کھولے جائیں گے اور ان کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہوگا۔ ان کی داشت کے خرچ کی حکومت کوئی ذمہ داری نہ لے گی حکومت صرف ایک قطعہ اراضی مدرس کو دے گی جس سے خیال ہے کہ مدرس کو تقریباً پندرہ روپیہ ماہوار کا نفع ہو جائے گا۔ اور کمیٹی سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں اور نیز دیہات کے کاروبار کرنے والوں سے چندہ کر کے ضروری سرمایہ فراہم کرے گی۔ اگر دیہات میں کوآپریٹیو سوسائیٹیاں ہوں تو ان سے ان مدارس کی داشت کے خرچ میں بہت بڑی مدد ملنے کی

امید ہے۔ ہر علاقہ میں جتنے رقبہ اراضی کی ضرورت ہوگی اس کی تفصیل شمار کرکے بتائی گئی ہے اور ہر مدرس کو اتنی زمین دی جائے گی جسے وہ خود کاشت کرے گا اور اس کے علاوہ اسے کوئی مقررہ ماہانہ مشاہرہ یا معاوضہ نہ ملے گا۔ مدرسہ کے طلبہ سے یہ توقع کی گئی ہے کہ وہ اپنے استاد کی کاشت میں مدد دیں گے اور طلبہ کی اس خدمت کی قیمت تخمینہ میں شامل کی گئی ہے۔

اس میں بہت سی دشواریاں ہیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ ودیامندر کی اسکیم کے مصنفین نے ان پر نظر کی ہے یا نہیں۔

(الف) جس مدرس کا سارا ذریعہ معاش کاشتکاری پر مبنی ہوگا وہ بچوں کو پڑھانے کے لئے کافی وقت یا محنت نہ لگا سکے گا۔ اور اس کی زیادہ تر کوشش یہ رہے گی کہ طلبہ اس کی کاشت کی داشت و پرداخت پر زیادہ توجہ کریں۔

(ب) یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس مدرس کا اصل پیشہ کاشتکاری ہے وہ سیاسیات، ریاضیات اور ٹیکلی وغیرہ جیسے مضامین کی تعلیم کیوں کر دے سکے گا۔

(ج) طالب علموں کی شرارت پسند طبیعت سے ہم سب واقف ہیں۔ اور ساری دنیا کے طالب علموں کی اس معاملہ میں یکساں حالت ہے اور ہم اس خطرہ کا بآسانی تصور کرسکتے ہیں کہ اگر کسی مدرس نے پڑھانے میں لڑکے پر سختی یا سرزنش کی تو اس کی فصل بچے کاٹ کر پھینک دیں گے۔ ساری دنیا میں بچے پھل توڑ ڈالنے کے عادی ہیں اور ودیامندر اسکیم میں کوئی ایسا جادو نہیں ہے جو ان عادتوں کو یکسر بدل دے گا۔ ہمیں لارڈ کلائیو کا قصہ یاد ہے کہ انھوں نے زمانہ طالب علمی میں اپنے مدرس کے باغ کے سارے پھل توڑ ڈالے تھے۔ ایسے ہی قصے اور مدرسوں میں بھی سنے جاتے ہیں۔ مدرس کو لڑکوں کی ایسی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لئے بڑی ہوشیاری اور ترکیب سے کام کرنا پڑے گا۔

میرے خیال میں دیہات کے مدرس کو جب تک ماہانہ مشاہرہ نہ دیا جائے گا۔ اس وقت تک اس سے جی لگا کر کام لینا بہت مشکل ہوگا۔ کاشت کاری طلبہ کو بطور عملی مظاہرہ کے دکھائی جاسکتی ہے اور اگر اس میں کوئی نفع ہو جائے تو وہ اسکول کی عام ترقی کی باتوں میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ مدرس کا انتخاب اصولاً اس بنیاد پر ہونا چاہئے کہ اس میں مدرسہ کے مضامین پڑھانے کی استعداد ہو۔ دیہی مدارس میں زراعت کی تعلیم دینا مسٹر ایبٹ کی اسکیم اور واردھا اسکیم دونوں میں مشترک ہے۔ اور اس سے کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے لیکن ودیامندر اسکیم میں جو بات ناقابل فہم ہے وہ یہ ہے کہ مدرس کو ایک قطعہ اراضی دینے سے یہ اسکیم اخراجات میں مکتفی ہو جائے گی۔

واردھا اسکیم کے مصنفین کے جو مقاصد پیش نظر ہیں ان سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ملک میں صنعت و حرفت کا رواج ہو، عوام کو تعلیم دی جائے، جدید طریق حکومت کے نکات سے آگاہ کیا جائے اور تعلیمی نقطۂ نظر میں ایسی وسعت دی جائے کہ وہ قوم کی ضروریات زیادہ بہتر طور پر پوری کر سکے اور یہ سب کام بلا ترجیح کے ہو جائے۔ مگر یہ امر نہایت ہی

مشتبہ ہے کہ جو اسکیم پبلک کے سامنے پیش کی گئی اس سے یہ مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔

۴۔ کیا ہے اور کیا نہیں ہے

وار دھا اسکیم کے متعلق جو سبز کتاب شائع ہوئی تھی اسے جس شخص نے بھی پڑھا ہو گا اسے یہ خیال ہوا ہو گا کہ مہاتما گاندھی کے مضامین اور روداد ہا کی تعلیمی کانفرنس کی روداد اور اس کے متعلق کانگریس کی تجاویز ہی وہ بنیادیں ہیں جن پر وار دھا اسکیم کی تعمیر ہوئی ہے اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی کمیٹی نے اس اسکیم کے ایک پہلو کی توضیح و تشریح کی ہے لیکن مرکزی مشیر تعلیمی بورڈ کی سب کمیٹی کے اجلاس شملہ میں جس کی صدارت آنریبل مسٹر کھیر وزیر اعظم بمبئی نے فرمائی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ان توقعات کی تردید کی جو وار دھا اسکیم سے وابستہ کی جاتی ہیں۔ اپنے اس بیان میں موصوف نے حسب ذیل مطالب بیان کئے:-

(۱) وار دھا اسکیم دراصل ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی کمیٹی کی رپورٹ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ سبز کتاب میں جو مضامین شائع ہوئے وہ وار دھا اسکیم کا جزو نہیں ہیں۔

(۲) یہ ہر گز مقصد نہیں ہے کہ اسکیم اپنا خرچ آپ نکالے (سب کمیٹی نے مدرس کی اقل ترین تنخواہ بیس روپیہ ماہوار مقرر کی ہے۔

(۳) اسکیم کا ہر گز یہ منشا نہیں ہے کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کو باروزگار بنانے کا ذمہ لے۔

(۴) یہ حرفتی تعلیم کی اسکیم نہیں ہے۔

(۵) اس اسکیم سے بے روزگاری دور نہ ہو گی۔

(۶) یہ محض لازمی اور مفت ابتدائی تعلیم کی اسکیم ہے جو سات اور گیارہ برس کے مابین بچوں اور بچیوں کے لئے ہے اور یہ تعلیم کے دیگر مدارج یعنی ثانوی یا اعلیٰ یا حرفتی یا پیشہ کی تعلیم پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

(۷) اس کے ماتحت جو مدارس قائم ہوں گے ان میں نظری تعلیم بھی دی جائے گی۔

(۸) اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ یونیورسٹیاں اور ہائی اسکول بند کر دے جائیں یا ان کی گرانٹ روک دی جائے۔

وار دھا اسکیم کی اس توضیح کے بعد اور یہ معلوم کر کے کہ سبز کتاب میں جو مضامین شائع ہوئے

تھے ان سے سخت غلط فہمی پیدا ہوئی۔ تمام ہندوستان کے ماہرین تعلیم کی دماغی پریشانی ختم ہو جائے گی۔

سب کمیٹی کی تجاویز

اس کے بعد سب کمیٹی نے ایبٹ اور وڈ رپورٹ کی روشنی میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی کمیٹی پر غور کیا اور ذاکر حسین کمیٹی سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان پر بحث ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

(۱) سب کمیٹی کے اراکین کی اکثریت نے یہ رائے دی کہ سات سال کی عمر تعلیم شروع کرنے کے لئے بہت زیادہ ہے اور چونکہ واردھا اسکیم کے حامیوں کو اس پر اصرار تھا کہ جبری تعلیم کی انتہائی مدت عمر گھٹائی جائے اس لئے جبری تعلیم کی مدت بڑھا کر نو سال کر دی گئی اور پانچ سال اور چودہ سال کے مابین عمر کے بچوں اور بچیوں کے لئے تعلیم لازمی رکھی گئی۔

(۲) ہر شخص کو اس سے اتفاق تھا کہ تعلیم طلبہ کی مادری زبان میں ہو اور جہاں مادری زبان محض بولنے کی زبان ہو وہاں اس زبان میں تعلیم دی جائے جس سے یہ بولنے والی زبان مشتق ہو۔

(۳) کمیٹی نے باتفاق رائے طے کیا کہ تعلیم کی بنیاد جسمانی اور معاشی ماحول اور حرفتی سرگرمیوں پر ہونی چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ آج کل ابتدائی مدارس میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ غیر دلچسپ اور تکان انگیز ہے اور اس میں تضیع اوقات بہت ہوتی ہے اور ترقی کے راستے مسدود ہیں۔ اسے مفید عملی کاموں پر مبنی ہونا چاہئے (یعنی عملی نفع کی حرفت یا دستکاری پر)

مذہبی تعلیم

(۴) مسلمان اراکین نے پختگی کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا کہ جبری تعلیم کی اسکیم میں مذہبی تعلیم کو عام تعلیم کا ضروری جزو ہونا چاہئے۔ انھوں نے اس کی عملی دشواریوں کو نظر انداز نہیں کیا اور ان پر قابو پانے کی تدابیر پیش کیں۔ انھوں نے اس پر زور دیا کہ اس وقت اردو اور دینیات کی تعلیم کے لئے جو سہولتیں مہیا ہیں ان میں کوئی کمی نہ کی جائے۔

(۵) ابتدائی تعلیم کے دوران میں یا اس کے خاتمہ پر کوئی پبلک امتحان نہ ہوگا۔

(۶) گیارہ یا بارہ سال کی عمر میں بچوں اور بچیوں کو اختیار دینا چاہئے کہ وہ یا تو ہائی اسکول چلے جائیں جہاں انگریزی پڑھائی جائے گی یا تجارتی اور حرفتی مدارس میں چلے جائیں۔ اسی عمر میں مسٹر ایبٹ نے بھی اس تقسیم کی تجویز کی ہے۔

(۷) حرفتی مدارس اور ہائی اسکولوں میں داخلہ کا اختیار ان درس گاہوں کے صدر مدرسین کو

دیا جائے گا جو اگر چاہیں تو مخصوص امتحانات داخلے سکتے ہیں۔ جو بچے اور بچیاں ان مخصوص مدارس میں نہ داخل ہو سکیں گے وہ بدستور ابتدائی مدارس میں پڑھتے رہیں گے۔ جب تک کہ ان کی عمر چودہ سال کی نہ ہو جائے۔

(۸) بعض اراکین نے یہ خیال ظاہر کیا کہ نصاب تعلیم بہت اونچا ہے لیکن اس بات پر سب نے اتفاق کیا کہ تعلیم کی خوبی لائق استادوں پر منحصر ہے۔

(۹) کمیٹی نے یہ طے کیا کہ تعلیم کے آخری دو برسوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ہندوستانی زبان میں تربیت دی جائے جو اردو اور ہندی رسم الخط میں لکھی جاسکے۔ مدرسین کے لئے دونوں رسم الخط کا جاننا لازمی ہے۔

اخراجات اور مدرسین کا سوال اس اصول پر جبری تعلیم کا نفاذ فوری یا کچھ مدت کے بعد بھی کرنے میں دو مشکلیں پیش آئیں گی۔

(۱) پانچ اور چودہ سال کے مابین اسکول جانے والے بچوں اور بچیوں کی تعداد تین کروڑ ہوگی۔ اور اگر ہر مدرس بیس لڑکوں کو پڑھائے تو ہمیں پندرہ لاکھ مدرسین کی ضرورت ہوگی جن میں معقول تعداد معلمات کی ہوگی جو جدید اصول کے بموجب تعلیم دے سکیں۔ اتنے معلمین اور معلمات کی فراہمی میں کئی سال لگ جائیں گے۔

(۲) مدرس کی اقل ترین تنخواہ بیس روپیہ ماہوار ماننے کے بعد ہمیں ۳۶ کروڑ روپیہ سالانہ صرف مدرسین کی تنخواہوں کے لئے درکار ہوگا۔ اور سامان تعلیم و دیگر اخراجات کے لئے کم از کم ۴ کروڑ کی رقم اس میں اور اضافہ کرنی چاہیئے۔ اس طرح برطانوی ہند میں لازمی مفت تعلیم رائج کرنے کے لئے ہمیں ۴۰ کروڑ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہوگی۔ صوبہ جات کے اختیارات ٹیکس عائد کرنے کے محدود ہیں اور ممانعت شراب اور لگان گھٹانے سے مالگزاری میں کمی کی وجہ سے ان کی آمدنی اور گھٹ جائے گی اس صورت میں صوبہ جات اس قدر کثیر رقم لازمی تعلیم کے لئے کہاں سے لائیں گے۔ اس امر پر واردھا اسکیم کے بانیوں نے غور نہیں کیا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ مالی دقت اور معلمین کی فراہمی میں دقت کی وجہ سے یہ ناممکن ہوگا کہ قریب مستقبل میں سارے ملک کے ہر لڑکے کے لئے ۹ سال کی لازمی ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جاسکے۔

اس لئے قدرتاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ یا تو ۴ یا ۵ سال کی مدت کے لئے ہر لڑکے کی لازمی ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور یا نصف آبادی کے لئے پورے نو سال کی مدت کا انتظام ہو۔ اگر آخر الذکر صورت ملے پائی تو پھر یہ سوال ہوگا کہ انتخاب کا معیار کیا ہو۔ نصف آبادی کو تعلیم کی برکات سے محروم رکھنا آج کل کے دور جمہوریت میں بالکل نامناسب سمجھا جائے گا۔

ہمیں اس مسئلہ پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ آیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنی محدود آمدنی میں ساری آبادی کے لئے چار یا پانچ سال کی مختصر مدت کی تعلیم کا انتظام کریں اور جیسے ہی ہمارے وسائل آمدنی میں اضافہ ہو اس مدت کی توسیع کر دی جائے۔ یہی طریقہ ان تمام ممالک میں اختیار کیا گیا جہاں لازمی تعلیم رائج کی گئی۔

ٹیکس کے وسائل

میں نے اپنے پچھلے مضمون میں بتایا تھا کہ وار دھا اسکیم کو برطانوی ہند میں رائج کرنے کا خرچ ۴۰ کروڑ روپیہ سالانہ ہوگا۔ مدرس کی تنخواہ کم از کم جو وار دھا کمیٹی نے منظور کی ہے بیس روپیہ ماہوار ہوگی۔ اور ہمیں کم از کم ہر بیس طالب علم کے لئے ایک مدرس کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے ہر طالب علم پر خرچ تعلیم ایک روپیہ ماہوار یا بارہ روپیہ سالانہ ہوگا۔ پانچ اور چودہ سال کے مابین بچوں اور بچیوں کی تعداد تین کروڑ ہوگی اور اس طرح صرف مدرس کی تنخواہ کا خرچ علاوہ ہیڈ ماسٹر وانسپکٹران وغیرہ کے ۳۶ کروڑ روپیہ ہوگا۔ اس کے علاوہ عملہ نگرانی جدید عمارت و مرمت وسامان کے لئے کم از کم چار کروڑ روپیہ کی اور ضرورت ہوگی۔ اس لئے وار دھا اسکیم کے اجرا کا خرچ اقل ترین ۴۰ کروڑ روپیہ سالانہ تخمینہ کرنا بالکل مبالغہ نہ ہوگا۔ اگر ہم اس حساب سے خرچ جوڑیں جو مختلف صوبہ جات نے اندازہ لگایا تو خرچ اور بڑھ جاتا ہے۔ میرے سامنے تین صوبہ جات کے اعداد ہیں۔ جن کا مجموعہ ۳۲ کروڑ روپیہ ہوتا ہے اور بقیہ تمام صوبہ جات کا تخمینہ پچاس کروڑ روپیہ تک بآسانی پہنچ جائے گا۔ یہ روپیہ کہاں سے آئے گا؟ صوبہ جات اپنے محدود وسائل کے اندر اتنی رقم کا انتظام کرنے سے قاصر ہیں۔ اور میں اس سلسلہ میں وہ تجاویز پیش کرتا ہوں جن سے ایک طرف تو ضروری رقم فراہم ہو جائے گی اور دوسری طرف وہ فوائد بھی حاصل ہوں گے جن کی ذیل میں تشریح کی گئی ہے۔

(۱) اکثر اصحاب کا یہ تقاضا ہے کہ ہمیں گھریلو حرفتوں کو ملوں کے مقابلہ سے محفوظ کرنا چاہئے

حکومت ہند ملوں کی حرفت کو غیر ملکی مقابلہ سے محفوظ کرنے کی تدابیر اختیار کرتی ہے لیکن گھریلو حرفتوں کو ملوں کے مقابلہ سے محفوظ کرنے کی کوئی تدبیر نہیں کی جاتی۔ صرف پارچہ بافی کی حرفت کو بطور مثال لیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں کپڑے کا کل خرچ چھ ارب گز ہے جس میں سے ۴ ارب گز ہندوستان کی ملیں بناتی ہیں اور ڈیڑھ ارب گز جُلاہے بناتے ہیں اور نصف ارب گز سے کچھ اوپر باہر سے آتا ہے جس میں زیادہ حصہ جاپان کا ہے۔ قانون محاصل کے ماتحت جو مخصوص محاصل لگائے گئے ہیں انہیں ہندوستان کے کپڑا خریدنے والے ۴۰ اور ۵۰ کروڑ روپیہ تک کے مابین ہر سال پارچہ بافی کے کارخانوں کو دیتے ہیں۔ یہ خریداران پارچہ پر بہت گراں بار ہے اور قرینِ انصاف بھی نہیں ہے۔ خریداران پارچہ سے یہ جبریہ محصول اس لئے لیا جاتا ہے کہ ہندوستانی ملیں بیرونی مقابلہ کی اہلیت نہیں رکھتی ہیں۔ میرے نزدیک اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس رقم کا کثیر حصہ کیوں نہ حکومت کو واپس جائے اور ٹیکس دہندہ کی سہولت کا باعث ہو۔

بہرحال ابتدائی تعلیم کے اخراجات کی کفالت کے لئے اور نیز گھریلو حرفتوں کو ملوں کے مقابلہ سے محفوظ کرنے کے لئے جو واردھا اسکیم کا بھی منشاء ہے۔ ہمیں ہندوستانی ملوں میں بنے ہوئے کپڑے پر محصول ساخت لگانا چاہئے۔ اگر ہم تاگہ کی باریکی اور کپڑے کی قسم کے اعتبار سے آدہ آنہ سے لے کر ڈیڑھ آنہ فی روپیہ تک محصول ساخت عائد کردیں تو اس محصول سے ہمیں تقریباً ۵-۲ کروڑ روپیہ وصول ہوجائے گا۔ اس محصول سے گھریلو حرفتوں کی ملوں کے مقابلہ سے معقول حفاظت ہوجائے گی۔ اور اس روپیہ کو ابتدائی تعلیم کے اخراجات کے لئے وقف کردینا چاہئے۔

۲۔ دوسری تجویز جو میں پیش کروں گا وہ یہ ہے کہ پٹرول اور معدنی تیلوں کی فروخت کو سرکاری انتظام میں لے لینا چاہئے اور افیون کی طرح اس کا کام بھی مرکزی اور صوبہ جاتی حکومتوں کو کرنا چاہئے۔ صوبہ جات متوسط کی حکومت نے جو مطالبہ کیا ہے اس سے ایک نہایت ہی اہم سوال پیدا ہوتا ہے جس کا اثر صرف پٹرول ہی پر نہیں بلکہ ہر ایک چیز پر پڑے گا۔ پٹرول کی قیمت بشمول خرچ باربرداری ناگپور تک ۱۳/ فی گیلن ہوگی اور اگر یہ ڈیڑھ روپیہ فی گیلن فروخت کیا جائے تو گورنمنٹ کو ایک روپیہ یا پانچ آنے فی گیلن وصول ہوگا اور تقریباً ایک روپیہ فی گیلن کا خالص نفع ہوگا۔ اور پٹرول کی خریداری سرکاری انتظام میں لینے سے تقریباً ۱۵ کروڑ روپیہ

وصول ہو جائے گا جس کا تھوڑا سا حصہ سڑکوں کی مرمت پر صرف ہو سکتا ہے اور اکثر حصہ ابتدائی تعلیم پر خرچ کے لئے نکالا جا سکتا ہے۔

ابتدائی تعلیم کے خرچ کی وجہ سے جو پریشانی اس وقت ہو رہی ہے وہ ان دو ٹیکسوں سے بہت کچھ کم ہو جائے گی اور اگر مرکزی اور صوبہ جاتی حکومتیں باہم مل کر غور کریں تو کوئی مناسب شکل اس کی آسانی نکالی جا سکتی ہے ورنہ واردھا اسکیم ہی نہیں بلکہ ابتدائی تعلیم کی ساری اسکیمیں روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے خاک میں مل جائیں گی۔ ان ٹیکسوں سے جو رقم وصول ہوگی اس میں تھوڑا سا صوبہ جات کے مالیہ سے روپیہ ملا کر مفت لازمی تعلیم کے تجربہ کا سارا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

شذرات

خلاصہ روداد جلسہ تقسیم انعامات مدرسہ تحتانیہ رنگشائی پیٹھ

بتاریخ ۱۰ر امرداد سنہ ۴۷ف صبح ۸ بجے بصدارت عالی جناب صوبہ دار صاحب ورنگل جلسہ تقسیم انعامات منعقد ہوا۔ معززین وعہدہ دار صاحبان مستقر صوبہ اور مولوی احمد اللہ صاحب بی۔ اے بی ٹی مہتمم تعلیمات ورنگل و ناظر صاحبان ورنگل و کھمم نے شرکت فرمائی۔ آرائش عمارت کا کافی انتظام تھا۔ بینڈ کی سامع نوازی کی گونج میں جناب صوبہ دار صاحب و جناب ناظم صاحب تعلیمات و جناب مہتمم صاحب تعلیمات تشریف فرمائے مدرسہ ہوئے۔ رعایا کے تعمیر کردہ امکنہ مدرسہ اور چمن وغیرہ کا معائنہ فرمایا گیا۔ مسٹر وینکٹیشم متوفی مالی پٹیل قصبہ کی تیار کرائی ہوئی باؤلی پر جناب ناظم صاحب تعلیمات کے ہاتھوں تنصیب کتبہ "چشمۂ جعفری" کی رسم ادا کی گئی۔ صاحب ممدوح نے بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے کنوئیں کا پانی کھینچا جو گملوں میں ڈال دیا گیا۔ پھر حسب خواہش جناب ناظم صاحب تعلیمات و تحریک جناب مہتمم صاحب تعلیمات جناب صوبہ دار صاحب نے کرسی صدارت کو زینت بخشی۔ تلاوت کلام پاک اور پرارتھنا کے بعد مدرسہ کی رپورٹ سنائی گئی جو ۱۲

فقروں پر شامل تھی اور جس میں بتایا گیا کہ یہ رپورٹ نہ صرف ایک سالہ ہے بلکہ داستان ماضی کا مرقع اور تقریباً نصف صدی کی طویل ترین روایات کی سرمایہ دار ہے پھر مدرسہ کی مکانی ضروریات کی تکمیل۔ اسٹاف کا حوالی مدرسہ میں جاگزیں ہونے سے آمد و رفت کی سہولت مدرسہ کے آبادی میں منتقل ہو جانے سے رفع شکایات اولیاے طلبا۔ اولیا طلبا و مدرسین کا خوش گوار تعاون توفیر طلبا۔ سال حال کے اوسط نتائج امتحانی کا سال گزشتہ کے مقابل ترقی پذیر ہونا مدرسہ کی جانب جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات صوبہ ورنگل کے توجہات کا انعطاف جناب مہتمم صاحب تعلیمات ورنگل کا مدرسین کو دربارہ تعلیم رہنمائی کرنے یا مفید مشورات کا ذکر کیا گیا آخر میں اس کا اعتراف کیا گیا کہ پچاس سالہ عمر میں تقسیم انعامات کا یہ پہلا موقع ہے کہ صوبہ کے ممتاز و مقتدر عہدہ دار صاحبین نے اپنی شرکت سے مدرسہ کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اسٹاف کو فخر ہے کہ ششماہی زیر رپورٹ کی ابتدا جس طرح جناب ناظم صاحب تعلیمات کی نہضت فرمائی سے ہوئی تھی انتہا بھی اسی سعادت سے ہو رہی ہے اور دور جعفری نے طبقہ اساتذہ کے ساتھ پست و بلند کے امتیاز کو اٹھا دیا اور علاً ہر درجہ و حیثیت کے استاد کا دل سوزی و ہمدردی سے احترام فرمایا۔ ایک بدوی کے قول "خبز و ماء وظل" کے موافق مدرسہ کا بچہ بچہ کمرۂ تعلیم کے سایۂ باغبانی کے قطعات اور اُن متصل چشمۂ جعفری کو دیکھ کر باغ باغ ہے۔ چونکہ اسٹاف کی خواہش کے موافق جس کو جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات نے پسند فرمایا تکمیل مکان کی یادگار میں کوئی مادہ تاریخ مہیا کرنے کی تجویز تھی خوش قسمتی سے آیات طیبہ کا ٹکڑا جس کی تلاوت سے جلسہ کا آغاز ہوا ہے ۔ صنعت تدخلہ کے ساتھ مادہ تاریخ بن گیا۔ جو قطعہ ذیل درج ہے ۔

بس گئی جب مدرسہ سے یہ زمین — بولا ہاتف جعفری سے بالیقین
لے کے نام اللہ کا طبتم کہو — اور پڑھ دو فادخلوہا خالدین

۴۵۰ ۶۶ — ۱۴۲۲

سنہ ۱۹۳۸ء

رپورٹ کے بعد مولوی خواجہ شہاب الدین صاحب مدرس دینیات نے دعائیہ نظم پڑھی جس سے حاضرین جلسہ محظوظ اور مسرور ہوئے۔ پھر انعامات تقسیم کئے گئے۔ جناب صدر نشین صاحب کی اختتامی تقریر سے پہلے جناب ناظم صاحب تعلیمات نے جلسہ کو مخاطب فرمایا معاونین

تعمیر مکان مدرسہ کے سرگرم رکن مسٹر وینکٹشم متوفی مالی پٹیل قصبہ کی موت پر اظہار تاثر و تاسف کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اگر نعش کہیں مدفون و محفوظ ہوتی تو میں پہلا شخص ہوتا کہ ان کے مدفن پہ پھول چڑھاتا۔ ایسا ہمدرد تعلیم اور محب وطن ہر آئینہ اخلاقاً ہمارے اس سلوک سے کم کا مستحق نہ تھا اور ان کے پسماندگان سے کمال اظہار ہمدردی فرمایا۔ تکمیل و تعمیر مکان مدرسہ پر اظہار مسرت فرمایا گیا اور سرمایہ انعامات میں جن جن افراد نے حصہ لیا تھا ان کی ستائش فرمائی گئی۔ اس کے بعد جناب صدر نشین صاحب نے جناب ناظم صاحب تعلیمات کے کم خرچ بالانشیں مفید رجحان تعمیر امکنہ کی تائید فرمائی اور معاونین تعمیر مکان کی اعانتوں کی تحسین میں مسٹر وینکٹشم صاحب متوفی اور ان کے فرزند مسٹر راگھویا کا خصوصی تذکرہ فرمایا جو اپنے والد کے قدم بقدم چل رہے ہیں اور عہدہ داران سررشتہ کو مبارکباد دی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات نے شکریہ کی تقریر کے سلسلہ میں جناب ناظم صاحب تعلیمات کے اخلاقی اشارات کے لفظ تتبع اور امتثال کو ضروری قرار دیا۔ اور مسٹر متوفی کی نسبت فرمایا کہ گو وہ زندہ نہیں ہیں۔ مگر ان کی غیر فانی روح ہمارے ساتھ ہے اور ہم عقیدت کے پھول ان پر چڑھاتے ہیں۔ آخر میں جناب صدر نشین و جناب ناظم صاحب تعلیمات نے معاونین تعمیر مکان اور حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ برخاست ہوا اور طلبا کو شیرنی تقسیم کی گئی۔

جلسہ سالگرہ مبارک مدرسہ تحتانیہ واڑھونہ ضلع بیدر

بتاریخ یکم رجب ۱۳۵۵ھ ۸ بجے صبح ترانہ کے ساتھ جلوس نکالا گیا پھر مدرسہ میں رعایا و معززین کی شرکت میں شبیہ مبارک کی گل پوشی کی گئی۔ طلبا مدرسہ نے سلامی دی بہ صدارت ناظر صاحب تعلیمات حلقہ اودگیر جلسہ شروع ہوا طلبا نے اسپورٹس سے حاضرین کو محظوظ کیا ترانہ شاہی گایا گیا۔ تہنیتی نظمیں سنائی گئیں مدرسہ نسوان مرہٹی قصبہ واڑھونہ کی طالبات نے بھی مرہٹی میں نظمیں پڑھیں۔ سہ پہر میں پھر جلسہ منعقد ہوا بعض حضرات اور چند مدرس صاحبین نے برکات عثمانی پر نظمیں سنائیں اور دلچسپ تقاریر ہوئیں۔ صدر جلسہ نے رعایا اور مدرسین کے مابین تعاون و اتحاد عمل پر زور دیا۔ دعائے سلامتی بادشاہ ذی جاہ و شہزادگان و شہزادیان بلند اقبال اور تقسیم انعامات کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

جلسہ سالگرہ مبارک مدرسہ تحتانیہ نائیکل (گلبرگہ)
بتاریخ یکم رجب ۱۳۵۷ھ زیر صدارت مولوی سید جعفر علی صاحب ناظر تعلیمات صحن مدرسہ میں جلسہ منعقد ہوا جس میں کام داران دیہی بھی شریک تھے۔ مولوی محمد مظہر علی صاحب ناشر انجمن ہائے امداد باہمی نے پندرہ انعامات طلبہ کو عطا فرمائے۔ پرچم آصفی کا جلوس نکالا گیا۔ مدرسہ واپس آکر شبیہ مبارک کی گل پوشی کی گئی۔ حمد باری سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ صدر جلسہ نے دور عثمانی کے برکات پر تقریر کی۔ بعض طلبا نے توصیفی اور دعائیہ نظمیں پڑھیں۔ آخر میں صدر جلسہ نے بادشاہ ذی جاہ و شہزادگان و شہزادیان بلند اقبال کے ازدیاد عمر و اقبال کی دعا مانگی اور تقسیم شیرینی کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

جشن سالگرہ مبارک مدرسہ تحتانیہ ہیلی ضلع عثمان آباد
بتاریخ یکم رجب ۱۳۵۷ھ ۸ بجے صبح قرأت قرآن مجید و دعا سلامتی بہ زبان اردو و مرہٹی سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ طلبا مدرسہ و پولیس صفائی نے فوٹو مبارک کو سلامی دی۔ ترانہ کے ساتھ جلوس نکالا گیا جس میں معززین دیہات و ملازمین سرکار شریک تھے۔ سہ پہر میں پھر جلسہ کا آغاز ہوا۔ طلبا نے شراب نوشی کے نقصانات پر مکالمہ کیا۔ دیہات کی صفائی اور ورزش جسمانی کے فوائد بیان کئے۔ صدر مدرسہ نے خاندان آصفیہ کی مختصر تاریخ اور فرائض رعایا و والی ملک پر اور اول مددگار صاحب نے ہمارے بادشاہ ذی جاہ کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔ دعائے سلامتی بادشاہ ذی جاہ و تقسیم شیرینی کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

جلسہ سالگرہ مبارک مدرسہ تحتانیہ سال گندہ ضلع رائچور
بتاریخ یکم رجب ۱۳۵۷ھ صبح ۸ بجے طلبا سے مدرسہ، جاگیر دار صاحبین اور معززین قصبہ کی ہم راہی میں ترانہ کے ساتھ جلوس نکالا گیا۔ گاؤں کے وسیع میدان میں پرچم آصفی بلند کیا گیا اور شبیہ مبارک کی گل پوشی کی گئی۔ بوائے اسکوٹ نے سلامی دی۔ قرأت قرآن مجید سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ ہندو مسلم طلبا نے بزبان اردو و کنڑی برکات دور عثمانی پر تقریریں کیں۔ صدر مدرسہ نے بھی دور عثمانی کی ہر جہتی ترقی ملک پر مؤثر تقریر کی جس سے پبلک نے کہا کہ ہم اپنے بادشاہ ذی جاہ کے زیر سایہ امن و آسائش سے زندگی بسر کر رہے ہیں جو ہماری خوش نصیبی ہے۔ اس کے بعد مقدم صاحب پولیس نے ہندو مسلم اتحاد پر اور گاؤں کے صاحب نے تعاون مدرسہ پر تقریر کی۔ جناب پیر پادشاہ صاحب جاگیر دار قصبہ نے بادشاہ ذی جاہ و شہزادگان والا تبار کی صحت و سلامتی کی دعا مانگی۔ بعد شکریہ حاضرین و تقسیم شیرینی

جلسہ برخاست ہوا۔

جلسۂ سالگرہ مبارک مدرسۂ وسطانیہ گنگاپور

بتاریخ یکم رجب ۱۳۵۷ھ ۸ بجے صبح صحن مدرسہ میں جلسہ منعقد ہوا جس میں معززین و عہدہ داران مقامی نے شرکت فرمائی۔ بہ معیت جوانان پولس وغیرہ جلوس نکالا گیا۔ واپسی پر مدرسہ میں آکر پرچم آصفی کو سلامی دی گئی۔ ڈرل ماسٹر صاحب نے امریکن ڈرل کے مختلف کرتب دکھائے طلبا نے ریس اور اسپورٹس میں حصہ لیا جس میں صدر مدرسہ کی ۸ سالہ لڑکی مسماۃ چندرکور بائی بھی شریک ہوئی۔ جسے حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک طالب علم نے کلام مجید کی تلاوت کی۔ ماسٹر ششی موہن سنگھ اور مس چندرکور بائی نے بہ زبان سنسکرت حمد سنائی۔ ایک طالب علم مسمی عبدالغنی خاں نے ساز کے ساتھ دعائیہ اردو مرہٹی غزلیں سنائیں مولوی واسع الہدی صاحب بی۔ اے تحصیلدار نے صدارت فرمائی۔ مکالمے کئے گئے۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی رعایا پروری وغیرہ پر تقریریں ہوئیں سب کے آخر میں صدر نشین صاحب نے صدر مدرسہ کے مصروفیات و انہماک کی تعریف کی جلسہ کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ صدر جلسہ نے امتحان سالانہ میں امتیازی حیثیت رکھنے والے طلبا' نیز ڈرل' اسپورٹس' مکالمہ جات و نظم خوانی میں عمدہ کام کرنے والے طلبا کو انعامات تقسیم کئے۔ جناب ڈاکٹر دگمبر راؤ صاحب ڈاکٹر مویشی۔ مولوی شاہ محمد خاں صاحب' مولوی نصیرالدین صاحب طبیب یونانی' مولوی طاہر علی صاحب سب رجسٹرار' جناب عثمان علی صاحب پیشکار نے طلبا کی حوصلہ افزائی کے لئے اپنی طرف سے نقد انعامات عطا فرمائے۔ جناب تحصیلدار صاحب و جناب مہتمم صاحب پولیس و طبیب صاحب یونانی نے علی الترتیب صہ۔ ے۔ عصہ بغرض شیرینی عطا کرنے کا اعلان فرمایا۔ حاضرین کے شکریہ اور دعائے بادشاہ ذی جاہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

تنقید و تبصرہ

مکتوبات ہاشمی یہ متوسط سائز کی ۲۲۴ صفحوں کی کتاب ہے جو الحاج مولوی قطب الدین احمد ہاشمی صابری صاحب کے خطوط اور تقاریر پر مشتمل ہے۔ صاحب موصوف نے یہ خطوط اپنے عزیزوں، مریدوں، ارادت مندوں اور متوسلین کو وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔ شیخ امام الدین صابری صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ ان خطوط کو محنت اور جانفشانی سے جمع کیا اور اہتمام کے ساتھ کتابی صورت میں شائع فرما کر مکتوبات کے فیض خاص کو عام کر دیا ہے۔ کہنے کو یہ خانگی خطوط ہیں جو بظاہر صرف مکتوب الیہ کے لئے کارآمد ہو سکتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ ان میں معرفت کا دریا لہریں مار رہا ہے۔ اسلامی تعلیمات، مولیٰ کی طاعت، توحید و رسالت، اسوۂ حسنہ کی پیروی، تذکیہ نفس کی تعلیم، اکل حلال اور صدق مقال کی تلقین غرض کہ کوئی پہلو اسلامی تعلیمات کا ایسا نہیں ہے جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔

مولوی قطب الدین ہاشمی صاحب نے اس دور مادیت میں فکر معاد کی تعلیم و تلقین ان مکتوبات کے ذریعہ بڑی خوبی کے ساتھ دی ہے۔ زبان صاف ستھری اور طرز بیان موثر اور دل نشین ہے۔ سبحان اللہ!

زطاعت جامۂ برساز بہر آں جہاں ورنہ
چومرگ ایں جامہ بستاند تو عریاں مانی رُسوا

صاحب مکتوبات کو اللہ جزائے خیر دے اور ان کی مساعی مشکور ہوں۔

"مکتوبات ہاشمی" کو سر رشتہ تعلیمات نے مدارس کے کتب خانوں اور طلبہ کو بطور انعام دینے کے لئے موزوں قرار دیا اور منظور فرما لیا ہے۔ ظاہری اور معنوی خوبیوں کے اعتبار سے یہ کتاب مفید ہے۔ اور اس کا ہر کتب خانہ اور ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔

قیمت ۱۲؍ ۔ ملنے کا پتہ دفتر نشر و اشاعت کتاب مکتوبات ہاشمی نمبر مکان ۱ ۹ ۵ ۔
جدید نام پلی حیدر آباد دکن۔

آصفی کہانیاں مؤلفہ مولوی محمد عبد السلام صاحب فوکی۔ بی۔ اے۔ ٹی۔ ڈی۔ مددگار مدرسہ فوقانیہ دار الشفا۔ قیمت ۸ر۔

یہ تالیف بعض نمایاں خصوصیات کی حامل ہے۔ تاریخی واقعات۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے قصوں اور کہانیوں کے پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ انداز بیان سلیس اور دلچسپ ہے۔ کم سن طلبہ کے استعداد اور قابلیت کو ہر جگہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جہاں کہیں بدرجہ مجبوری کوئی مشکل لفظ آگیا تو فٹ نوٹ میں اس کے معنی بھی دے دئے گئے ہیں۔ غرض کہ یہ قابل قدر تالیف دلچسپ، سلیس اور تاریخی واقعات کی حامل ہے جو محنت اور کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ چھوٹے بچوں کے لئے یہ ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ یقین ہے کہ وہ حرز جاں بنائیں گے۔

کارخانہ محبوبیہ جلد سازی یہ کارخانہ کافی مدت سے حیدر آباد میں قائم ہے اور نہایت وسیع پیمانہ پر اپنے کاروبار چلا رہا ہے۔ فن صحافی کو ترقی دینے میں اس نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کارخانہ میں لڑکوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت کام سکھایا جاتا ہے۔

"انتظام کتب خانہ" میں مفید مشورے دے گئے ہیں جس پر عمل کر کے ہر کتب خانہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

حیدرآباد نمبر

مجلس ادارت

شیخ علی اکبر ایم اے کینٹب ۔ [illegible]

سید [illegible] ایم اے ۔ نصیر [illegible]

مقاصد

(۱) طبقۂ اساتذہ کے احساس معلمی کو بیدار کرنا۔
(۲) طبقۂ اساتذہ کے مخصوص انفرادی تجربات معلمی کو شائع کرنا۔
(۳) فن معلمی پر نفسیاتی حیثیت سے نقد و نظر۔
(۴) انجمن اساتذہ کے مفید مقاصد و اغراض کو ملک کے طول و عرض میں مکمل طور پر پھیلانا۔

قواعد

(۱) رسالہ کا نام حیدرآباد ٹیچر ہوگا۔ اور ہر سہ ماہی پر صدر دفتر انجمن اساتذہ بلدہ سے ماہائے آذر، اسفندار، خورداد، شہریور، مطابق اکتوبر، جنوری، اپریل، جولائی میں شائع ہوگا۔
(ب) رسالہ کی سالانہ قیمت بہ تفصیل ذیل ہوگی۔
اندرون و بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی تین روپیہ مع محصولڈاک سالانہ (سکہ رائجہ)
صرف اردو حصہ (للعہ) سالانہ قیمت فی پرچہ اردو انگریزی (۱۲ر) صرف اردو (۸ر)۔
(ج) رسالہ نصف انگریزی و نصف اردو ہوگا جس میں حسب صوابدید تغیر بھی ہو سکے گا۔
(د) صرف وہی مضامین درج ہو سکیں گے جو تعلیم سے متعلق ہوں۔
(ہ) جملہ مضامین و مراسلت دفتر کے پتہ سے ہونی چاہئے۔
(و) اشتہارات کا نرخ حسب تفصیل اشاعت ہذا رہے گا۔

نرخ اشتہارات حیدرآباد ٹیچر حسب ذیل ہے

مقدار	سال بھر	۶ ماہ	فی اشاعت
پورا صفحہ	عـــہ	صہ	سے
نصف صفحہ	صہ	للعہ	عہ ۸ر
ربع صفحہ	للعہ ۸ر	صہ ۶ر	۱۵ر
فی سطر	۱۰ر	۸ر	۶ر

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن میں طبع ہو کر [illegible] انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی [illegible] دفتر [illegible] شائع ہوا

جلد (۱۳) شمارہ (۲)

زیر سرپرستی جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ملک سرکار عالی حیدرآباد دکن کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم۔ اے (کنٹب)، میر سید عبدالغفور صدیقی بی۔ اے۔ بی ٹی (علیگ)

سید الدین خان بی اے۔ ڈپ ایڈ (عثمانیہ)

حیدرآباد ٹیچر

بابتہ آذر ۱۳۴۸ لغایتہ بہمن ۱۳۴۸ف

فہرست مضامین

جلد ۱۳ | شمارہ ۲

تقریر

عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات ملک سرکار عالی

صدر مہتمم صاحب تعلیمات و مہتمم صاحب خواتین و حضرات

میں آپ کے سامنے کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنے کے لئے نہیں کھڑا ہوا ہوں عام طور پر میں تقریر کرنے سے گریز کرتا ہوں اس لئے کہ یہ میرا ایقان ہے کہ اب باتیں بنانے کا وقت نہیں اور ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم باتیں بنانا چھوڑ کر میدان عمل میں قدم رکھیں میں آپ کا زیادہ وقت نہ لونگا اس موقع پر میں اپنے چند خیالات آپ تک پہونچا کر ان پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر اس مجمع میں سے دو ایک نے بھی میری ان باتوں کو غور سے سنا اور ان پر عمل کیا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت چیز ہو گئی ۔

خواتین و حضرات قبل اس کے کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اپنے گرد و پیش کے حالات کا ایک سرسری ذکر کروں باوجود ان حالیہ ترقیوں کے بدقسمتی سے ہمارا ملک ایک عجیب حالت جمود میں ہے۔ ہماری حالت نہایت پست ہے اور دن بدن پست ہوتی جارہی ہے۔ مغربی ممالک سے تو خیر کیا مقابلہ اور موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ مشرقی ممالک ہی سے جب ہم اپنے ملک کا موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو اپنی حقیقی پستی کا کافی احساس ہو جاتا ہے۔ مشرقی ممالک میں جاپان کو بھی نذر انداز کر دیجئے کیونکہ وہ ایک زمانہ سے مغربی ممالک کے قدم بہ قدم چل رہا ہے۔ ایران۔ شام۔ مصر اور عراق میں گذشتہ دس سال کے عرصہ میں جو تغیر ہوا ہے وہ ہمارے لئے باعث حیرت ہے۔ آج سے چند سال قبل جب میں نے ان میں سے بعض ممالک کا سفر کیا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے ملک کے مقابلہ میں ابھی یہ ممالک پچاس سال پیچھے ہیں لیکن آج میں بلا مبالغہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ شاہراہ ترقی میں ہمارا ملک اب ان ممالک سے پچاس سال پیچھے رہ گیا ہے۔

لے یہ تقریر صاحب ممدوح نے اپنے حالیہ دورہ گلبرگہ میں انجمن اساتذہ کے جلسہ میں فرمائی تھی ۔

خواتین و حضرات۔ آپ ضرور یہ خیال فرماتے ہوں گے کہ گذشتہ چند سال کے عرصہ میں ہمارے ملک نے بھی ترقی کی ہے۔ عمدہ سڑکیں شہروں میں بجلی کی روشنی اور آبرسانی کی سہولت موٹربس کا انتظام وغیرہ کیا یہ ہماری ترقی کے بین ثبوت نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا شمار بھی ترقی میں کیا جاسکتا ہے لیکن آپ حضرات معاف فرمائیں اگر میں یہ کہوں کہ حقیقی ترقی صرف یہ ہی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ حقیقی ترقی سے ہم دن بدن دور ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ابھی تک جہالت کا دور دورہ ہے۔ ہماری معاشی۔ اقتصادی اخلاقی اور روحانی زندگی نہایت پست ہے۔ ان میں تغیر پیدا کرنا اور اصلاح کرنا صرف معلم کا کام ہے۔ میرا مقصد اس وقت فرائض مدرسین پر لکچر دینے کا نہیں ہے۔ مجھے اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے کہ تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ معلم کے فرائض اس قدر اہم اور پیچیدہ ہوگئے ہیں کہ ہمیں اس بات پر خاص طور سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان اہم فرائض کی ادائگی کے لئے معلمین کو کس طرح تیار کرنا چاہئے۔ میں جب کبھی کسی مدرس کی ناقص کارگزاری دیکھتا ہوں تو میرے دل میں فوراً ہی تدارک کا خیال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ کوئی شخص عمداً اپنی کارگذاری خراب کرنا نہیں چاہتا۔ ہر شخص صلہ کا خواہشمند رہتا ہے۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شخص عمدہ کام کرکے خراج تحسین حاصل کرنے کی کوشش کرے اس لئے جب میں نے ایسے مدرسین کے متعلق جن کی کارگزاری ناقص ثابت ہوئی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بہت سے ایسے امور ہیں جو ان مدرسین کے خاطر خواہ طور پر فرائض کی انجام دہی میں مانع ہوتے ہیں۔ میں اپنی تقریر میں صرف ان امور اور ان کی اصلاح کی طرف آپ حضرات کو متوجہ کروں گا۔

بعض مدرسین ایسے پائے گئے جن کو اپنے کام کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو سررشتہ میں داخل ہونے سے قبل تمام دروازے کھٹکھٹا چکے ہیں۔ اور جب کہیں جگہ نہ ملی تو مجبوراً ہمارے سررشتہ میں داخل ہوگئے۔ یہ لوگ سررشتۂ تعلیمات میں آنا اپنی بدقسمتی سمجھتے ہیں۔ انھیں اپنے کام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور طوعاً و کرہاً کام کرتے ہیں۔ میں ان حضرات سے کہوں گا کہ وہ ان خیالات کو بھول جائیں اور سمجھیں کہ خدا کی مرضی یہی تھی کہ وہ سررشتۂ تعلیمات کی خدمت انجام دیں۔ اب وہ اس سررشتہ میں داخل ہوچکے ہیں اور ان کو

چاہیئے کہ وہ مایوس کن خیالات کو ترک کر دیں اپنے کام کو محنت کاوش اور دلچسپی سے انجام دیں کوئی شخص اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کو شوق اور اپنے کام میں انہماک نہ ہو۔

اکثر و بیشتر مدرسین مجھے ایسے نظر آئے جنھیں اپنے کام سے دلچسپی بھی ہے۔ وہ سررشتہ میں خوش بھی ہیں لیکن بعض ایسی مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ان کے دل و دماغ کو سکون نہیں تعلیم دینے سے دنیا میں کوئی اور مشکل کام نہیں ہے ہمیں ایسی ہستیوں سے کام پڑتا ہے جو خود دل و دماغ رکھتی ہیں ان میں قوت ارادہ موجود ہے اور وقتاً فوقتاً وہ آپ سے مقابلہ کرنے کو بھی تیار ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تعلیم جیسا اہم کام اس وقت تک اچھی طرح انجام نہیں پا سکتا جب تک کہ مدرس کے دل و دماغ میں سکون نہ ہو۔ ہماری انتہائی کوشش ہونی چاہئے کہ ان مشکلات کو ہم اپنی راہ سے دور کر دیں تا کہ پھر اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔

سب سے بڑی مشکل جو مدرس کی سدراہ ہے وہ اقتصادی پریشانی ہے۔ ہمارے اخراجات ہماری آمدنی سے کہیں زیادہ ہیں جس کی وجہ سے ہم آئے دن مالی مشکلات میں پھنسے رہتے ہیں۔ اقتصادی پریشانیوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ رسم و رواج کی پابندی ہے۔ ترک رسم کا خیال بھی اگر ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے تو ہم سماج سے ڈر جاتے ہیں۔ جس کی وجہ ہماری اخلاقی کمزوری ہے معلم کو کم از کم اس سے بالاتر ہونا چاہیئے۔ اگر معلم ہی نے رسم و رواج کے قیود کو مردانگی سے نہ توڑا تو پھر جہلا اور اسمیں کیا فرق باقی رہتا ہے۔ شادی بیاہ اور اسی قسم کی دوسری تقاریب میں ہم اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں۔ بیماری کی حالت میں ہم اپنے یا اپنے متعلقین کو سرکاری دواخانوں میں جہاں خاطر خواہ طور پر دیکھ بھال ہو سکتی ہے داخل کرنا سماجی نقطۂ نظر سے برا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہم ایسا کرتے تو قلیل صرفہ میں وہ فائدہ حاصل ہوتا جو گھروں پر زائد سے زائد اخرجات کے باوجود نصیب نہیں ہو سکتا۔ ایک اور وجہ ہماری مالی مشکلات کی یہ بھی ہے کہ ہم ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہونے سے قبل ذمہ دار بننے کی کوشش کرتے ہیں غور فرمائیے کہ جب ہم مالی مشکلات میں مبتلا ہوں تو پھر ایک لڑکی کو اپنا شریک زندگی بنا کر ہر سال پیدا ہونے والی اولاد کے اخراجات کے کس طرح

کمیل ہو سکتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف ہمارے دل و دماغ سے سکون مفقود ہو جاتا ہے بلکہ اپنی اولاد کی خاطر خواہ تعلیم و تربیت نہ کرکے آئندہ آنے والی نسلوں میں ایسی بیکار ہستیوں کا اضافہ کرتے جاتے ہیں۔ جب معلم مالی مشکلات میں پھنس جاتا ہے تو اس کی اخلاقی اور ذہنی قوت بھی دن بدن پست ہوتی جاتی ہے اور جب خود معلم کا دماغ پریشان اس کی اخلاقی اور ذہنی قوت پست ہو تو پھر قوم کے ہونہار بچوں کے دل و دماغ کی اصلاح کس طرح کرسکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں کے نوے فیصدی مدرسین ایسی اقتصادی غلامی کے شکار ہیں اور جب تک وہ اپنے آپ کو اس سے آزاد نہ کرلیں گے وہ حقیقی معنی میں معلم نہیں بن سکتے

ہمیں ایسے وسائل پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے جن سے ہم اپنی آمدنی زیادہ کرسکیں۔ متمدن ممالک میں بھی معلم ہی سب سے کم تنخواہ پانیوالی ہستی ہے لیکن وہ نہ صرف اپنے اخراجات آمدنی کے حدود میں رکھتے ہیں بلکہ آمدنی کے دوسرے وسائل بھی پیدا کرلیتے ہیں۔ مثلاً اکثر اپنے مکان میں ایک باغیچہ لگالیتے ہیں جن کی ترکاری اور پھولوں سے نہ صرف وہ فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ ان کو فروخت کرکے کچھ پیسے بھی پیدا کرلیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ مرغیاں پالتے ہیں اور بعض شہد کی مکھیاں۔ ان کی عورتیں بھی بیکار نہیں بیٹھتیں اکثر معلمی کا پیشہ اختیار کرلیتی یا کسی دوسرے دھندے میں لگ جاتی ہیں۔ ہمارے یہاں کے مدرسین بھی اگر ایسے ذرائع اختیار کریں تو سررشتہ کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

خواتین وحضرات۔ دوسری چیز جس کی معلم کو سخت ضرورت ہے وہ تزکیۂ نفس ہے۔ تزکیۂ نفس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ ہم پیدائش کی غرض و غایت سمجھیں۔ معبود حقیقی کی عبادت اور بندگان خدا کی خدمت یہی ہماری پیدائش کا اصلی مقصد ہے معلم کے لئے سب سے بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کا دل پاک اور صاف ہو۔ ضمیر کی پاکیزگی کا اثر افعال پر پڑتا ہے۔ اگر معلم اپنے نفس پر قابو رکھے تو پھر خودبخود وہ برائیوں سے بچنے لگے گا اور نیکیاں بلاارادہ اس سے سرزد ہونے لگیں گی۔ اما وہ شرط ہے پھر خودبخود آپ آگے بڑھنے لگیں گے۔

ایک اور چیز جس کی طرف میں آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ صحت اور تندرستی کی حفاظت ہے۔ اقتصادی مشکلات میں پھنس جانے کے بعد اور پھر خود اپنی ذمہ داریاں بڑھا لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم صحت کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جز معاش مدرسین مرغن اور عمدہ غذاؤں کا استعمال ہی نہیں کر سکتے جن سے صحت درست رہ سکتی ہے۔ یہ خیال کہ مرغن غذائیں عمدہ صحت کے لئے ضروری ہیں بالکل غلط ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مرغن غذائیں ہی بربادیٔ صحت کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ اور زود ہضم غذائیں صحت کے لئے ازبس ضروری اور مفید ہیں ایسی غذاؤں کا استعمال کرنا چاہئے جن میں حیاتین کی مقدار زیادہ ہو۔ گیہوں کی روٹی سبز ترکاریاں اور دودھ صحت بخش غذا کے عمدہ جز ہیں۔ گوشت صحت کے لئے اتنا مفید نہیں جتنا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔
اگر ہم حفظان صحت کے معمولی اصولوں کا خیال رکھیں تو ہماری صحت عمدہ ہو سکتی ہے۔
تنگ و تاریک مکانات سے اجتناب ضروری ہے۔ کھلی اور صاف ہوا صحت کیلئے بہت ضروری ہے۔ کسی نہ کسی قسم کی ورزش بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ ورزش ایسی ہونی چاہئے جس سے خون کا دوران جسم میں تیز ہو جائے اور ہلکا پسینہ جسم سے خارج ہو جائے۔ اکثر لوگوں کو بواسیر اور ذیابطیس کی شکایت ہو جاتی ہے۔ جس کی اصلی وجہ یہی ہے کہ مرغن غذاؤں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح جو ضرورت سے زیادہ نمک پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کو ورزش کے ذریعہ خارج کرنے کی کوئی تدبیر اختیار نہیں کی جاتی۔

خواتین و حضرات۔ آخر میں آپ کی توجہ ان تعلقات پر منعطف کرانا چاہتا ہوں جو معلمین اور متعلمین کے مابین قائم ہونے چاہئیں۔ تعلیم کا کام تو خیر کسی طرح چل ہی رہا ہے۔ لیکن جو چیز ہماری قوم سے مفقود ہے وہ تربیت ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا کہ تربیت اب ہم سے مفقود ہو گئی۔ چھوٹوں کے ساتھ سلوک۔ بڑوں کا رکھ رکھاؤ۔ ہمسایہ اور دوستوں کے حقوق۔ نشست و برخاست کے طریقے یہ سب چیزیں تربیت میں داخل ہیں اور ہم ان کی تعلیم کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کرتے۔ جب تک معلمین اور متعلمین میں محبت اور خلوص نہ ہو تربیت کا کام انجام نہیں پا سکتا۔ افسوس کہ اب یہ تعلقات مفقود ہیں۔ تعلیم کی صورت اب

کاروباری ہوگئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم طلبا سے اچھے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کریں۔ طلبا کو سمجھایا جائے کہ تعلیم کا مقصد چند کتابیں پڑھ کر کسی امتحان میں کامیابی حاصل کرنا ہی نہیں بلکہ تعلیم کا حقیقی مقصد انسان کو انسان بنانا ہے۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کی انجام دہی کے لئے معلم کو اپنی ہستی از بس فنا کرنا ضروری ہے۔ افرجہ کی اصلاح اور طبائع میں توازن پیدا کرنا معلم کا اولین فریضہ ہے۔ قوم کی اصلاح صرف باتوں سے نہیں ہوسکتی اس کے لئے زبردست قربانی کی ضرورت ہے۔ معلم کا فرض صرف یہی نہیں کہ وہ حدود مدرسہ میں طلبہ پر نگرانی رکھے بلکہ اس کو چاہئے کہ مدرسہ کے باہر بھی وہ طلبہ اور ان کے حرکات وسکنات پر نظر رکھے۔ ان کو بُرے شوقوں سے روکا جائے۔ انھیں بتایا جائے کہ اوقات فرصت کس طرح بسر کرنے چاہئیں۔ مدرس کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کو طلبہ کے لئے نمونہ بنائے اور ایک اہم چیز جو ہم سب کو کرنی چاہئے۔ وہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ملکی مصنوعات کا استعمال کیا جائے۔ ضرورت ہے کہ ہم خود بھی دیسی چیزوں کا استعمال کریں اور اپنی عورتوں کو بھی اس کے استعمال کی ترغیب دیں اور بچوں کو بھی یہی تعلیم دیں جب ہم خود مثال بن کر بچوں کے سامنے پیش ہوں گے تو ہم ان پر اپنا اثر ڈال سکیں گے۔ بچوں کے لباس کے صفائی کی طرف مدرسین کو خاص طور پر متوجہ ہونا چاہئے عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ناداری کی وجہ سے طلبہ اپنے لباس کو صاف ستھرا نہیں رکھ سکتے۔ ناداری کو صفائی سے کوئی علاقہ نہیں غریب سے غریب آدمی بھی پاک اور صاف رہ سکتا ہے۔ چونکہ ہماری ذہنیت پست ہے اور تمدن گر گیا ہے۔ اس لئے ہمیں صفائی کا زیادہ خیال نہیں ہوتا۔ تربیت اور عادت سے اس کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

خواتین وحضرات۔ اب میں صرف ایک بات کا آپ سے اور ذکر کروں گا۔ ہمارا ملک جو قدیم روایات کے تحت مختلف فرقوں میں باہمی اتحاد اور رواداری کے لئے ضرب المثل تھا وہاں بھی کچھ دنوں سے بیرونی اثرات کے تحت فرقہ وارانہ کشیدگی کے آثار نمایاں ہوگئے ہیں۔ ٹھنڈے دل سے اگر غور کیا جائے تو فرقہ وارانہ کشیدگی ایک مضحکہ خیز چیز معلوم ہوتی ہے جس طرح ہر شخص اپنی پسند کے موافق لباس پہنتا ہے کوئی سوٹ بوٹ کوئی

شیروانی کوئی سیاہ ٹوپی پہنتا ہے اور کوئی لال لیکن ایک دوسرے پر کوئی معترض نہیں ہوتا اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے مذہبی خیالات پر نکتہ چین ہو یہ ایک مسلمامر ہے کہ نہ برادران ہنود مسلمانوں کو ملک سے باہر نکال سکتے ہیں اور نہ مسلمان اہل ہنود کو ہندوستان یا اس کے کسی گوشہ کو چھوڑنے کے لئے مجبور کرسکتے ہیں دونوں فرقوں کو یہیں رہنا اور مرنا ہے پھر زندگی کو کیوں بے لطف بنایا جائے ۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ آنیوالی نسلوں کو اس فرقہ وارانہ کشیدگی سے دور رکھا جائے اور اس کی تمام تر ذمہ داری معلمین اور معلمات پر ہے معلمین کو چاہئے کہ وہ خود اس فضا سے علٰحدہ رہیں اور اپنی ذہنیت کو ان نزاعات سے بالا بنائیں۔

آخر میں آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپنے میرے خیالات کو غور سے سُنا میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرے الفاظ پر اچھی طرح غور فرمائیں گے اور اگر آپ ان کو اپنے لئے مفید پائیں تو اس پر عمل فرمائیں۔

تاریخ ریاضیا

از

جناب مولوی سید عبدالحکیم صاحب ایم۔ ایس سی۔ ایل۔ ٹی

تعلیمی نقطہ نظر سے گذشتہ مضمون پر تبصرہ

اس مضمون کی گذشتہ اشاعت میں ابتدائے تخلیق عالم سے ایک ہزار قبل مسیح تک کی ریاضیات پر روشنی ڈالی گئی تھی تعلیمی نقطۂ نظر سے بنی نوع انسان کا یہ قدیم دور اس کا زمانہ طفلی تھا وہ اپنے علوم، تجربوں اور خیالات میں ایک ایسے بچہ کے مثال تھا جو آغوش مادر سے اتر کر اپنے پیروں سے چلنے لگا ہو اور ٹوٹی پھوٹی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار اور دوسروں کی گفتگو سمجھنے لگا ہو۔ ایسا بچہ اکثر گرمیوں کی راتوں میں جبکہ آسمان ابر و غبار سے صاف اور چھوٹے بڑے تاروں سے بھرا ہوتا ہے اس جگمگاتے منظر کو نہایت مسرت اور تعجب بھری نگاہوں سے گھنٹوں دیکھا کرتا ہے اور اس نیلگوں طلسمی گنبد کے متعلق کبھی دل ہی دل میں اور کبھی اپنی ماں سے انواع و اقسام کے سوالات کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب ابتدائی انسانوں نے آنکھ اٹھا کر آسمان کو دیکھا تو اس کے دماغ میں بھی پہلا سوال یہی آیا کہ :۔ چیست ایں گنبد طلسمی کار ؟ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انسان کے تجسس اور تفحص کے عمل کا آغاز زمین اور اس کے قرب و جوار کی اشیاء کے بدلے سب سے پہلے آسمان سے ہوا، اور اس کا دماغ پہلے سماء اور ما فی السماء کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ تاریخ علوم کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ انسان کا قدیم ترین علمی سرمایہ آسمان سے متعلق ہے اس میں چینی ہوں یا کلدانی مصری ہوں یا یونانی ہر ایک میں علوم فلکیات کی گرما گرمی رہ چکی ہے۔

یہ امر فی الوقت غور طلب ہے کہ وہ علم جو کبھی بنی نوع انسان کے عہد طفلی کا سبق تھا آج ہمارے نصاب سے بالکل نکل گیا، اگر مشاہدۂ قدرت کے اسباق میں اس نیلگوں سقف کہن کے مشہور مشہور ستاروں اور سیاروں کے مشاہدات بھی شامل ہو جاتے تو بچہ کی وہ جبلتیں جو اس کو وراثتاً ملتی ہیں اتنی تشنہ نہ رہتیں۔ نیز اگر مضمون ریاضی کے درس میں زمین کے قطر کی پیمائش، عرض البلد، طول البلد نکالنے کے طریقے سال کی تقسیم دنوں میں اور اسی طریقہ کی دوسری باتیں عملاً داخل ہو جاتیں تو یہ مضمون ایک استخوان بے پوست نہ رہتا۔ اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے مضامین کے ساتھ ہم آہنگ بھی ہو جاتا۔

دوسرا نتیجہ جو گذشتہ مضمون کے مطالعہ سے اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ صغیر جماعتوں میں اعداد پر نظری اسباق بچہ کے لئے بالکل بے معنی ہیں۔ اس عمر کا (۴½ تا ۷ سال) ایک بچہ جانتا ہے کہ اس کا گیند اس کے ساتھی کے گیند سے بڑا ہے۔ وہ چار سال کا ہے۔ وہ اپنی قطار میں پہلا لڑکا ہے، اُس کے تین اور بھائی ہیں جو پانچویں، چھٹی اور ساتویں جماعتوں میں زیر تعلیم ہیں، اسکول ۱۰ بجے شروع ہوتا ہے اور چار بجے برخاست، اس کے ہر ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں۔ غرضکہ اس عمر میں بچہ قدیم انسان کی طرح اعداد کو اشیاء کے ساتھ وابستہ کرکے سمجھتا ہے۔ اور اس طرح کچھ عرصہ کے بعد اس کے لئے بڑا، پہلا، تین، چار، پانچ وغیرہ بامعنی الفاظ بن جاتے ہیں۔ دوسرے اعداد اور گنتیاں سکھانے میں بھی اس خیال کو پیش رکھنا چاہیئے کہ جس طرح انڈمان یا افریقہ کے ابتدائی باشندے اعداد کا شمار یکے بادیگرے انگلیاں پکڑ پکڑ کر یا ناک چھو چھو کر کرتے تھے اسی طرح اگر بچہ ایک، دو، تین، چار، پانچ وغیرہ اعداد گننے کے ساتھ ہی ساتھ ان کو اشیاء سے ہم آہنگ کرتا جائے تو یہ الفاظ اس کے دماغ میں زیادہ بامعنی مفہوم پیدا کرتے ہیں۔

جب بچہ اپنی عمر کے تقریباً ساتویں سال میں داخل ہوتا ہے تو اس کی دماغی حیثیت ۵۰۰۰ ق۔م کے انسان کے مساوی ہو جاتی ہے۔ اس عہد کا انسان غیر مجرد اعداد سے واقف ہو چکا تھا گو وہ جمع، تفریق، ضرب، اور تقسیم کے قاعدوں سے واقف نہ تھا لیکن ان میں تجارتی لین دین شروع ہو گیا تھا۔ اس طرح انسان نے حساب کے ابتدائی چار قاعدوں کو عملاً سیکھنا شروع کیا۔

بنی نوع انسان کے اس قدرتی طریقہ کی تقلید کرتے ہوئے اگر بچہ کی مصروفیت کھیل نما تعلیم کے ذریعہ آپس میں تجارتی لین دین، ناپ، تول کی طرف مبذول کردیں تو بلاشبہ ریاضی کی یا ابتدائی تعلیم ان کے لئے جتنی قدرتی اور دلچسپ ہو اتنی ہی مفید بھی ہو جائے، مثلاً تمام بچے تعمیری و تخلیقی جبلتوں کے تحت اس قسم کا مکان نہایت شوق سے تعمیر کرتے ہیں جس میں خود بھی دبک کر بیٹھ سکتے ہوں۔ یہ ہمارے آئے دن کے مشاہدات ہیں کہ بچے کس شوق سے کپڑوں کے خیمے، گڑیوں کے گھر، پرندوں کے ڈبے بناتے رہتے ہیں، اگر ان کو یہ مشورہ دیا جائے کہ وہ ایک ایسا مکان تعمیر کریں جس میں ایک معینہ تعداد فرض کرو سات آدمیوں کے رہنے کا انتظام ہو اس طرح ان کو ہر کمرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ مجموعی طور پر سات بستر، سات میزیں، سات کرسیوں اور دیگر اشیاء خانہ داری کی ضرورت پڑے گی۔ اب فرض کرو کہ ان کو ان سات آدمیوں کے لئے ایک وقت کا کھانا تیار کرنا ہے۔ اب ان کو فی کس معینہ وزن سے سات آدمیوں کے لئے جسقدر وزن میں جنس کی ضرورت پڑیگی اس کا حساب کرنا پڑیگا۔ یہ غلہ وہ بچوں ہی کی دکانوں سے خریدیں گے سکوں کی بجائے کاغذ یا دفتی کے گول ٹکڑوں سے کام لیا جاسکتا ہے۔ غلہ معین نرخ سے چھوٹی چھوٹی ترازوؤں میں تول کر دیا جائے۔ اور یہی چھوٹے سوداگر گھی یا تیل کی بجائے کسی قسم کی رنگین مائعات پیمانوں سے ناپ ناپ کر فروخت کریں۔ غرض کہ اس نوعیت کی کھیل نما مصروفیات میں یہ معصوم سوداگر بہت جلد حساب کے ابتدائی مدارج کو کامیابی کے ساتھ طے کرلیں گے

حساب کے بعد جب اس قدیم انسان کے علم ہندسہ پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا میں اس سے زیادہ کچھ نہ جانتا تھا کہ وہ اپنے پتھر اور مٹی کے بنے ہوئے ظروف پر لکیریں یا غیر مدور شکلیں بنالے۔ لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اس کے دائرے زیادہ گول اور خطوط زیادہ سیدھے ہوتے گئے۔ صغیر جماعتوں میں علم ہندسہ کی تعلیم کے متعلق بلحاظ حالات بنی نوع انسان مختصر اتنا کہدینا کافی ہے کہ بچوں کا علم ہندسہ صرف آزادانہ ہاتھ سے کھینچے ہوئے چند منحنی یا سیدھے خطوط اور مدور یا غیر مدور شکلوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔ نقطہ، خط، زاویہ، دائرہ، سطح وغیرہ کی تعریفوں کا ان نوخیز دماغوں پر بار نہ ڈالنا چاہئے۔ پرکار، پیمانہ، اور دیگر آلات علم ہندسہ کی بجائے ریت سے بھرے ہوئے ٹین کے ڈبے۔ لکڑی کے تختے۔ سلیٹ کاغذ رنگین پنسلیں ان کے

سامان میں داخل ہونا چاہئے۔ ان آلات سے وہ اپنے فطری رجحانات کا اظہار کریں رنگین پنسلوں سے اُن کو سفید کاغذ پر اپنی طبیعتوں کی رنگ آمیزی میں ساکن اشیاء کے بجائے اگر متحرک اشیاء۔ مثلاً اُڑتا ہوا طیارہ () ، دوڑتی ہوئی ٹرین () بھاگتا ہوا آدمی () ایک ہی روش قلم میں اگر تختۂ مشق بنایا جائے تو بچوں کے لئے زیادہ مناسب ہو گذشتہ مضمون سے صغیر جماعتوں کی تعلیم سے متعلق جو مفید نتائج اخذ کئے جا سکتے تھے اس پر تبصرہ کرنے کے بعد اب ریاضیات کے اُس دور کی ابتدا کی جاتی ہے جو ۱۰۰۰ ق م سے ۵۰۰ء تک ڈیڑھ ہزار برس کا زمانہ ہے۔ ریاضیات کے اس دور کو یونانیوں کا زمانہ کہنا بے محل نہ ہوگا۔ کیونکہ یونانیوں نے نہ صرف ریاضیات بلکہ حکمت، فلسفہ، سیاسیات اور دوسرے علوم میں اتنی شہرت حاصل کی کہ آج بھی اُس قوم کے حکماء کے نام متمدن قوموں کے زبان زد ہیں۔ افلاطون، ارسطو، سقراط۔ بقراط، جالینوس، اقلیدس، فیثاغورث، ارشمیدش جو اپنے زمانے میں اس آب و تاب سے چمکے کہ آج غروب ہو جانے کے بعد بھی علمی دنیا سے اُن کی تنویر زائل نہ ہوئی اسی ملک یونان کے باشندے تھے جو ایشیاء کوچک کے شمال و مغرب میں واقع ہے۔ یہ جفاکش اور عقلمند قوم یافث ابن نوح کی نسل سے تھے اور خیال یہ ہے کہ ریاضیات اور دیگر علوم انہوں نے اہل مصر اور فینیقی قوم سے سیکھے۔ یہ آخر الذکر وہ دولت مند تاجر پیشہ قوم تھی جو ایشیا کوچک کے مغربی ساحل سمندر اور کوہ لبنان کے درمیان میں آباد تھی۔ ان کے دو بڑے شہر طائر اور زردون دنیا کی اولین بندرگاہیں تھیں۔ جہاں تجارت کا کاروبار قائم ہوا۔ اسی تجارتی کاروبار کی بدولت وہ حساب اور اعداد و شمار میں اپنے ہمسایہ اہل بابل سے بڑھے ہوئے تھے اور وہ اوزان اور پیمانے جو بابل میں مستعمل تھے وہ اسی فینقی قوم کے مہیا کردہ تھے۔ اور قدیم یونانیوں کی حساب اور فن اعداد و شمار میں یہی قوم استاد بنی۔ فیثاغورث فینقی نسل سے تھا اور ہیرو دوتوس ایک یونانی مورخ کے خیال کے مطابق تھیلس جو یونان کے ہفت عقلاء میں شمار کیا جاتا تھا بھی فینقی قوم سے تھا، ذیل میں یونان کے مشہور ترین ریاضی دان اور ان کی تحقیقات کا حال دیا جاتا ہے۔

تھیلس ۶۴۰ ق م تا ۵۵۰ ق م تھیلس یونان کا پہلا شخص تھا جس نے ریاضیات اور فلسفہ کی

اولین درسگاہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ تقریباً ۶۴۰ سنہ ق م میں بمقام ملیٹس پیدا ہوا۔ اور تقریباً نوّے برس کی عمر میں اسی مقام پر وفات پائی۔ یہ اوائل عمر میں ایک سوداگر، درمیانی عمر میں سیاست دان اور اخیر عمر میں منجم اور فلسفی تھا۔ اس کے متعلق جو قصے مشہور ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ابتدا ہی سے نہایت دور اندیش، صاحب فراست اور مستقل مزاج تھا۔ تھیلس کے متعلق حکیم ارسطو ایک قصہ بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ یونان میں زیتون کی فصل نہایت امید افزا تھی تھیلس نے شہر میں زیتون کا تیل نکالنے کی جتنی مشینیں تھیں قبل سے خرید کر جمع کرلیں اور بعد میں من مانی مشینوں کو کرایہ پر دیکر خوب روپیہ وصول کیا۔ ایک دوسرا قصہ اس کے متعلق یوں مشہور ہے کہ ایک موقعہ پر وہ چند خچروں پر نمک لادے ایک چشمہ سے گذر رہا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر کا پیر پھسلا اور وہ مع نمک کے تھیلے کے پانی میں گر گیا، اور بہت نمک پانی میں مل گیا اور خچر کا وزن ہلکا ہو گیا۔ چالاک جانور نے اس اتفاقی تجربے سے فائدہ اٹھایا اور جب کبھی کسی چشمہ یا دریا کو عبور کرتا ایک یا دو غوطہ مار وزن کم کرلیتا تھا۔ تھیلس نے دوسرے موقعہ پر اس خچر کی پیٹھ پر روئی اور اسپنج لادکر اس کو اس شرارت کی سزا دی۔

بسلسلۂ تجارت یہ مصر گیا اور وہیں علم ہیئت اور علم ہندسہ سیکھا۔ یہ اتنا ذہین تھا کہ جلد ہی مصر کے تمام راہبوں پر سبقت لے گیا۔ تشابہ مثلثات کے اصول پر اس نے اہرام مصر کے سایہ کی پیمائش کرکے اہرام کی بلندی معلوم کی۔ شاہ امیسیز اس کے اس علمی کارنامے سے بیحد متعجب ہوا۔ اس بلندی کو معلوم کرنے کے لئے اس نے ایک سیدھی لکڑی لی اس کو دھوپ میں عموداً کھڑا کیا۔ اور اس کے سایہ کی پیمائش کی۔ اس سایہ کے طول اور لکڑی کی لمبائی میں جو نسبت تھی وہی اہرام کے سایہ اور اسکی بلندی میں تھی۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ اہرام کی بلندی سایہ کی پیمائش سے اس وقت معلوم کی جب لکڑی اور اس کے سایہ کا طول مساوی ہو گیا۔

تھیلس کو اپنی علمی تحقیقات میں اتنی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ اس نے شادی کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اس کا ایک دوست سولن جس کا شمار بھی یونان کے ہفت عقلا میں تھا تھیلس کے خیالات کے برعکس شادی کا حامی تھا اس نے بہت کوشش کی کہ تھیلس شادی کرلے۔ ایک دن سولن نے اپنے دوست کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنا خیال ترک کردے تھیلس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور خاموش

اٹھکر چلا گیا۔ دو چار دن گذرنے کے بعد اس نے ایک اجنبی کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ سولن کے پاس جائے۔ اور یہ بہانہ کرے کہ وہ ایک سیاح ہے اور فی الوقت وہ راست شہر اثینہ سے آرہا ہے جہاں سولن کے بال بچے رہتے تھے۔ اجنبی نے ایسا ہی کیا۔

سولن۔ اے اجنبی تم کہاں سے آرہے ہو؟

اجنبی۔ میرا وطن نینوا ہے اور فی الوقت شہر اثینیہ سے آرہا ہوں۔

سولن۔ کیا تم مجھے تبلا سکتے ہو کہ شہر میں سب خیریت ہے۔

اجنبی۔ میں شہر میں بہت کم ٹھیرا مگر اتنا معلوم ہے کہ شہر میں ایک بہت مشہور سولن نامی شخص کے نوجوان لڑکے کا انتقال ہوگیا ہے۔ شہر تمام اتم کر رہا تھا۔

سولن۔ افسوس! افسوس وہ بدنصیب سولن میں ہوں۔

ان الفاظ کے سنتے ہی تھیلس اندر آیا۔ اور قبل اس کے سولن کچھ زبان سے کہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے دوست میں معافی چاہتا ہوں کہ اب تک میں نے آپ کی بات نہ سنی۔ میں نے اپنے خیالات تبدیل کردئے۔ میں شادی کے لئے تیار ہوں۔ سولن رو کر کہتا ہے کہ میرا مشورہ غلط تھا۔ اب میں تم کو ہرگز شادی کرنے کی رائے نہ دوں گا۔ تھیلس مسکرایا۔ بس تمہاری منطق معلوم ہو گئی اب رونے دھونے کی ضرورت نہیں۔ میرا مطلب حل ہوگیا۔ تمہارا لڑکا زندہ ہے۔

تھیلس کی علمی تحقیقات تاریخ ریاضیات میں تھیلس پہلا شخص تھا جس نے اثباتی علم ہندسہ کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت علم ہندسہ صرف عملی اشکال پر محدود تھا جن کو پیمائش کے ذریعہ ثابت کرکے دعویٰ عام کی صورت میں بیان کردیتے تھے۔ تھیلس نے ان مسائل کا عقلی ثبوت دیا۔ ذیل کے ہندسی مسائل تھیلس سے منسوب کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مثلث متساوی الساقین کے قاعدہ پر کے زاوئے آپس میں برابر ہوتے ہیں اس کو ثابت کرنے کے لئے تھیلس نے اتنا ہی بڑا ایک دوسرا مثلث لیا۔ اور پہلے مثلث کو دوسرے مثلث پر الٹ کر منطبق کردیا۔ یہ ایک قسم کا عملی مظاہرہ تھا۔

۲۔ اگر دو خطوط مستقیم ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں تو زاویہ متقابلہ آپس میں برابر ہوتے ہیں۔ پروکلس نامی مورخ کہتا ہے کہ اس کا باقاعدہ ثبوت اقلیدس نے دیا تھا تھیلس نے

صرف دعویٰ عام پر ہی اکتفا کرکے یہ کہدیا کہ یہ ایسی صریحی بات ہے کہ اس میں کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

۳۔ مثلث کامل طور پر معلوم ہوجاتا ہے۔ اگر اس کا قاعدہ اور قاعدہ پر کے زاویہ معلوم ہوجاویں۔ مثلث کی اس خواص کا اطلاق عملاً سمندر پر کسی جہاز کا فاصلہ معلوم کرنے میں ہوتا تھا۔ کوئی مینارہ قاعدہ تصور کرکے راس اور قدم پر کے زاویوں کا مشاہدہ کر لیتے تھے۔

۴۔ متشابہ مثلثات کے اضلاع متناسب ہوتے ہیں اس مسئلہ کے ذریعہ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے تھیلس نے اہرام مصر کی بلندی معلوم کی تھی۔

۵۔ قطر دائرہ کو دو مساوی حصص میں تقسیم کرتا ہے۔ تھیلس نے صرف دعویٰ عام بیان کردیا۔

۶۔ نصف دائرہ کا ہر زاویہ قائمہ ہوتا ہے۔ تھیلس کی ہندسی تحقیقات میں یہ سب سے شاندار تحقیق ہے تھیلس اس تحقیق پر اتنا خوش ہوا کہ اُسنے غیر فانی دیوتاؤں کے نام پر ایک بیل قربانی کردیا خیال یہ ہے کہ اس مسئلہ کا ثبوت اس نے راس سے مرکز کو ملا کر اس طرح مثلث کو دو متساوی الساقین میں تبدیل کرکے دیا۔ لیکن اس طرح صحیح ثبوت پر پہنچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس نتیجہ سے آگاہ ہو کہ مثلث قائمہ الزاویہ کے تینوں زاویوں کا مجموعہ دو قائمہ ہوتا ہے۔

مثلث کے تینوں زاویوں کا مجموعہ دو قائمے ہوتا ہے۔ اس نتیجہ پر جیسا کہ یودیموس کا خیال ہے انسان منتظم اینٹوں اور پتھروں سے عمارتوں کا فرش کرنیمیں پہنچا۔ ابتدا میں صرف تین قسم کے مثلثات اِس صفات کے حامل سمجھے جاتے تھے اوّلاً مثلث مساوی الاضلاع۔ اور یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ یہ نتیجہ مساوی الاضلاع شکل کی اینٹوں سے اخذ کیا گیا ہو۔ کیونکہ کسی نقطہ کی اطراف کی سطح پُر کرنے کے لئے چھ مساوی الاضلاع مثلث نما اینٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ ہر زاویہ مساوی ہوتا ہے لہذا چھ زاویوں کا مجموعہ ۴ قائمہ ہوا۔ لہذا ہر مثلث کے تین زاویوں کا مجموعہ دو قائمہ ہوا۔ دوم یہ کہ ہر مستطیل میں ۴ قائمہ ہوتے ہیں اور وہ وتر کے ذریعہ دو مساوی مثلثات قائمہ الزاویہ میں تقسیم ہوجاتا ہے لہذا ہر مثلث قائمہ الزاویہ میں جملہ دو قائمہ ہوئے۔ اس قسم کا نتیجہ مستطیل نما اینٹوں سے بہ آسانی مل جاتا ہے۔ اور سوم ہر مثلث میں اُس

راس سے جس پر کا زاویہ سب سے بڑا ہو اگر مقابل کے اضلاع پر عمود گرایا جائے تو وہ دو مثلثات قائمۃ الزاویہ میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ لہذا اس طرح ہر مثلث کے لئے ایک کلیہ نتیجہ نکل آتا تھا لیکن ابتدائی مہندسہ دان اس کو ایک مجموعی شکل دیتے ہوئے گھبراتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ مثلث کی کوئی جدید صورت پیدا ہو جائے اور وہاں یہ عمومی نتیجہ صادق نہ آئے۔

تھیلس نے علم ہیئت پر بھی ایک کتاب لکھی۔ یہ اپنے معصروں میں بحیثیت مہندسہ دان کے ہیئت دان زیادہ مشہور تھا اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے ایک دن شب کو ستاروں کو دیکھتے ہوئے اتنا محو چلا جا رہا تھا کہ سامنے ایک پانی سے بھری کھائی میں جا پڑا۔ ایک بوڑھی عورت وہاں کھڑی تھی وہ ہنسی اور کہا "اے نادان جب تجھے اپنے ہی قدموں کے نیچے کا حال نہیں معلوم ہے تو فلکیات کے دریافت حال میں کیوں سرگردان ہے"۔ علم ہئیت کی تفصیل میں گئے بغیر اتنا بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ یہ سال کے ۳٦۵ دن ہونیکا مؤید تھا۔ گو اس وقت تک عام خیال یہ تھا کہ سال میں تیس تیس دن کے بارہ ماہ ہوتے ہیں۔ یہ کہتا تھا کہ دنیا چپٹی ہے۔ سورج اور چاند گرہن کے اسباب اس نے بتائے۔ ۲۸ مئی ۵۸۵ ق۔م میں جو سورج گرہن واقع ہوا تھا۔ اس نے پیشین گوئی کی تھی۔ اس پیشین گوئی کی صداقت نے اس کو خاص شہرت دی اور اس کا شمار یونان کے ہفت عقلا میں ہوا لیکن خیال یہ ہے کہ اس پیشین گوئی میں اس نے کسی مصری یا کلدانی تقویم سے فائدہ اٹھایا جس میں درج ہے کہ سورج گرہن ۱۸ سال ۱۱ دن کے وقفہ سے پڑتا ہے۔

تھیلس نے جن خیالات کی بنیاد ڈالی تھی وہ تقریباً ۴۰۰ ق۔م تک قائم رہے اس کے مشہور ترین شاگردوں میں انکشا مندر تھا۔ اس نے زمین کا ایک گلوب بنایا۔ شہر اسپارٹا کا طول البلد معلوم کیا۔ ایک دھوپ گھڑی بنائی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تھیلس کے شاگردوں کا رجحان فلسفہ کی جانب بڑھتا گیا اور آہستہ آہستہ علم ریاضیات فیثا غورث اور اس کے شاگردوں میں منتقل ہو گیا۔

(باقی)

پروجکٹ متھڈ

از

جناب لیاقت علی خاں صاحب مددگار مدرسہ وسطانیہ شاہ ملینڈ

تمہید اصل مضمون کا فوری آغاز ضرورت و مقاصد تعلیم پر روشنی ڈالے بغیر شاید ایک غیر منطقی سلسلہ ہو جائے۔ اس لئے اولاً ہم دو امور پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے اصل مبحث پر غور کیا جائے گا۔

تعلیم کی ضرورت انسان مدنی الطبع ہے۔ سماج سے الگ ہو کر کسی کا وجود ممکن نہیں جو سچ پوچھئے تو معاشرہ کا رکن بننا ہی انسان کو انسان بناتا ہے۔ اقبال مرحوم کہتے ہیں۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں — موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

جہاں فرد کو سماج سے اتنا گہرا تعلق ہے وہیں معاشرہ کا سارا نظام اور اس کی تشکیل افراد کے منظم اور مشترکہ عمل پر منحصر ہے۔ گویا سماج کا قیام و بقاء اور اس کا تحفظ نہ صرف افراد کو چاہتا ہے بلکہ ایسے افراد کو جن کی شعوری تنظیم خاندان حکومت وغیرہ جیسے اداروں نے کی ہو تبھی سے اس امر کی ضرورت کا پتہ چل گیا کہ معاشرہ پر اس کے تحفظ و بقاء کے لئے افراد کی تعلیم اور تشکیل شخصیت کا بار عائد ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی مختلف فطری قوتوں کو اس طرح استعمال کر سکیں کہ خود کو بھی فائدہ پہنچ سکے اور معاشرہ کو بھی ورنہ عدم تشکیل شخصیت کی صورت میں نظام معاشرہ کا درہم برہم ہونا ایسا ہی ہے جیسے پرزوں کے الگ ہو جانے اور مزدوروں کے گھر بیٹھ جانے پر ایک مشین اور ایک کارخانہ کی بے خیریت ہی ہے۔

تعلیم کا مقصد: تعلیم کی ضرورت کو تسلیم کر چکنے کے بعد مناسب ہے کہ مقصد تعلیم پر نظر ڈالی جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فی زمانہ ہمارے گردوپیش مختلف طبقات کے لوگ مقصد تعلیم کے متعلق مختلف خیالات رکھتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے ایک جامع و مانع مقصد تعلیم کا تعین کیا جائے جو جملہ دیگر مقاصد پر حاوی ہو اور اس کی روشنی میں پروجکٹ متھڈ کے حسن و قبح کو جانچا جائے۔

(۱) تعلیم کا مقصد ایک اوسط درجہ کے انسان کے پاس یہ ہے کہ طلبا آئندہ اپنے پیشوں سے متعلقہ فرائض بہتر طریقہ پر انجام دے سکیں تعلیم کا یہ مقصد فی نفسہٖ ادنیٰ ہونے کے علاوہ تعلیم کی غرض و غایت کا کل نہیں بلکہ ایک جزو ہے۔

(۲) معلمین کے نقطۂ نگاہ سے بھی اگر امتحان پاس کرنا تعلیم کا مقصد ہو تو بھی فقط معلومات

کا کیڑا بن جانے اور دیگر اوصاف حمیدہ سے معرّا رہنے کے سبب انسان مکمل نہیں ہو سکتا۔

(۳) تعلیم کا مقصد بعض کے نزدیک دستار فضیلت کا حاصل کرنا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ محض علم و فضل کا وجود جو کسی مفید علمی کام میں نہ لایا جا سکے محض بے سود ہے۔

(۴) بعض کے نزدیک تعلیم کا مقصد جسمانی۔ دماغی۔ جمالی (Aesthetic) اور اخلاقی متوازن ترقی ہے۔ گو یہ مقصد انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے لیکن متوازن ترقی کی شرط اس قدر کٹھن ہے کہ تعین نصاب کے بارے میں بڑی ہی مشکلات پیش آئیں گی۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا مقاصد اپنے حدود کے اعتبار سے جامع نہیں۔ ضرورت ہے کہ دور جدید کے تعلیمی رجحانات پر نظر رکھتے ہوئے ایک ایسے مقصد کا تعین کیا جائے جو اپنی جگہ جامع و مانع ہو۔

مصلحان تعلیم اس امر پر متفق ہیں کہ تعلیم کا مقصد اصلاح سیرت ہے پس یہ نتیجہ نکلا کہ انسان کی اصلاح سیرت اس طرح کی جائے کہ وہ جماعت کو نفع پہنچا سکے اور ایک مفید شہری ثابت ہو۔ قوم و ملّت کی خدمت کر سکے۔ انجام دہی فرائض کے بارے میں کلیتہً عملی ہو۔

مقررہ مقصد تعلیم و رجحان کی روشنی میں اب پروجکٹ متھڈ کا تجزیہ اور اس کی ضرورت یا عدم ضرورت سے بحث کی جائے گی۔

لیکن اس سے قبل ہی مناسب ہے کہ چلتے ہوئے جان ڈیوی John Dewey کے خیالات اور حالات کا مختصراً جائزہ لیا جائے تاکہ ہم پروجکٹ متھڈ کو جس کے فلسفی تعلیمی خیالات کا یہ نتیجہ ہے خاطر خواہ سمجھ سکیں۔

مسٹر جان ڈیوی کے حالات

مسٹر جان ڈیوی (Dewey) ۲۰ر اکتوبر ۱۸۵۹ء کو برلنگٹن ورمون میں پیدا ہوئے۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر ۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان وہ منی سوٹا میچی گن اور شکاگو میں استاد فلسفہ مقرر ہوئے اسی ملازمت کے دوران میں مشاغل تدریس کے جو اصول انہوں نے تجربہ کی بنا پر قائم کئے اس کی وجہ سے امریکہ کی تعلیمی دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا حتیٰ کہ جامعہ پیکن میں دو سال تک فلسفہ و تعلیم پر ان کے لکچر ہوتے رہے۔ حکومت ترکی نے ان کو

قومی مدارس کے متعلق رپورٹ پیش کرنے کی دعوت دی۔ اس کے بعد ۱۹۰۴ء میں جامعہ کولمبیا میں یہ پروفیسر فلسفہ مقرر ہوئے۔ فی الوقت گو وہ تعلیم سے علٰحدہ ہیں لیکن زمانہ کے فکر و خیال پر ان کا کافی اثر پڑنے لگا ہے۔

مسٹر ڈیوی نہ صرف ایک رائے زن فلسفی ہیں بلکہ ایک باعمل سائینسدان

مسٹر جان ڈیوی کے خیالات

بھی دیگر مصلحان تعلیم کی طرح ڈیوی کا دماغ بھی اپنے گرد و پیش کے مدارس کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اور شاید یہی تاثر تھا جو شکاگو کے آزمائشی مدرسہ کی صورت میں عملی طور پر جلوہ گر ہوا۔

ڈیوی کو دور حاضرہ کے مدارس حتیٰ کہ گلشن اطفال پر بھی ایک بنیادی اعتراض یہ ہے کہ یہ مدارس غیر معمولی تغیرات کا ساتھ نہ دے سکے جو صنعتی انقلاب کے باعث سوسائٹی میں پیدا ہوگئے۔ وہ اس حقیقت کو اپنی کتاب اسکول اینڈ سوسائٹی میں اس طرح ظاہر کرتے ہیں:۔

دست ورزی کے تمام کاروبار کا مرکز عموماً گھر ہی ہوتا تھا یا گھر کے اطراف میں تمام چیزیں بنتی تھیں۔ پہننے کے کپڑے زیادہ تر گھر ہی میں بنتے تھے۔ گھر کے لوگ بھیڑ کے بال کترتے۔ اون کو صاف کرتے۔ اور کاتتے۔ اور کارگہ میں پارچہ بافی کرتے۔ ایک بٹن دبا کر گھر کا کونہ کونہ بجلی کی روشنی سے منور کرنے کے بجائے روشنی حاصل کرنے کا پورا کام اس کے پیش نظر ہوتا تھا یعنی جانور کو ذبح کرنے اور چربی نکالنے سے لے کر بتیاں بنانے اور موم میں تر کرنے تک۔ ضرورت کی تمام چیزیں۔ لکڑی غلہ گھر بنانے کا سارا سامان۔ میز کرسی۔ فرش فروش حتیٰ کہ دھات کے تار کیلیں ہتھوڑے وغیرہ سب پڑوس ہی میں تیار ہوتے تھے اس کی روزمرہ زندگی تعلیمی اعتبار سے زیادہ مفید تھی۔ وہ گھر کے کام کاج میں حصہ لیتا تھا۔ اس لئے اس کے خصائل کی بلا ارادہ تعمیر ہو جاتی تھی۔"

لیکن صنعتی انقلاب نے ہماری موجودہ سماجی زندگی میں ایک اہتم بالشان انقلاب پیدا کر دیا ہے دور جدید کا بچہ جو اشیائے مصنوعہ کی دنیا میں رہتا ہے وہ یہ ٹھیک طور پر نہیں جانتا کہ یہ چیزیں کہاں بنتی ہیں اور کہاں سے آتی ہیں اس کو سلے سلائے کپڑے پہننے کو مل جاتے ہیں۔

مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ کپڑے کہاں اور کس طرح بُنے جاتے ہیں۔ صبح و شام اس کی میز پہ پکے پکائے کھانے چنے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن وہ اناج کی صورت بھی نہیں پہچانتا جس مکان میں وہ رہتا ہے۔ وہ گیس سے منور ہے۔ جو دیا سلائی دکھانے سے جل اٹھتی ہے یا بجلی سے بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ جو ایک گھنڈی دبانے سے روشن ہو جاتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ نصف صدی قبل کے بچے زیادہ خوش قسمت تھے کیوں کہ ان تمام چیزوں کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

لیکن یہ بالکل سچ ہے کہ اب تک اس صنعتی انقلاب کا لحاظ کسی بھی ملک کے مدارس کے تعلیمی ماحول میں نہیں رکھا گیا۔

ڈیوی کا کہنا ہے کہ صنعتی تعلیمی کا رجحان جو مدارس میں پایا جاتا ہے اس کی تعمیل بے دلی اور غیر مربوط طور پر ہوتی ہے۔ گویا دوکان کا کام دہندا۔ امور خانہ داری مثلاً سینا پرونا کھانا پکانا۔ یہ تمام باتیں یہ سمجھ بوجھ کر اور قصداً نہیں کی جاتیں کہ مدرسہ کا اولین فریضہ یہ ہے کہ اس عنصر کو پورا کرے جو قبل ازیں گھر پر پورا ہوتا تھا۔ گویا اب بھی قدیم کتابی مضامین درس و تدریس کے خاص موضوع ہیں اور کمرہ جماعت صرف لکچر دینے اور سننے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ طلبا کو اکتساب بالعمل کا موقعہ ملتا ہی نہیں۔ بچوں کی اجتماعی تعلیم پر زور دینے کا نتیجہ ہے کہ ان کی عقلی ایجاد ماؤف ہو جاتی ہے۔ اور سب سے بڑی یہ بات ہے بچہ کی اخلاقی یا معاشرتی تعلیم یعنی بچہ کو سماج کا رکن بننے اور اپنے فرائض زندگی انجام دینے کی صلاحیت موجودہ مدرسہ کے ماحول میں پیدا نہیں کرائی جاتی کیونکہ یہ چیز تو اسی وقت پیدا ہو جب کہ افراد کسی سوسائٹی کے مشترک مقصد اور ضرورتوں میں منظم طور پر اتحاد عمل کریں۔

موجودہ مدارس پر ان اصولی اعتراض کے بعد ڈیوی اپنے نظریات یوں پیش کرتے ہیں "مدرسہ عین زندگی ہے" یہ کہنا کہ "مدرسہ زندگی کی تمہید ہے" کچھ زیادہ قابل اعتنا نہیں۔ اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ مدرسہ اور سوسائٹی کو باہم شیر و شکر کر دیا جائے۔ گھر کی طرح مدرسہ بھی سچ مچ کی معاشرت ہو جہاں انہیں اس امر کا احساس ہو کہ ہر کام میں وہ برابر کے شریک ہیں۔ اور ان کی محنت و جانفشانی پر سب لوگوں کے کام کی کامیابی کا انحصار ہے ظاہر ہے کہ اس تخیل کے لئے نہ صرف موجودہ نفس مضامین ہی میں ردوبدل

لازم آئیگا ملکہ طرز تعلیم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

ڈیوی کا خیال ہے کہ ان نقائص کا ارتفاع متداولہ مضامین کے بجائے صنعتی مصروفیتوں کو فروغ دینے سے ہوسکیگا۔ کیونکہ کمرۂ جماعت میں خاص قسم کی ڈسک پر بیٹھ کر استاد کا سبق چپ چاپ بیٹھ کر سننے اور یاد کر لینے والے طلبار دنیا میں کوئی کام کرنے نکلیں تو ظاہر ہے کہ انہیں بڑی دشواری پیش آئیگی۔ ایسے طلبار سے ہم یہ امید نہیں کر سکتے کہ وہ صنعتی کاموں سے دلچسپی لیں گے اور نہ مزدوروں کے متعلق ان کے دل میں کوئی عزت قائم ہوسکتی ہے نہ وہ اپنے ہاتھوں سے کسی بیماری میں پھنسے ہوئے شہر کے باشندوں کو عالمگیر تباہی سے بچانے میں کوئی عملی امداد کر سکتے ہیں۔ نہ وہ بیوپاری دنیا کا کوئی عملی جزو بن سکتے ہیں۔ نہ وہ عملی سائنسدان ہی بنتے ہیں نہ ان میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر دنیا کے لئے سکون و قرار فراہم کرنے کی صلاحیت ہی مہیا ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ ان کا نصاب تعلیم روکھی پھیکی پابندی رسم کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ان کی تعلیم کا زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نصاب میں تعلیمی مضامین کی بھرمار رہی۔ لامحالہ ایسے تعلیم پائے ہوئے طلبار کو سوشل سروس سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوسکتا۔ جو تعلیم کا مقصد اعلیٰ ہے۔

الغرض۔ پروجکٹ متھڈ جان ڈیوی ہی کے ان ہی فلسفی خیالات کا کارنامہ اور موصوف کی مذکورۂ بالا اصلاحات کے عملی خاکہ کا آئینہ ہے جو مسٹر موصوف کے پیرو مسٹر کل پیٹرک اور دوسروں کا نشو و نما کردہ اور امریکی مدارس میں جاری کردہ ہے۔

پروجکٹ کی تعریف ڈاکٹر ریڈنار کی لوز نے پروجکٹ کی تشریح یوں کی ہے:۔ انگریزی میں پروجکٹ کے معنی اس ارتباط باہمی کے ہیں جو مرکزی مضمون اور مضامین کے درمیان پیدا کیا جا سکے جن کو کہ طالب علم سیکھتا ہے۔

پروجکٹ متھڈ کیا ہے اس طرح پروجکٹ متھڈ سے ایک خاص فلسفۂ تعلیم یا اصول مراد ہے جو بچہ کو ہر پہلو سے تربیت دینے کے اعلیٰ طریقوں سے واقفیت دلاتا ہے۔ اس اصول میں بچہ کو ہر بات میں مرکز بنایا جاتا ہے اور جملہ مشاغل کو اسکی

ذات سے منسوب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ طلبا ر کو خود کام کرنے سوچنے اور تجاویز اختیار کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ میں استاد بچہ کو بہت کم تبلاتا ہے۔ بچہ کے سامنے کوئی کام یا مسئلہ پیش کر دیا جاتا ہے۔ بچے اس کی تکمیل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ کام یا مسئلہ مرکزی مضمون کہلاتا ہے۔ اور اس مرکزی مضمون کو ان مضامین سے مربوط کیا جاتا ہے جن کو طالب علم سیکھتا ہے۔

پروجکٹ متھڈ کی تشریح کے لئے چند مثالیں اور طریق ارتباط

مناسب ہے کہ اوپر کے بیان کو چند مثالوں سے واضح کیا جائے
مثال نمبر (۱) فرض کیجیے کہ طلبا نے مرکزی مضمون "کان کنی" تجویز کیا ہے۔ اب اس کے چلانے کی صورت یہ ہوگی کہ معلم سب سے پہلے ان ضروری چیزوں کی فہرست تیار کرے گا جس سے کہ بچوں کو اس مضمون کی تعلیم کے دوران میں واقف ہونے کی ضرورت ہے کام کے دنوں کا بھی اندازہ کرے گا۔ بچوں کی امداد یا مناسب مقامات سے کان کنی کی متحرک یا غیر متحرک تصاویر حاصل کرے گا۔

سب سے پہلے عام حیثیت سے طلبا میں اس پر بحث مباحثہ ہوگا۔ اس کے بعد متعلقہ قصے پڑھنے ہوں گے۔ بچوں کو اشکال بتائی جائیں گی۔ وہ خرید کردہ ضروری اشیار کی مدد سے میز یا زمین پر کانیں قائم کریں گے۔ کارخانوں وغیرہ میں خرچ ہونے والے کوئلہ کا حساب لگایا جائے گا۔ اسی ضمن میں دیگر ممالک کے کان کنی کے واقعات کا تذکرہ کیا جائے گا اس طرح ایک ہی مضمون میں جغرافیہ تاریخ۔ حساب۔ خواندگی۔ نقشہ کشی دستی مشاغل کی عملی تعلیم کا ارتباط ہوگا۔

دوسری مثال

فرض کیجئے جماعت اول کے لڑکے مکان بنانے کی پروجکٹ پر عمل کریں اور وہ ۵ × ۴ × ۳ فٹ کا ہو۔ دوران تعمیر میں کمرے کی لمبائی چوڑائی۔ دیواروں کی موٹائی پیمائش کے لئے پیمانوں کا استعمال۔ اینٹوں کی تعداد گننے اور ان کے خرچ کا اندازہ لگانے سے حساب کی خاصی مشق ہوگی۔ گھر کے متعلق کہانیوں کے سلسلہ میں قصہ گوئی اور خواندگی کے اسباق مربوط ہوں گے۔ گھر کا

خاکہ کھینچنے ۔ گھر کے آرائشی برتن کے نمونے بنانے سے ڈرائنگ کی مشق ہوگی ۔ مکان کے دروازے کھڑکیوں سے حفظ صحت ۔ ہوا اور روشنی کے معلومات حاصل ہوں گے ۔ گھر کا آرائشی سامان تیار کرتے وقت دستکاری کی تعلیم ہوگی ۔

گو یہ منصوبہ دیر میں ختم ہوگا لیکن اس کے طلبا راتنے معلومات حاصل کر سکیں گے جتنے معمولی نصاب سے نہیں حاصل کر سکتے ۔

ایک اور کم خرچ مثال فرض کیجئے اسی جماعت اول کے طلبار نے عید کے موقع پر تحفہ بھیجنے کا منصوبہ تجویز کیا ۔ اس سلسلہ میں اشیار باندھنے کا طریقہ ۔ بکس کی تیاری گویا دستکاری کی تعلیم ۔ پتہ اور اسی سلسلہ میں خط لکھنے سے خط نویسی اور مضمون نگاری کی تعلیم نقشہ میں روانگی پارسل کے راستہ پر غور کرنے سے ندی پہاڑ ۔ ریلوے لائن کے نظر سے گذرنے سے جغرافیہ اور پارسل تولنے اور خرچہ ڈاک کے جوڑنے سے حساب کی تعلیم ہو جاتی ہے ۔ یہاں اس موقعہ پر یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ مضامین کے ساتھ مرکزی مضمون کو ممکنہ طریق سے مربوط کیا جائے اس میں خواہ مخواہ کی کھینچ تان سے پرہیز کیا جائے اور نہیں تو شائد طلبار کی دلچسپی باقی نہ رہے ۔

پروجیکٹ متھڈ کے چلانے کے متعلق چند عملی ہدایتیں اس کی ضرورت نہیں کہ اسکول ٹائم کا بہت سا وقت صرف ہی کر دیا جائے ۔ بلکہ بقول ڈاکٹر کلپیٹرک ہفتہ میں ایک پیریڈ آنا دآنا طریقہ پر کام کرنے کے لئے مخصوص کیا جائے تو مناسب ہے ۔ ابتدا میں پروجکٹس آسان ہوں ۔ جو چند گھنٹوں میں ختم ہوں ۔ بعض پروجکٹ کئی ہفتوں بلکہ شائد سال بھر چلیں گو یا یہ چیز ان کی دلچسپی اور زندگی سے اسی قدر گہرے تعلق پر منحصر ہوگی ۔ اور تعلیمی اعتبار سے بھی اسی قدر اہم اور ہمہ گیر ۔

پروجکٹ کا انتخاب طلبار خود کریں ۔ کیونکہ لڑکے جب پروجکٹ کو خود محسوس کریں اور خود ہی انتخاب کریں تو جتنا زیادہ وہ خود ہی محسوس کریں گے ۔ اتنی ہی اچھی طرح وہ ان کی تکمیل کی تدابیر سوچنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہوں گے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ طلبار کسی مخصوص جماعت کے ہوں ۔ یا سارے اسکول کے لڑکے بھی حصہ لے سکتے ہیں ۔ پروجکٹ

انتخاب کی صورت یہ ہوگی کہ مدرس ہر طالبعلم کو اپنا سوچا ہوا پروجکٹ پیش کرنے کا موقعہ دیگا لیکن اس موقعہ پر یہ چیز اچھی طرح یاد رہے کہ منصوبہ مقرر کرنے سے پہلے طلبار کی انفرادی اور اجتماعی دلچسپیوں کی اچھی طرح جانچ کرلی جائے اس جانچ کا معیار درجہ بندی کے جانچ کے معیار کی طرح نہ ہوگا۔ بلکہ طلبار کے سامنے مختلف قسم کے مہیجات پیش کرکے ان کے جوابی حرکات اور مخصوص رکاوٹوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے۔ اور جب موقعہ استاد اپنے اشارات سے طلبار کی رہبری کرے غرض طلبار کے پیش کردہ پروجکٹس تختہ سیاہ پر لکھے جائیں۔ پیش کنندہ طالبعلم اپنے پروجکٹ کی تائید میں دلائل پیش کرے۔ اور طریق تکمیل بھی سمجھائے۔ نیز جماعت کے فائدہ کو بھی واضح کرے۔ اس کے بعد ساری جماعت کو پروجکٹس پیش شدہ کے متعلق بحث کا موقع دیا جائے۔ شائد انتخاب منصوبہ ہی کے لئے کئی دن صرف ہو جائیں۔ اس طرح صرف دو یا تین عنوان باقی رہ جائیں۔ ان میں سے بھی کسی ایک پر جماعت متفقہ طور پر کسی نتیجہ پر پہنچے۔ مناسب یہی ہے کہ آخری انتخاب لڑکوں ہی کی طرف سے ہو۔ اس لئے کہ منصوبہ تمام جماعت یا گروپ کا مشترکہ ہونا چاہیئے۔ جملہ افراد اسے قبول کریں۔ تاکہ اس کی تکمیل کے لئے سب کی رفاقت اور اعانت حاصل ہو سکے۔

مدرس کو اس بات کا خیال ضروری ہے کہ وہ اس بات کا لالچ نہ کرے کہ اپنی امداد سے کام کو خوش وضع بنائے۔ کیونکہ پروجکٹ کا مقصد کوئی اچھا کام کرکے دکھانا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ طلبار زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں اور اپنی آئندہ زندگی کی ضرورت کو انجام دینے کی صلاحیت پیدا کریں۔ اسی ضمن میں مضامین نصاب کی تکمیل بھی ہو لے۔ ادھورے نتیجہ سے بھی حقیقی علم کی کافی مقدار حاصل ہو سکتی ہے۔ مثلاً یونائٹڈ مشن ہائی سکول کلکتہ میں جماعت ششم کی لڑکیوں کو مٹی کے برتنوں اور کھلونوں کے رنگنے کا شوق پیدا ہوا شروع میں تو انہوں نے ان اشیار کو رنگ سے لتھڑ ہی دیا لیکن جلدی ہی ان کے دلوں میں ڈزائن کے متعلق سوچنے کا خیال پیدا ہوا اپنسار دگرد خوبصورت ۔ یا کا انہوں نے مشاہدہ شروع کیا ایسا کرتے ہوئے انہوں نے بنگالی زبان کے حروف تہجی کی بناوٹوں سے خوبصورت طبع زاد زیبائشی نمونے تیار کئے۔ غرض پروجکٹ متعدد کا استاد طلبار کے بھدے نمونوں کے بارے میں پست ہمتی کا

باعث نہو بلکہ ان کی ہمتوں کو اکسائے اور یہی چیز ان کے لئے مزید حصول علم کا باعث ہوگی اس طرح پروجکٹ کے تعلیمی فوائد کو مدرس ہمیشہ اپنی نگاہ میں رکھے اور اس بات کا خیال رکھے کہ ہر ایک طریقۂ عمل سے انتہائی درجہ کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ نیز مدرس کی نظر بڑے سے بڑا تعلیمی فائدہ حاصل کرنے پر رہے۔ چنانچہ کسی ماڈل اسکول کی جماعت چہارم کے طلبا نے مٹی کے ماڈل بنائے تجویز ہوئی کہ انہیں پکایا جائے۔ غرض جب یہ پروجکٹ اپنے مختلف منازل کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا تو طلبا نے مٹی کی اور اشیا زیادہ تعداد میں تیار کرنے اور بڑی بھٹی کی ساخت پر غور کیا۔ استاد کی رہنمائی میں انھوں نے اس سوال پر غور کیا کہ آوے کے طریق عمل کے معلوم ہوجانے کے بعد اب بڑی بھٹی کی تیاری محض تضیع اوقات ہے۔ چنانچہ طلبا نے اس کو ترک کر دیا۔ بڑے پروجکٹس جو جماعت کو ایک میقات یا سال بھر مشغول رکھتے ہوں اور مدرسہ کی تمام تدریس کا مرکز بن جاتے ہوں وہی مدرس انھیں شروع کرے جنھیں کچھ تربیت حاصل ہوچکی ہو یا پروجکٹ متعدد کا تجربہ رکھتے ہوں چھوٹے پروجکٹس جو ایک دن یا ایک مہینہ میں ختم ہوجاتے ہیں۔ مدرسہ کے تمام کام کا مرکز نہیں بنائے جاسکتے ابتدا ایسے ہی چھوٹے پروجکٹس سے کی جائے ضرورت ہے کہ اسباق کے شروع ہونے سے پیشتر مدرس کو اپنی تدابیر خود کافی حد تک سوچنی چاہئیں طلبا کو کلیتہً آزادی دے کر خود کو صرف نگہبانی کے لئے مختص کر دینے میں ناکامی کا امکان ہے وہ کام کے آغاز کے پہلے یہ سوچے کہ اس کے طلبا کون کونسے کام کی خواہش رکھینگے۔ اگر طلبا اس کے سوچے ہوئے منصوبے سے ہٹ کر دوسرا منصوبہ سوچیں تو اسے طلبا کے منصوبہ کو تباہ نہ کرنا چاہئے طلبا کے نامناسب منصوبہ کی صورت میں اپنی مناسب رہنمائی سے وہ انہیں اس نتیجہ پر پہنچائے کہ ان کا اختیار کردہ راستہ غلط ہے۔

اپنے منصوبہ کو اپنے الفاظ میں قلمبند کرنا نہایت فائدہ مند ہوتا ہے۔ طلبا کو سکھایا جائے کہ اپنی پروجکٹ کی تجویز کو خاکہ کی صورت میں تیار کریں۔ تعمیری پروجکٹ میں مطلوبہ شے کی ڈرائنگ یا مقررہ پیمانہ کے مطابق خاکے تیار کئے جائیں۔

پروجکٹ کس طرح ختم ہوتا ہے۔ پروجکٹ کے ختم پر طلبا غور کریں کہ جس منصوبہ کو انہوں نے

مکمل کیا ہے۔ اس سے کیا سبق سیکھا ہے۔ نیز کورس سے متعلق اور زائد از کورس کونسی باتیں حاصل کیں۔ مدرس غور کرے کہ بحیثیت مجموعی جماعت پر اس پروجکٹ کا کیا اثر پڑا۔ نیز انفرادی طور پر اس کا کیا اثر مترتب ہوا۔

پروجکٹ کی کتاب طلبار اپنے ساتھ پروجکٹ کے لئے کتاب رکھیں جس میں پروجکٹ کی ترقی کے مختلف مدارج کا ذکر کریں۔ کتاب میں اچھی تصاویر درج کی جائیں۔ خاص امور کی تحقیق۔ پروجکٹ کے مختلف حصوں کے متعلق ضروری ہدایات وحالات درج ہوں۔

جماعت کا ریکارڈ اس کتاب کے علاوہ جماعت کی خاص کتاب میں پروجکٹ سے متعلقہ تصاویر چسپاں کی جائیں جو جماعت کا مستقل ریکارڈ یا یادداشت کا کام دے گی اس کتاب میں طلبار اپنی واقفیت کو یکجا کرکے پروجکٹ سے متعلقہ نئی عادات۔ متعلقہ حقیقتیں۔ تحقیقاتی نتائج۔ دستی کام کے ریکارڈ۔ اپنے کام کا خلاصہ۔ امر زیر غور کا خاکہ درج کریں۔ یہ کتاب اشاعت معلومات کے لئے لائبریری میں دیجاسکتی ہے۔

اسکول کی انجمن اختتام پر اسکول کی انجمن منعقد کی جائے۔ جماعت اس انجمن میں اپنے معلومات بیان کرے طلبار اس انجمن کا پروگرام بنائیں۔ طلبار اپنی پروجکٹ کی کتاب سے اپنی چیدہ چیدہ رپورٹیں سنائیں۔ متعلقہ چارٹس و تصاویر دکھائی جائیں۔ پروجکٹ سے متعلقہ کہانیاں سنائی جائیں۔ حاصل کردہ واقفیت کا خلاصہ بیان کیا جائے۔ یہ چیزیں دوسرے طلبار کے شوق کا باعث ہونگی۔

پروجکٹ کے چند فوائد

۱۔ اس طریقہ سے مطالعہ اصل زندگی سے مربوط ہوتا ہے۔

۲۔ طلبار کو انتخاب کرنے اور زبردست ارادے کرنے کا موقع ملتا ہے۔

۳۔ خود اعتمادی۔ خود اختیاری۔ اور اپنے فیصلے آپ کرنے کی تربیت ہوتی ہے۔

۴۔ موثر طریقے سے اکٹھے مل کر کام کرنا سیکھتے ہیں۔

۵۔ دور اندیشی اور استدلال کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

۶۔ اچھے شہری بننے اور ملک کی خدمت کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔
۷۔ کسی نئے کام میں پہل کرنے قصد کرنے اور ذمہ داری کا مادہ پیدا کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔
۸۔ مدرسہ کی زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس سے بچوں کو کبھی پھیکی نہ معلوم ہوگی
۹۔ الجھن کو درست کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔
۱۰۔ بہبودی خلق کے کاموں میں حصہ لینے کی عادت پیدا ہوگی۔
۱۱۔ کمزور اور غیر حاضر باش لڑکے۔ پابند بن کر خوشی سے کام کرکے تعلیم سے مستفید ہوتے ہیں
۱۲۔ مل کر کام کرنے سے تعمیر خصائل کے امکانات کافی حاصل ہونگے۔
۱۳۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی ایسے طالبعلم کے لئے کچھ اچنبھا نہیں رہتی۔
۱۴۔ گلشن اطفال کے بانی مسٹر فروبل کے طریقہ تعلیم میں ابتدائی تعلیم کی جھلک ہے اور میڈم میریا مانٹی سوری کا طریقہ تعلیم انفرادیت اور آزادی کا حامل ہے لیکن پروجکٹ میں اجتماعی اور انفرادی دونوں خوبیوں کا امتزاج ہے۔

چند اعتراض منصوبہ کے مخالفین کا سب سے اہم اعتراض یہ ہے کہ اس سے نصاب زیروزبر ہوجائیگا منصوبہ گروں کا یہ جواب ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ نصاب زیروزبر ہی ہوجائے۔ اگر ہو بھی تو چنداں مضایقہ نہیں۔ کیونکہ نصاب کی غیر موزونیت کو عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ نصاب کے جو حصے منصوبہ کے دائرہ میں نہیں آتے۔ وہ نامکمل رہ جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو دوسرے طریقہ سے مکمل کر لیا جائے۔

بعض دشواریاں اول اول تجویز کا خاکہ تیار کرنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے میں بڑی دشواریاں رونما ہوتی ہیں۔ لیکن یہ دشواریاں تجویز کا خاکہ بنانے اور ان پر عمل کرنے سے خودبخود بتدریج راستہ سے ہٹتی ہوئی نظر آئیں گی۔ استاد

مطلوبہ واقفیت کتابوں۔ رسالوں کے مطالعہ۔ یا کسی واقف کار شخص وغیرہ سے تبادلۂ خیالات کرکے یا کسی ماہر آدمی سے خط و کتابت کرکے حاصل کرے سب سے ضروری یہ کہ کسی ایسے مدرسہ کا معائنہ کرے جن میں اس نئے طریقہ پر عمل درآمد ہو۔

آخر میں منصوبات کی ایک مختصر فہرست نمونتہً درج ہے۔

فہرست منصوبات دکان کا کھیل۔ ٹپہ خانہ۔ مکان بنانا۔ مرغی کی پرورش۔ گھر کی خوراک گڑیا گھر۔ کسی دعوت کا انتظام۔ باغبانی۔ گنڈی پیٹ۔ بنک چلانا علی بابا یا کوئی تعلیمی ڈراما۔ دسہرہ یا عید الفطر۔ مدرسہ کا اخبار یا رسالہ جاری کرنا۔ کپاس گنّا۔ بکریوں کی اون۔ کھالیں۔ تیل کے بیج کا مطالعہ۔ ترکاری۔ دعوت نامہ کی ترتیب۔ جلد سازی۔ کاغذ تراشی۔ وغیرہ

کمرۂ جماعت میں ضبط اور مدرس کا کام[لہ]

از

جناب شمس الحسن صاحب زبیری صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ چیلی پورہ اورنگ آباد

سب سے پہلے ہمیں لفظ ضبط کی تفسیر کردینی ضروری ہے۔ عموماً اس کے معنی قابو میں لانا یا اطاعت و نظم کی ترتیب کرنا ہیں۔ اس کے اصطلاحی معنی ہیں "مدرسہ کے بچوں میں نظم قائم رکھنا اور ان کی اخلاقی و ذہنی تربیت کرنا"۔ ضبط کمرہ جماعت سے ہمارا مطلب وہ قابو ہے جسے مدرس طلبائے جماعت پر قائم رکھکر کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مفید کام انجام دے کرۂ جماعت میں ہر لمحہ استفادہ و اصلاح میں صرف ہو۔ جماعت میں مدرس حصول علم اور تجارت کا سرچشمہ ہونے سے سلسلۂ دین کی ایک زندہ مثال ہوتا ہے اور اسے بلا تصنع خود کو ہی ثابت بھی کرنا چاہئے۔

ضبط مدرس ایک مستقل مسئلہ ضبط ہے جس کا انحصار مندرجہ ذیل امور پر ہے:۔

۱۔ مدرس کی شخصیت

لہ۔ یہ مضمون بتاریخ ۲۹ مردی ۱۳۴۰ف کانفرنس انجمن اساتذہ ضلع اورنگ آباد میں پڑھا گیا۔

۲۔ مدرس کے اطوار و انداز۔

۳۔ مواد درسی کا انتخاب

تشریح (۱) مدرس کی شخصیت
شخصیت ایک فطری ودیعت ہے اور ہم اسے بہتر بنانے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے تاہم اچھی شخصیت کے کم کرنے والے عادات و اطوار کو روکنے کے لئے ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میرا اشارہ یہ ہے کہ بعض اوقات ہم میں ایسی بری عادتیں پڑ جاتی ہیں جو ہماری شخصیت کے اثرات کو زائل کر دینے والی ہوتی ہیں۔ اور ہم ان عادتوں کو ترک کرنے کی سعی کر سکتے ہیں۔

۲۔ مدرس کے اطوار و انداز
مدرس کو جوشیلا ہونا چاہیئے اس کو سبق پوری طرح تیار کرنا چاہیئے جب ہی اسے خود پر اعتماد ہوگا۔ اور بغیر خود اعتمادی کے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پوری تیاری کا مفہوم مواد جمع کرنا ہے۔ مدرس کا مضمون متعلقہ کا علم کتاب درسی میں دیے ہوئے مواد سے کہیں زیادہ ہونا چاہیئے۔ نوٹ لکھنا نہایت بُرا ہے۔ طلبار کو اس طرح تعلیم دینی چاہیئے کہ انھیں تعلیم حاصل کرنے میں حقیقی مسرت حاصل ہو اور تعلیم کا انسانی زندگی سے سچا ارتباط ہو۔

۳۔ مواد درسی کا انتخاب
اس کا مطلب یہ ہے کہ مدرس سبق کی ایسی ترتیب قائم کرے کہ طلبار کے سامنے مسلسل و منتظم پیش کیا جا سکے۔ انتخاب مواد میں طلبار کی صلاحیت و جبلت کا لحاظ رکھے

طلبار کی توجہ کس طرح حاصل کی جائے
مندرجہ ذیل اشارات کا مدرس کو با احتیاط لحاظ رکھنا ضروری ہے

۱۔ توجہ خود بخود حاصل ہو جاتی ہے اگر مدرس سبق میں دلچسپی پیدا کر دے

۲۔ وقت کا کلیتہً صحیح استعمال ہو اور جماعت کو مفید طریقہ پر مشغول رکھا جائے۔ ناموزوں و فضول سے احتراز کیا جائے۔

۳۔ مدرس کے انداز اور شخصی خصوصیات بھی جاذب توجہ ہوتی ہے۔

۴۔ خود اعتمادی کیسا اپنی شخصیت کا اثر
جماعت کو جو احکام دیے جائیں مناسب ہوں احکام کا بار بار دہرانا طلبار میں

عدم توجہی پیدا کرتا ہے اور ان کی اہمیت کھو دیتا ہے۔ احکام قطعی اور صاف لہجے میں ہونے چاہئیں۔

۵۔ تحکمانہ زبردستی نہیں ہونی چاہیئے دھمکیوں سے حتی الوسع گریز کیا جائے اور اگر ایک مرتبہ دھمکی دی گئی تو اس پر پورا عمل کیا جائے

۶۔ طلباء کے ساتھ ہمدردی اگر مدرس فطرۃً ہمدرد واقع ہوا ہے تو نہایت بہتر ورنہ اسے یہ سیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہمدردی کیسے کرنی چاہیئے (طلبا سے ضرورت سے زیادہ توقع رکھنا عبث ہے)

۷۔ آنکھ کا قابو۔ جماعت کے ضبط میں آنکھ کا قابو (EYE CONTROL) نہایت اہم ہے آنکھ کا قابو ضبط جماعت میں بہت اثر رکھتا ہے اس میں دو باتیں شامل ہیں اولاً طلبار کی آنکھوں سے ان کے ذہنی تاثرات کا صحیح مطلب سمجھنا ثانیاً مدرس کی آنکھوں کا صحیح استعمال مدرس کو طلبار کی آنکھوں سے مسلسل تعلق رکھنا ضروری ہے تاکہ طلبار کے اندرونی احساسات کا اندازہ لگا سکے۔ آنکھ کا صحیح استعمال بتا دے گا کہ طلبا سبق میں دلچسپی لے رہے ہیں یا نہیں۔ طلبار کی آنکھیں بتا دیں گی کہ آیا وہ سبق کی طرف حقیقتاً متوجہ ہیں یا محض بناوٹ ہے۔ اچانک دو ایک سوال کر لئے جائیں۔ جوابات سے توجہ و دلچسپی کا پتہ چل جائیگا۔

آنکھیں کس طرف ہیں؟ مدرس پر تختہ سیاہ پر یا کسی اور چیز پر؟ اگر بیشتر طلباء باہر کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ وہ متوجہ نہیں ہیں اور مدرس کو اپنا طرز فوراً بدل دینا چاہئے۔ طلبار کی آنکھیں صحیح چیز پر بھی جمی ہونی چاہئیں۔ مثلاً جب کہ مدرس کچھ بیان کر رہا ہے تو مدرس پر۔ تختہ سیاہ پر کام ہوتے وقت تختہ سیاہ پر کسی چیز کی تشریح ہوتے وقت اس شئے پر۔ وغیرہ

مدرس کی آنکھ کا صحیح استعمال مدرس کی آنکھیں کمرہ جماعت کے ہر گوشے پر رہنی چاہئیں تاکہ طلبار یہ محسوس کریں کہ مدرس اُن کے خیالات سے بالکلیہ واقف رہتا ہے۔ طلبار کی بے ضرر شرارتیں نظر انداز کر دینی چاہئیں۔ مدرس کی آنکھوں سے اس کی خواہش ظاہر ہونی چاہئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ الفاظ کی کفایت ہوگی۔ مثلاً کسی طالب علم کو آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کی اجازت دیجا سکتی ہے۔ سوال کرتے وقت مدرس کی آنکھ

کسی خاص طالب علم پر نہیں ہونی چاہئے۔ چونکہ ایسی صورت میں دوسرے طلبا بیکار رہیں گے اسی لئے سوال کرتے وقت اس کی نظر پوری جماعت پر ہونی چاہئے۔ اور کچھ وقفہ کے بعد کسی خاص طالب علم سے جواب دینے کی فرمائش کی جا سکتی ہے۔

مدرس کی آواز بعض مدرسین کی آواز قدرتاً دلکش اور موثر ہوتی ہے۔ جو لوگ ایسی آواز سے محروم ہیں انھیں اس کی تربیت کرنی چاہئے۔ اس سلسلہ میں مدرس کو حسب ذیل امور ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

۱۔ پھیپھڑوں کی ورزش ہر فرض شناس مدرس کو سانس لینے کا صحیح طریقہ معلوم ہونا چاہئے سانس ہمیشہ ناک کے ذریعہ لی جائے پھیپھڑوں کو پوری طرح سانس سے بھر لینے کے بعد آہستہ آہستہ سانس خارج کی جائے اس طرح مدرس بلا توقف سلسلہ کلام جاری رکھ سکتا ہے۔

۲۔ آلات صوت یعنی زبان، تالو، ہونٹ وغیرہ کی بھی مناسب ورزش ضروری ہے۔

۳۔ تلفظ کی مشق ح، ع، ص، ق وغیرہ حروف اور الفاظ کے مشکل حصوں کی اچھی طرح مشق کی جائے۔

۴۔ بلند آواز سے پڑھنے کی مشق بلند آواز سے پڑھنے کے اصول کا مطالعہ ہر مدرس کا فرض ہے پڑھائی مترنم، واضح اور رہدروانہ انداز سے ہو۔ آواز کو حسب ضرورت بلند و کم کیا جائے۔

تختہ سیاہ ضبط جماعت میں تختہ سیاہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے تختہ سیاہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک اسٹینڈ والا دوسرا دیواری ان کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں یعنی کسرمئی۔ گہرا سبز اور سیاہ سیاہ رنگ بہترین ہے۔

تختہ سیاہ کی جگہ تختہ سیاہ رکھنے کے لئے کمرۂ جماعت کے مختلف زاویوں سے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ کسی طرف سے اس پر تاریکی یا چمک تو نہیں رہتی مختلف قسم کے خط میں اس پر لکھ کر مختلف مقامات سے یہ بھی دیکھ لیا جائے۔ کہ تحریر ہر طرف سے نظر آتی

اس ضمن میں دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں اولاً تحریر واضح اور صاف ہو اور کمرہ میں ہر جگہ پڑھی جا سکے۔ دوسرے رفتار تحریر۔ تختہ سیاہ پر تیز لکھنے کی مشق ہونی چاہیئے تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

تختہ سیاہ پر کام شروع کرنے سے پہلے اس کا فیصلہ کر لیا جائے کہ مدرس کے لئے کونسی جگہ سب سے زیادہ مناسب ہوگی۔ تختہ سیاہ اور طلبار کے درمیان مدرس حائل نہ ہو۔ اس کا خیال رکھا جائے کہ تختہ سیاہ پر جو کچھ مدرس لکھ رہا ہے طلبار اس کو اپنی بیاضات میں نوٹ کرتے ہیں۔ بعض اوقات طلبار تختہ سیاہ کی تحریر کی نقل نہیں کرتے بلکہ محض یہ ظاہر کرتے ہیں کہ لکھ رہے ہیں۔ لہٰذا مدرس کو وقتاً فوقتاً دیکھ لینا چاہیئے کہ آیا طلبار لکھ بھی رہے یا نہیں تختہ سیاہ پر لکھتے وقت چاک کی آواز نہ ہونی چاہیئے۔

حفظ صحت: پہلے ہی معلوم کر لینا چاہیئے کہ کم نظر طلبار کون کونسے ہیں اور ان طلبار کے لئے آگے کی نشستیں مخصوص ہونی چاہئیں تختہ سیاہ کی تحریر کام کے ختم پر مٹا دینی چاہیئے یا یہ کام مانیٹر کے سپرد کر دیا جائے۔

تحریر تختہ سیاہ: تختہ سیاہ کی تحریر اور اس کی ترتیب طلبار کے لئے نمونہ ہونی چاہیئے۔ اس کی ترتیب موزوں اور منظم ہو۔ حاشیہ ہمیشہ چھوڑا جائے۔ جس کو خام عمل کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر حاشیہ نہ چھوڑا جائے۔ تب بھی تحریر صاف، خوشنما اور خوش اثر ہونی چاہیئے سطریں ہمیشہ سیدھی ہوں (اچھا مدرس ان باتوں کا ہمیشہ لحاظ رکھتا ہے)

تختہ سیاہ کی توضیحات: توضیحات تختہ سیاہ نہایت خوش نما ہونی ضروری ہیں۔ ان سے طلبار میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ جن اشیار کی تشریح کے لئے طویل جملوں کی ضرورت ہو۔ ان کی توضیح تختہ سیاہ پر کی جا سکتی ہے۔ فضول چیزیں ہرگز تختہ سیاہ پر نہ بنانی چاہئیں۔ بعض الفاظ کی تشریح کے لئے مدرس کا اداکارانہ عمل کافی ہوگا۔ تختہ سیاہ کی توضیح کے لئے صفائی۔ بے ساختگی اور سرعت ضروری ہے کہ وقت ضائع نہ ہو۔

باضابطہ اسکیم: اسے آغاز سبق سے قبل ہی تختہ سیاہ پر لکھ رکھنا چاہیئے اور پورے سبق کا انحصار اسی پر ہو۔ اسے ختم ساعت تک تختہ سیاہ پر رہنا ضروری ہے

چونکہ پورے سبق پر کر نظر ڈلنے میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ سبق اور طلبار کی عمر کے لحاظ سے اس میں فرق ہونا ضروری ہے۔ چھوٹی جماعتوں میں یہ پورے سبق کی تشریح کرے اور اونچی جماعتوں میں محض اشارات کافی ہوں گے۔ رنگین چاک کا استعمال اونچی جماعتوں کے مقابلے میں نیچی جماعتوں میں زیادہ ہونا چاہئے۔ رنگوں کا انتخاب نہایت اہم ہے جس شئے کی توضیح منظور ہے اس سے مماثلت ضروری ہے۔ گہرے سرخ، اودے، اور سبز رنگوں سے حتی الوسع احتراز کیا جائے۔ چونکہ تختہ سیاہ پر یہ کچھ اچھے نہ معلوم ہوں گے۔ اچھے رنگ زیادہ جاذب نظر ہوں گے۔ رنگ ایسے ہوں جو تختہ کی سیاہ زمین کے مناسب ہوں۔

سوالات موجودہ زمانہ کے مدرس کیلئے سوالات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ پورے سبق کی ترقی اور جماعت کے کام کا بالکلیہ انحصار انھیں پر ہوتا ہے۔ سوالات طلبار کی اوسط عمر اور سبق کی نوعیت پر منحصر ہوتے ہیں۔ سبق کی تیاری کے درجہ میں یہ نہایت اہم ہیں۔ مگر مدرسین ان کے پجاری نہ بن جائیں۔ درجہ استحضار میں بھی سوالات کو خاص اہمیت حاصل ہے بشرطیکہ سبق مدرس اور طلبار کے باہمی تعاون اور کوشش کا نتیجہ ہو۔ اس موقع پر مدرس کے سوالات یہ جانچنے میں مدد دیتے ہیں کہ آیا طلبار نے نفس مضمون کو سمجھا بھی ہے کہ نہیں؟ اس وقت طلبار کو ممکنہ تنوع بہم پہنچایا جائے اور تاثرات نتیجتاً اظہار کی شکل اختیار کریں۔

سوالات کے لئے دو ضروری شرائط ہیں جو پہلے ہی پورے ہو جائیں۔

(۱) مدرس کا نفس مضمون پر عبور

(۲) نفس مضمون سے طلبار کی واقفیت کا صحیح علم۔

سوال کرنے کے کے لئے مندرجۂ ذیل اشارات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں۔

(۱) سوال کم سے کم الفاظ کا حامل ہو۔

(۲) سوالات میں تنوع ہو۔

(۳) سوالات واضح، جامع اور سلیس الفاظ میں ہوں۔

(۴) سوالات مخصوص اور محدود ہوں مبہم نہ ہوں۔

(۵) سوالات طلبار کی اوسط قابلیت کے اعتبار سے مناسب ہوں۔

ہوشیاری اور احتیاط سے مرتب کئے ہوئے سوالات اچھی تدریس کی کنجی ہیں۔

سوال کرنے کا انداز

(۱) سوال صاف آواز میں ہو تاکہ سب طلبا سن سکیں۔
(۲) سوال کرنے میں پھرتی چاہیئے مگر ضرورت سے زیادہ تیزی نہ ہو۔
(۳) سوال مطمئن اور ہمدردانہ انداز سے کیا جائے۔ طلبا یہ محسوس کریں کہ اس سے سبق میں امداد مل رہی ہے اور یہ ان کے انکشافات میں معاون ہے۔ وہ یہ محسوس نہ کریں کہ پورے وقت زیر امتحان رہے۔

سوال کرنے کا طریقہ

سوال پوری جماعت سے کیا جائے۔ مدرس کی جگہ مرکزی ہو تاکہ سوال کرتے وقت وہ پوری جماعت کو دیکھ سکے۔ سوال کرتے وقت مدرس کو کسی ایک طالب علم یا جگہ پر نظر نہیں جانی چاہیئے بلکہ اس کی نظر پوری جماعت پر ہو۔ بجز خاص حالات کے جبکہ عدم توجہی دور کرنا مقصود ہو۔ سوالات پوری جماعت پر مساویانہ تقسیم ہوں۔ اور ضرورت سے زیادہ سوالات نہ کئے جائیں۔ جواب دینے میں بعض طلبا بے سمجھے بوجھے بولنے کے عادی ہوتے ہیں۔ طلبا، کی اس عادت کو سختی سے روکا جائے۔ طلبا جو کچھ جواب میں کہتے ہیں۔ اس سے یا تو ان کی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے یا وہ مدرس کو جانچتے ہیں۔ اس لئے مدرس کو سخت احتیاط لازم ہے۔ اگر نصف سے تین چوتھائی حصہ جواب نہ دے تو مدرس کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ سبق اطمینان بخش نہیں ہوا۔ جوابات حاصل کرنے میں مندرجہ ذیل اشارات ملحوظ رکھے جائیں (۱) تمام جوابات پوری جماعت سن سکے (اس پر اصرار کیا جائے)

(۲) جواب سوچنے کے لئے طلبا کو مہلت دی جائے۔
(۳) جوابات حتی الامکان سوالات کی وضع کے مطابق ہوں۔
(۴) جواب کے دوران میں طالب علم کو ٹوکا نہ جائے بلکہ اس کی مدد کی جائے۔
(۵) بلے جوابات کو دوسرے طلبا سے دہروالیا جائے۔ ممکن ہے وہ ساتھ نہ دے سکے ہوں۔

زبان

مدرس کو کمرۂ جماعت میں اپنی زبان پر کافی قابو رکھنا چاہیئے۔ اور جو الفاظ اس کی زبان سے ادا ہوں۔ ان میں بڑی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے کسی قسم کی

بھی بدزبانی یا ترش کلامی سخت اعتراض کے قابل ہے۔ کسی مدرس کو کمرہ جماعت میں ہرگز غصہ نہیں آنا چاہئے اور اسے اپنے جذبات اور زبان پر پورا قابو حاصل ہونا چاہئے

مندرجہ ذیل اشارات قابل لحاظ ہیں :-

(۱) **اصول کفایت** اپنے احکام زیادہ موثر بنانے اور وقت کی بچت کے لئے چند لفظی جملے منتخب کرنے چاہئیں۔ مثلاً کھڑے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ ہاتھ اونچے۔ ہاتھ نیچے وغیرہ۔

(۲) **مطلب کے لحاظ سے الفاظ کے مجموعہ کی ادائی** اس کا منشا یہ ہے کہ جملے کے الفاظ کو کئی کئی کرکے ادا کیا جائے کہ بیان میں اثر پیدا ہو اور مطلب سمجھنے میں طلبا کو سہولت۔ روز مرہ کی گفتگو میں بھی جب ایسے لوگوں سے خطاب کیا جائے۔ جن کا ذہن پوری طرح تربیت یافتہ نہیں ہے۔ یہ طریقہ مناسب ہوگا۔ ہر مجموعہ الفاظ کی ادائی کے بعد خفیف سا وقفہ ضروری ہے تاکہ مفہوم طلبا کے ذہن نشین ہوتا جائے۔

(۳) **انگریزی بولنا** انگریزی کی تعلیم کے وقت انگریزی آہستہ آہستہ بولی جائے اور اس کا لحاظ رکھا جائے کہ الفاظ ایک دوسرے میں گڈمڈ نہ ہو جائیں مناسب الفاظ پر زور دیا جائے اور (KEYWORD) خاص طور سے ملحوظ رہنے تشریح کرتے وقت مختلف مترادفات سے احتراز اور طویل جملے بولنے سے پرہیز کیا جائے۔ جوابات کے اعادہ سے زبانی انشا میں مدد ملے گی اور مدرس کو یہ بھی معلوم ہوتا رہے گا کہ طلبا اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔

یہ مضمون پوری طرح مشرح نہیں۔ بہت سی باتیں محض مدرس کی سمجھ بوجھ پر منحصر ہیں اور انھیں وہ فطری ذہانت سے سیکھتا ہے۔ ہر چیز کے لئے مسلمہ اصول نہیں پیش کئے جا سکتے

ختم سبق پر مدرس کو اپنے سے یہ سوال کرنے چاہئیں :-

۱۔ آیا جماعت نے کچھ حاصل کیا ؟

۲۔ آیا معلومات میں اضافہ ہوا ؟

۴۔ آیا جماعت نے ترقی کی؟

جماعت کے کام کو کامیاب بنانے کے لئے یہ چند اشارات ممد ثابت ہونگے۔

تیاری سبق کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مدرس نفس مضمون کی تیاری کرے۔ بلکہ طلبا کے نقطۂ نظر سے سبق کا تیار کرنا ضروری ہے طلبار کی مشکلات معلوم کر کے ان کا حل سوچنا چاہئے۔ طلبار کے صحیح جوابات کو اگر مدرس دہراتا جائے تو یہ قابل اعتراض ہے جوابات طلبار کو دہرانے چاہئیں نہ کہ مدرس کو۔ وہ مدرس جو طلبار سے خوب کام لیتا ہے اور خود کم بولتا ہے بہترین مدرس ہے۔

اس قسم کے الفاظ کا عادتاً استعمال کرنا جیسے کہ "سمجھ گئے؟ آیا خیال میں؟ مجھے یہ بتاؤ کہ ...... وغیرہ" محض وقت ضائع کرنا ہے۔

ابتدائی جماعتوں میں عبارت پڑھانے سے قبل مشکل الفاظ کے تلفظ کی مشق کرا لینی ضروری ہے تکرار کے طریقہ میں تنوع اور دلچسپی ملحوظ خاطر رہے۔ غیر ضروری اور طویل تشریحات سے گریز لازمی ہے طلبار کو چست و چالاک بنایا جائے مگر مدرس کو اپنی تیزی روکنے کی ضرورت ہے۔ مدرس اپنی توانائی ضائع نہ کرے بلکہ ایسے طریقے معلوم کرے۔ جن کی مدد سے بغیر اپنی توانائی ضائع کئے ہوئے وہ جماعت کو بسہولت قابو میں رکھ سکے۔

روداد سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ مستقر بلدہ

منعقدہ بتواریخ ۵ و ۶ بہمن ۱۳۴۸ف

مرتبہ مرزا ضیاء الدین بیگ صاحب بی اے (عثمانیہ) بی ٹی (علیگ)
ناظم مدارس و معتمد عمومی انجمن اساتذہ مستقر بلدہ

انجمن اساتذہ مستقر بلدہ کی گیارہویں سالانہ کانفرنس کے اجلاس بتواریخ ۵ و ۶ بہمن ۱۳۴۸ف بمقام مدرسہ فوقانیہ نامپلی بلدہ زیر صدارت عالیجناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن)، ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی منعقد ہوئے۔

کانفرنس کے ضمن میں تعلیمی نمائش بمقام میتھوڈسٹ بائز ہائی اسکول منعقد کی گئی تھی جس کا افتتاح بتاریخ ۴ بہمن ۱۳۴۸ف بوقت ۴½ ساعت شام عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات ملک سرکار عالی نے فرمایا۔ بوقت افتتاح عہدہ داران سررشتہ و اساتذہ کی تعداد کافی تھی۔ مدارس تحتانیہ و ثانویہ سے نمائش میں جو سامان وصول ہوا تھا وہ سلیقہ سے جمایا گیا تھا۔

بتاریخ مذکور بوقت ۱۱ ساعت شام بمقام آل سینٹس ہائی اسکول مسٹر ہوس انسپکٹر سٹی پولیس نے بعنوان "حفاظت جان" (Safety First) دلچسپ تقریر کی افسوس ہے کہ شرکاء کی تعداد کم تھی۔

مسٹر ہوس نے عنوان بالا کی صراحت فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم صرف اپنی جان کی حفاظت کا خیال رکھیں۔ بلکہ دوسروں کی جان کا بھی لحاظ رکھیں ممالک محروسہ ہندوستان یا دنیا کے کسی حصہ میں آئے دن راستوں پر جو حادثات پیش آتے ہیں ان میں سے زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کی حفاظت کا احساس نہ کرنے کے سبب سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اساتذہ کو خود معلوم کرنا چاہئے کہ (Safety First) کا کیا مفہوم ہے اس کے بعد طلباء کو اس سے واقف کرانا چاہئے تاکہ آئندہ وہ مفید شہری

ثابت ہوسکیں۔ اس کی تعلیم دینے کا بہترین مرکز مدرسہ ہے۔

اس کے بعد قابل مقرر نے موٹروں کے ہارن کے غلط استعمال اور ان کی روشنی کی تیزی اور ایک ہی روشنی رکھنے اور ہاتھ سے راستہ کا رخ بتا کر فوراً موٹر یا سائیکل کے موڑ دینے کے نتائج کا اظہار فرمایا۔

آخر میں جناب مولوی احمد حسین خاں صاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات نے مسٹر ہوس کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے حاضرین کی تعداد کی کمی کا ذکر فرمایا اور آئندہ مسٹر ہوس کی تقاریر کا انتظام کر کے کافی تعداد میں اساتذہ صاحبان کے مستفید ہونے کی توقع ظاہر فرمائی۔

کانفرنس کا اجلاس اوّل

بتاریخ ۵ بہمن ۴۶ف روز جمعہ بمقام مدرسہ فوقانیہ نامپلی ۹¼ بجے زیر صدارت عالی جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات ملک سرکاری کانفرنس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا جس میں عہدہ داران اور اساتذہ کافی تعداد میں شریک تھے۔

جناب مولوی احمد حسین خانصاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات مستقر بلدہ نے فرمایا کہ بعض حضرات کو یہ شکایت ہے کہ امسال انجمن مختصر پیمانہ پر ہو رہی ہے غالباً ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ انجمن ممالک محروسہ سرکار عالی قائم ہوئی ہے اور صوبہ جات کی انجمنیں اس سے ملحق ہو گئی ہیں۔ اس لحاظ سے اس کانفرنس میں خطبہ صدارت وغیرہ نہیں ہے نیز دیگر سررشتہ جات کے حضرات کو دعوت نہیں دی گئی۔ بلکہ زیادہ تر پروگرام میں عملی پہلو پیش نظر رکھا گیا ہے مثلاً انگریزی جغرافیہ اور سائنس وغیرہ کے نمونہ کے اسباق جن کی تعلیم مدارس میں اچھی طرح نہیں دی جاتی چند قرار دادیں ہیں نیز مفید تقاریر رکھی گئی ہیں جن کی ضرورت ہے۔ مشاعرہ کے متعلق فرمایا کہ یہ اس شرط پر رکھا گیا ہے کہ اس میں محض گل و بلبل پر خیال آرائی نہ ہو بلکہ نئی زمین ہو۔ اس کے بعد عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات سے استدعا فرمائی کہ افتتاحیہ تقریر فرمائیں۔

عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

تقریر صدر کانفرنس

خواتین و حضرات۔ گذشتہ چند ماہ سے مجھے آپ سے کئی دفعہ ملنے اور مختلف حیثیتوں سے آپ کے سامنے تقریریں کرنے کے مواقع ملے

اس وقت میری مشکل یہ ہے کہ کہوں تو کیا کہوں۔ میرے محدود معلومات کا ذخیرہ تقریباً ختم ہو چکا
اب اگر کبھی ہوئی باتیں دہراؤں تو آپ اکتا جائیں گے۔ جدید باتیں کہنے کو ملتی نہیں۔ اب
کانفرنس میں آتے ہوئے جو چند باتیں میرے ذہن میں آئیں میں نے انھیں نوٹ کر لیا ہے اور
وہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں۔ کانفرنس میں اصولی اور فنی مضامین پر مختلف حضرات
کی تقریریں ہوں گی۔ میں چند عام باتیں کہوں گا۔

خواتین و حضرات۔ ہر انسان کو چاہئے کہ کاروبار و مشاغل دینی و دنیوی کے
بعد تھوڑا وقت ایسا بھی نکالے جو غور و فکر میں صرف ہو۔ اس کی ضرورت سب سے زیادہ
معلمین کو ہے کیونکہ یہ طبقہ پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمیوں کا سمجھا جاتا ہے۔ اگر آپ تھوڑا سا
وقت غور و فکر میں صرف کریں تو آپ کے بہت سے مشکل مسائل حل ہو جائیں گے۔

آجکل زمانہ کے حالات مثلاً سماجی۔ اقتصادی وغیرہ میں تبدیلی ہو گئی ہے ہمارے
ملک میں پچیس سال قبل کے حالات اب نہیں رہے ان میں انقلاب عظیم واقع ہو گیا ہے۔
ہم کو غور کرنا چاہئے کہ یہ انقلاب ہمارے ملک کے لئے مفید ہے یا نہیں اگر غیر مفید ہے تو ہم اس کو
مفید بنانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کر سکتے ہیں۔ معلم کا صرف یہی کام نہیں ہے کہ مدرسہ میں
زیر تعلیم طلبا کو تعلیم دیدے اور امتحان میں کامیاب کرائے اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہر معلم
نوجوانوں کو اس طرح تعلیم دے کہ وہ آئندہ مفید شہری بن کر زندگی بسر کریں۔ قوم کی اصلاح کا جتنا
معلم ذمہ دار ہے دوسرا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان دنوں والدین کو بچوں کی تعلیم و تربیت میں کثرت
مشاغل و اسباب سے دخل دینے کے مواقع کم ملتے ہیں ایسی صورت میں معلم کی ذمہ داری بہت
بڑھ گئی ہے۔ اب اگر نوجوانوں میں خرابیاں پائی جائیں تو دنیا اس کا ذمہ دار معلم ہی کو
قرار دے گی۔

تعلیم کے سوائے معلم کا فرض یہ بھی ہے کہ طلبہ کی تربیت کا خیال بھی بدرجہ اتم رکھے
زمانہ سابقہ میں نوجوانوں کو سکھایا جاتا تھا کہ بزرگوں کا ادب کریں۔ نشست و برخاست۔
کھانے پینے کے آداب سکھائے جاتے تھے۔ حتی کہ ادنیٰ ملازمین میں بھی شائستگی پائی جاتی
تھی۔ اسی قسم کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مثلاً مجھے اب تک بھی اپنے استادوں سے ادب کرنے اور

ان کے پسماندوں سے ہمدردی کرنے کی عادت ہے۔ آج کل کے نوجوانوں کی ایسی حالت ہے کہ بقول شخصے کہ باپ کو باپ نہیں سمجھتے تو ہمسایہ کو چچا کیا سمجھینگے۔ آج کل کے طالب علم مدرسین کی عزت کرنی تو کجا انھیں سلام بھی کرنا عار سمجھتے ہیں۔ بدتہذیبی اور نالائقی کو مساوات اور آزادی سمجھنے لگے ہیں۔ جدید طریقۂ تعلیم کا یہ اصول کہ بچہ کو پوری آزادی دیدی جائے اس سے مجھے پورا اتفاق نہیں ہے اس طرح آزادی کے دینے سے بچپن میں شروع ہی سے خودرائی اور خودسری پیدا ہوتی ہے۔ جب میں اپنے بچپن کی تعلیم پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے یاد آتا ہے کہ میری ابتدائی زندگی کس سخت ڈسپلن کے تحت گذری کہ مجھے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرنے کے بہت کم مواقع مل سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج میرے نفس میں جو ضبط پیدا ہوا وہ آج کل کے نوجوانوں میں نظر نہیں آتا۔ پس آپ سے میری یہ درخواست ہے کہ آپ بھی جیسا کہ سوسائٹی کے دوسرے طبقہ کے لوگ ملک کے معاملات میں غور و فکر کرتے ہیں غور کریں اور ایسی معقول اور مناسب تدابیر اختیار کریں جس سے قوم کے نوجوانوں کی حالت درست ہو۔

آج کل جو ہیجان ہمارے ملک میں پھیلا ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ نہ تو معلمین کے اور نہ ہی متعلمین کے دل و دماغ سکون کی حالت میں ہیں۔ ایک عام پریشانی پھیلی ہوی ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی حالت میں جو تعلیم دیجارہی ہے وہ مفید ثابت ہوسکتی ہے؟ تعلیم کا تعلق نہ اچھے امکنہ سے ہے نہ عمدہ ساز و سامان سے ہے بلکہ پڑھنے اور پڑھانے والے کے شوق پر منحصر ہے۔ پرانے زمانے کی تعلیم ایسی تھی کہ گرو جنگلوں میں ندی کے کنارہ درخت کے نیچے بیٹھے ہوے اپنے چیلوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ کتابیں میسر نہ تھیں اور بلامعاوضہ تعلیم دیجاتی تھی۔ مدرس کو روپیہ کی طمع نہ تھی بلکہ پڑھانے کا شوق اور متعلمین کو علم حاصل کرنے کا اشتیاق تھا برخلاف اس کے ان دنوں مدارس میں ہر چیز مصنوعی ہے۔ مدرس کا ذہن تنخواہ کی جانب ہے اور متعلمین کو امتحان کامیاب کرنے کی فکر رہتی ہے۔ ملک میں مختلف قسم کے ہیجانات پھیلے ہوئے ہیں نہ معلمین مطمئن ہیں نہ طلبہ۔ جب تک کہ پڑھنے اور پڑھانے والے کو سکون اور اطمینان نہ ہو تعلیم خاطر خواہ

نہیں ہو سکتی۔ ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صحیح تعلیم وہی ہے جو انسان کو انسان بنائے اور اس میں نفس مطمئنہ پیدا کرے پس چاہئے کہ معلمین خود کو اس طوفان بے تمیزی سے اپنے آپ کو علٰحدہ کریں اور مثل جہلا کے اس میں نہ پڑجائیں۔ پس "انہیں" چاہئے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہوجائیں طلبہ سے ہمدردی رکھیں ان سے ذاتی تعلق پیدا کریں اور خود کو بجائے مشفق و مہربان باپ سمجھیں۔

دوسری چیز جو آپ کو کرنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نوجوانوں میں قومیت کا صحیح احساس پیدا کریں۔ دنیا میں قوموں کی تقسیم جغرافی حیثیت سے کی جاتی ہے لیکن بدقسمتی سے ہندوستان میں مذہب کے لحاظ سے ایسی تقسیم ہوتی ہے مثلاً انگلستان میں یہودی۔ انگریز اور مسلمان وغیرہ سب انگلش کہے جاتے ہیں اور ہمارے یہاں مذہب کے تعلق کے ساتھ مسلمان قوم ہندو قوم۔ پارسی قوم وغیرہ کے نام سے موسوم ہیں۔ نوجوانوں کو سمجھانا چاہئے کہ جغرافی لحاظ سے ہم سب ہندوستان کے رہنے والے ہندی ہیں۔ خواہ ہم کسی مذہب کے کیوں نہ ہوں۔ جب تک کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں قومیت کا خیال پیدا نہ ہو موجودہ سیاسی کشمکش رفع نہیں ہوسکتی۔

میری اس ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ تعلیم دینے کے سوائے طلبہ کی تربیت کی طرف بطور خاص متوجہ ہوں اور ان میں ایک قومیت کا خیال پیدا کریں اور ان کی توجہ سیاسیات سے زیادہ ملک کے سماجی اور اقتصادی حالات کی اصلاح کی جانب مبذول کرائیں۔ اگر ملک کی تعلیمی اقتصادی اور سماجی حالت درست ہوجائے تو یقیناً سیاسی حالت خود بخود حسب دلخواہ ہوجائے گی۔

اس کے بعد معتمد عمومی نے رپورٹ سنائی۔

جناب مولوی سالم بن سعید صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ایم ایڈ (لیڈز) لکچرار ٹریننگ کالج نے "عملی مصروفیات" پر انگریزی میں دلچسپ مضمون سنایا جس میں مختلف کاموں کو عملی طور پر بچوں سے لینے کی تجاویز پیش کی گئیں اور اس کے فوائد بیان کئے گئے اس کے بعد حسب ذیل قراردادوں پر مباحثہ ہوا جو بہ غلبہ آرا منظور ہوئیں۔

(۱) "اس کانفرنس کی رائے ہے کہ جن مقامات میں مدارس سرکاری کے طلبہ کے لئے طبی معائنہ کا انتظام کیا گیا ہے وہاں مدارس امدادی کے طلبار کے لئے بھی اس قسم کا انتظام کیا جانا مناسب ہے۔"

۲۔ اس کانفرنس کی رائے ہے کہ قواعد عطائی امداد پر بعد نظر ثانی اس طرح عمل ہونا مناسب ہے کہ مدارس کو ان کی کارگزاری کے لحاظ سے امداد مل سکے۔

اجلاس دوم ۲ ۱/۲ بجے کانفرنس کا دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ مدرسہ کے ہال میں زیر صدارت عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات وصدرنشین کانفرنس جو جلسہ منعقد ہوا اس میں مسٹر ڈنکرنارائن بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ مددگار مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ چنچل گوڑہ نے "نئی تعلیم" کی کمیٹی کی رپورٹ انگریزی میں سنائی جو منظور کی گئی۔

شامیانہ میں جناب مولوی سید مجتبیٰ حسین صاحب نقوی بی۔اے۔ایم۔ایڈ۔ (لیڈز) کی زیر صدارت جو جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں جناب مولوی غلام دستگیر صاحب بی اے بی۔ ٹی۔ نے اردو میں "نئی تعلیم" کی رپورٹ سنائی۔ اختتام رپورٹ پر جناب مولوی محمد رضا صاحب نے فرمایا کہ رپورٹ میں جن اصول طریقوں اور تجربوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ مغربی ممالک میں رائج ہیں ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے ماحول اور ضروریات ملک کے لحاظ سے نصاب مقرر کریں۔

جناب مولوی سید نورالحسن صاحب نے فرمایا کہ ممالک غیر کے تجربوں کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہم کس حد تک ان سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

جناب مولوی محمد سلطان صاحب نے فرمایا کہ رپورٹ بیش بہا معلومات سے پُر تھی۔ آخر میں جناب مولوی سید مجتبیٰ حسین صاحب نقوی صدر جلسہ نے فرمایا کہ متمدن ممالک میں تعلیم کے جو جدید طریقے رائج کئے گئے ہیں۔ ان کا خاکہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے رپورٹ کا مقصد یہ تھا کہ ہم حکومت سے استدعا کریں کہ ہمیں موقع دے جائیں کہ ہم اس خصوص میں تحریک کریں۔ چونکہ زمانہ کے انقلاب کے ساتھ ساتھ ملک اور قوم کا ماحول بھی بدلتا جاتا ہے اس لئے قدیم وجدید طریقہ تعلیم کو آپ حضرات کے سامنے واضح کیا گیا ہے جس کی غرض یہ ہے کہ آپ اپنے ماحول اور فضا کے

جو زمانہ کی تبدیلی کے لحاظ سے موزوں اور مناسب ہو۔
لحاظ سے ایسا طریقہ عمل اختیار فرمائیں
زیلی کمیٹیوں کے اجلاس ختم ہونے کے بعد جناب مولوی میر احمد علی خاں صاحب
SCHOOL (پر "طوز" کے مدرسہ نے کالج ٹریننگ لکچرار (لیڈز) ایڈ ۔ ایم ۔ اے ۔ ایم
اردو میں دلچسپ تقریر کی جس میں موصوف نے فرمایا کہ مدرسہ کے تصور کے (TONE
متعلق مختلف تحریکات پیش کی جاتی ہیں یہ تصور جگہ کی مناسبت اور حالات کے لحاظ سے
بدلتا رہے گا۔ مدرسہ کا تصور جو ہم اختیار کریں عملی ہو یعنے ہمارے حالات کے مطابق ہو
ہم یہ تصفیہ کریں کہ اس کی ضروریات کیا ہیں اور کس طرح پوری کیجا سکتی ہیں۔ مدرسہ کی ضروریات
(۳) حصوں پر تقسیم کی جاسکتی ہیں

۱۔ جن کا تعلق اخلاقی ہو۔

۲۔ جن کا تعلق ذہنی ہو۔

۳۔ جن کا تعلق جسمانی ہو۔

قدیم زمانہ میں اور اب بھی اخلاقی مقصد کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے محبت رواداری
اور ایمانداری کی بنیاد ہم مدرسہ میں ڈال سکتے ہیں۔ گو اولیائے طلبہ بھی اس کے ذمہ دار ہیں۔
اسی طرح جسمانی نشو ونما کے متعلق بھی ہم غور کریں۔ ذہنی نشو ونما کا مقصد طلبہ کو محض کتابی معلومات
بہم پہونچانا اور امتحان میں کامیاب کرانا نہ ہو بلکہ طلبہ کو نشو ونما کے اعلیٰ معیار پر پہنچایا جائے انگلستان
میں جماعت کے کتب خانے سے بچے کتب لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں مدرسین صرف اس گھنٹہ
میں نگرانی کرتے ہیں اور آخر میں مضمون سے متعلق سوالات کرتے ہیں ہم روایتی حدود سے
ایک حد تک بڑھ کر عملی پہلو اختیار کریں اور اشتراک عمل سے کام لیں۔ یعنی طلبہ و مدرسین
میں اس قسم کا سمجھوتا ہونا چاہئے جس سے طلبہ یہ نہ سمجھیں کہ مدرس محض اقتدار سے کام لے رہا
ہے بلکہ یہ کہ پیش کردہ امور ان کے لئے مفید ہیں نیز مدرسین میں آپس میں سمجھوتا ہونا چاہئے
یعنے تاریخ کے سبق میں جغرافیہ سے متعلق کوئی مسئلہ آئے تو مدرس اس کی وضاحت کرے
مدرسہ میں اچھی روایات کا قائم کرنا ضروری ہے تاکہ نئے طلبہ ان روایات پر عمل کر سکیں
اور اعتماد قائم ہو۔

(۸) بجے رات کو آل سینٹس ہائی اسکول میں زیر صدارت جناب مولوی

سعادۃ اللہ خانصاحب اول مددگار مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ دارالعلوم بلدہ مشاعرہ شروع ہوا جس میں "مناظر قدرت" پر شعرا نے کلام سنایا خصوصاً جناب مولوی سید علی محمد صاحب اجلال معتمد مشاعرہ کمیٹی اور جناب مولوی عبداللطیف صاحب اور جناب مولوی عبدالمجید صاحب اور جناب مولوی عبدالسلام صاحب ذکی کے کلام پر حاضرین نے بہت داد دی

اجلاس سوم تاریخ ۶ بہمن ۱۳۴۳ ف روزشنبہ ۹ تا ۱۲ ½ نمونہ کے اسباق ہوئے۔ جناب مولوی سید نورالحسن صاحب۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ڈپ ایڈ (گلاسگو) صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ دارالشفا نے طلبا طبقہ وسطانیہ کو انگریزی نظم (Casabianca) پڑھائی جناب مولوی عبدالستار صاحب سبحانی بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ نے طلبۂ وسطانیہ کو جغرافیہ میں بزبان اردو سبق دیا۔ اس کے بعد مسز جی گارڈ سپرنٹنڈنٹ میتھوڈسٹ بائز ہائی اسکول نے طبقہ تحتانیہ کو انگریزی میں نمونہ کا سبق دیا جس میں ڈائرکٹ میتھڈ اختیار کیا گیا۔ اور سبق کو موزوں سوالات اور ضروری آلات تعلیمی سے دلچسپ بنایا گیا۔ جناب مولوی غلام دستگیر صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی نے طبقہ تحتانیہ کو جغرافیہ پر سبق دیا۔

اس کے بعد جناب مولوی احمد حسین خان صاحب بی۔ اے۔ صدر مہتمم تعلیمات بلدہ نے جماعت نہم کے طلبہ کو انگریزی میں سبق دیا جس میں شاعر کیٹس (Keats) کی ایک مشکل نظم (ode to the Poets) نہایت موثر طریقہ سے پڑھائی گئی۔ سبق میں اساتذہ کی تعداد کافی تھی۔ جناب مولوی عبدالغفور رضا بی۔ اے۔ بی ٹی نے طلبۂ فوقانیہ کو بزبان اردو جغرافیہ پر نمونہ کا سبق دیا۔

آخر میں جناب مولوی آفتاب حسین صاحب۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ (علیگ) بی۔ ایس سی (لنڈن) انسپکٹر مدارس نے سائنس میں "پانی کی تحلیل اور طریقہائے آبرسانی" پر جماعت ہشتم کے طلبہ کو نمونہ کا سبق دیا۔ اکثر اسباق میں کافی تعداد میں اساتذہ وچند معلمات نے شرکت کی۔ اکثر اسباق کے اختتام پر حاضرین کو نکتہ چینی کرنے کا موقع دیا گیا۔ یقین ہے کہ نمونہ کے یہ اسباق دیگر اساتذہ کے لئے بڑی حد تک مفید ثابت ہوں گے۔

اجلاس آخر بروز شنبہ (۲) بجے کانفرنس کا آخری اجلاس شروع ہوا۔ مسٹر جی اے چندرورکر ایم۔ اے۔ نے حسب ذیل قرارداد پیش کی

اس کانفرنس کی رائے ہے کہ سررشتہ تعلیمات کے نان گزیٹیڈ ملازمین کے لڑکے اور لڑکیوں کی اجرت تعلیم معاف فرمائی جائے"۔

اس کی تائید جناب مولوی محمد سلطان صاحب نے فرمائی لیکن اس قرارداد میں چند ترمیمات پیش ہوئیں اور سرگرم مباحثہ ہوا آخر میں بعد ترمیم حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

اس کانفرنس کی رائے ہے کہ سررشتہ تعلیمات کے نان گزیٹیڈ عہدہ داران (برسرکار وظیفہ یاب وفوت شدہ) کے لڑکے اور لڑکیوں کی اجرت تعلیم بہ شمول اجرت تعلیم کلیہ وفیس شکرام از طالبات معاف فرمائی جائے"۔

اس کے بعد مسٹر اے ایس راؤ ایم۔اے۔بی۔ٹی کی تحریک اور مسٹر وی وی بار ڈیکر کی تائید کے بعد بغلبۂ آرا حسب ذیل قرارداد بغیر ترمیم منظور ہوئی۔

اس کانفرنس کی رائے ہے کہ تمام امدادی اور خانگی مدارس میں "پراویڈنٹ فنڈ" جاری کیا جائے۔

مسز نورالحسن صدر نمائش کمیٹی نے انگریزی میں ایک مختصر و دلچسپ رپورٹ نمائش کے متعلق سنائی۔ اس کے بعد عالی جناب صدر نشین صاحب جلسہ نے انعامات تقسیم فرمائے۔ اور "نئی تعلیم" کی کمیٹی کی رپورٹ کی منظوری کی رائے طلب کی بغلبۂ آرا یہ رپورٹ منظور ہوئی۔ آئندہ سال کے لئے مضمون" ابتدائی تعلیم" خصوصاً شہری مدارس کی حد تک کا اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد عالیجناب صدر نشین صاحب نے اختتامی تقریر میں فرمایا۔

اختتامی تقریر صدر کانفرنس مولوی سالم بن سعید صاحب کا پرچہ مختصر اور دلچسپ تھا جس کا اردو میں ترجمہ کرکے حیدرآباد ٹیچر میں شائع کرنا مناسب ہے۔

معائنہ طبی کے سلسلہ میں امدادی مدارس کے امکنہ و فرنیچر کی بحث بھی چھڑ گئی تھی بلدہ کی حد تک جہاں یہ سہولتیں ہیں منتظمین مدارس امدادی کو اس کی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔

معائنہ طبی کا جو طریقہ سرکاری مدارس میں رائج ہے وہ اطمینان بخش نہیں ہے۔

انسپکشن کارڈ اچھی حالت میں نہیں رکھے جاتے۔ خود مدرسین صاحبان اس بارہ میں دلچسپی لیں اور افسران سررشتہ کو توجہ دلائیں۔ معائنہ کنندہ کے بتائے ہوئے نقائص کو دور کرنے کی بعض والدین بوجہ جہالت یا ناداری کوشش نہیں کر سکتے ہمارے طلبا کے معالجہ کا انتظام منجانب سرکار نہیں ہے بعض بڑے مدارس میں یورپ کی طرح کلینکس (clinics) قائم کردئے جائیں تو مفید ثابت ہوں گے۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ معائنہ طبی کا طریقہ بند کردیا جائے بلکہ اس کو مفید بنایا جائے۔ جب سرکاری مدارس میں یہ طریقہ کماحقہٗ کامیاب ثابت نہیں ہوا ہے تو مدارس امدادی وخانگی میں اس کا انتظام قبل از وقت ہے۔ مدارس امدادی کو چاہئے کہ طلبہ کے خوراک کا پہلے انتظام کریں خصوصاً اضلاع میں تقریباً نصف بچے صبح کا کھانا کھا کر آتے ہیں اور پھر شام کو کھاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوراک کم ملتی ہے اور دماغی کام زیادہ ہوتا ہے جس سے جسمانی حالت خراب ہوتی ہے اس لئے مسئلہ خوراک ہمارے لئے اہم ہے۔ مدارس تحتانیہ میں بچوں کو دودھ دئے جانے کا مسئلہ زیر غور ہے۔ تغذیہ طلبہ کے متعلق بعد غور اگر مدارس ثانویہ کے صدر مدرسین صاحبان تجاویز پیش کریں تو باعث امتنان ہوگا۔ مدارس امدادی کو ان کی کارگزاری کے لحاظ سے امداد دینے کا مسئلہ سررشتہ کے زیر غور ہے جدید قواعد کے ضمن میں پراویڈنٹ فنڈ کا مسئلہ بھی آجاتا ہے۔ نیز مدارس کی فیس کا اسکیل بھی بنایا جارہا ہے۔

نئی تعلیم کی رپورٹ کسی قدر طولانی تھی۔ ہمارے حالات اور مالیہ کا خیال رکھتے ہوئے جو تجاویز قابل عمل ہوں بتائی جائیں۔

مولوی احمد علی خاں صاحب کی تقریر میں ایک چیز نہایت دلچسپ تھی یعنے مدارس میں روایات کا قائم کرنا۔ کسی مدرسہ میں روایات قائم ہوں تو نووارد طلبہ پر لازم ہوتا ہے کہ ان کو جاری رکھیں۔ مدارس امدادی میں دیکھا گیا کہ حسابات فرضی ہوتے ہیں صدر مدرسین کو چاہئے کہ اصل آمدنی وخروج وغیرہ بتائیں۔

آپ کی انجمن کے متعلق چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔ انجمن کے معتمد صاحب اور اراکین کو چاہئے کہ کم از کم ہر ماہ میں ایک عام تقریر کا انتظام کریں نیز کلب کو وسعت دیں اور

آئندہ سال کانفرنس میں پرچے و تقاریر کم رہیں۔ بلکہ سررشتہ کے موجودہ مسائل سے تعلق رکھنے والے مسائل پر مباحث ہوں (مثلاً فراہمی فرنیچر۔ تعمیر امکنہ۔ طلبہ کی خوراک وغیرہ) الغرض انجمن کو سال تمام اس طرح چلایا جائے کہ اس میں جمود پیدا نہ ہو بلکہ اس کی مصروفیتیں تمام سال جاری رہیں۔

آخر میں جناب مولوی احمد حسین خان صاحب بی۔ اے میر مجلس انجمن نے نام بنام ان تمام حضرات کا شکریہ ادا فرمایا جنہوں نے کانفرنس میں حصہ لیا تھا۔ نیز یہ فرمایا کہ آئندہ سال کانفرنس کو مزید دلچسپ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

آخر میں عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات ملک سرکار عالی کا شکریہ ادا فرمایا۔

عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات نے اعلحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کے لئے تہری چیرز (نعرہائے مسرت) تجویز فرمائے اور کانفرنس کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی۔

روداد سالانہ کانفرنس انجمن معلمات مستقر بلدہ

انجمن معلمات بلدہ کی پہلی سالانہ کانفرنس بوقت (۸ تا ۱۲) ساعت بتاریخ ۲۶ و ۲۷ آذر ۱۳۴۳ف زیرسرپرستی محترمہ عالیہ جنابہ لیڈی حیدری صاحبہ وزیرصدارت عالیجنابہ مس جے نندی صاحبہ بمقام مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ منعقد ہوئی۔ ایک کمسن طالبہ نے لیڈی حیدری صاحبہ کو پھولوں کے ہار کی بجائے اس کی قیمت ایک خوبصورت صندوقچہ میں رکھ کر پیش کی جس کو علیہ جنابہ نے دودھ اور چھانچ فنڈ سے معنون فرمایا اور اپنا گراں بہا تحفہ (صـہ) سکۂ عثمانیہ اس میں شریک فرماتے ہوئے سب کو نصیحت فرمائی کہ ہماری قوم کے صدہا بچے بھوکے ہیں اور غذا کی کمی کی وجہ کمزور ہیں۔ ہاروں کی رقم کا بہتر مصرف یہ ہے کہ اس سے مدرسہ کے نادار طالبات کو دودھ اور چھانچ بہم پہونچائی جائے محترمہ صاحبہ نے نصیحت آمیز تقریر سے کانفرنس کا

افتتاح فرمایا اور انجمن کو ہدایت فرمائی کہ سود مندی کو نمائش پر ترجیح دینا معلمات کا فرض اولین ہے۔

معتمد عموی مسز اکرم نے سال تمام کی رپورٹ پڑہی۔ خازن مسز رضا نے اپنی رپورٹ سنائی۔ اس کے بعد عالیجنابہ صدر انجمن مس بجے نندی صاحبہ نے خطبہ صدارت پڑھا تعلیم نسوان کی مشکلات پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے معلمات کو ان مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے ہدایت فرمائی۔ (بعد از اں) باقاعدگی کی اہمیت پر) عالیجنابہ پرنسپل صاحبہ محبوبیہ گرلز اسکول مس لیسل نے تقریر فرمائی اور اس بات کی اہمیت پر زور دیا کہ اگر معلمات اس پود کو باقاعدگی سکھاویں تو آئندہ نسلیں باقاعدہ ہوجائیں گی اور کئی خرابیاں جوکہ اب موجود ہیں دور ہوجائیں گی۔

اس کے بعد تعلیمی مظاہرے ہوئے۔ مختلف کروں میں مختلف معلمات اور بیویاں اپنی اپنی دستکاری کا مظاہرہ کر رہی تھیں مثلاً کہیں پر بید بافی ہو رہی تھی تو کہیں ٹاٹ سے قالین بنایا جار ہا تھا۔ اور کہیں تار کی ٹوکریاں اور مٹی کے برتن بنائے جارہے تھے تو کہیں کمربند بننا بتایا جار ہا تھا۔ حاضرین جس کام سے دلچسپی رکھتے تھے وہاں جاکر کام سیکھتے تھے۔

ان مظاہروں کے ختم پر صیغہ واری مباحثے اور نمونے کے اسباق کا انتظام تھا۔ حاضرین جن مضامین سے دلچسپی رکھتے تھے اس کمرے میں شریک ہوسکتے تھے۔ ہر کمرہ بھرا ہوا تھا یہ کافی ثبوت اس امر کا تھا کہ لوگ دلچسپی لے رہے تھے۔ بارہ بجے اس دن کا پروگرام ختم ہوگیا۔

۲۷ ۔ آذر کو ساڑھے آٹھ بجے صبح میقات عام میں مباحثوں اور نمونہ اسباق پر تبصرے پڑھے گئے۔ ساڑھے نو بجے مختلف کروں میں صیغہ واری مباحثہ اور نمونہ کے اسباق شروع ہوئے پہلے روز جس طرح ان کروں میں مجمع تھا آج بھی ویسا ہی رہا۔ (۱۱) بجے پرنسپل نارمل اسکول سکندرآباد مس کلف نے "تبدیلیاں اور ترقیاں" پر تقریر کی انھوں نے گذشتہ (۲۰) سال کی تبدیلیوں اور ترقیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم

نسوان نے بہت ترقی کی ہے اس کے بعد امرزہ مباحثوں اور صیغہ واری اسباق کی رپورٹ پڑھی گئی۔ مس والش صاحبہ نے تمام مہمانوں اور مسز جار نے تمام انجمن کے اراکین کا شکریہ ادا کیا۔ کانفرنس نہایت کامیاب رہی ایک قومی ترانہ جو کہ اختر جہاں طالبہ جماعت نہم مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ نے لکھا تھا مدرسہ کی گائیڈز نے پڑھا اور جلسہ برخواست ہوا۔

تقریر صدر کانفرنس

محترمہ لیڈی حیدری معزز خواتین اور عزیز معلماۃ۔

یہ امر ہمارے لئے بیحد باعث انبساط و مسرت ہے کہ اپنی خوش بختی سے ہم پہلی مرتبہ آج اس تاریخ جمع ہوئی ہیں جس کو ہمارے شاہ ذیجاہ کی تخت نشینی کی تقریب مسعود کا شرف حاصل ہے۔ اس موقع پر ہم اپنی وفاداری اور اطاعت کیشی کے سچے جذبات کا ناچیز ہدیہ مودبانہ پیش کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ آنے والی نسل کی تعلیم کی تمام تر ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہونے کے لحاظ سے ہم کو یاد رکھنا ہے کہ ہمکو اچھے شہری تیار کرنا ہے جو ملک اور مالک کی سچی خدمت انجام دیں۔

ہماری کمیٹی نے سید محمد حسین صاحب جعفری ناظم تعلیمات سے خواہش کی تھی کہ وہ اس کانفرنس کی صدارت فرمائیں لیکن موصوف کی رائے میں کانفرنس کا کام خالصاً عورتوں ہی کے ہاتھوں سرانجام پانا مناسب اور بہتر تھا اس لئے صدارت سے معذرت چاہتے ہوئے اپنی گہری دلچسپی کے اظہار میں ذیل کا پیام روانہ کیا ہے۔

"پچھلے سال مس صبیب نندی صدر مہتممہ کی کوشش اور سعی سے معلماۃ کی کانفرنس کی تشکیل عمل میں آئی جس کا افتتاح عالیجناب نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات و سیاسیات نے فرمایا تھا۔

" اب سال حال پہلی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس کا لیڈی حیدری جیسی علم دوست علم پرور اور محترم ہستی افتتاح فرما رہی ہیں۔ جنابہ ممدوحہ کی شخصیت دکن ہی پر کیا موقوف بلکہ پورے ہندوستان میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کو شروع ہی سے تعلیم نسوان سے جو گہری دلچسپی رہی ہے اظہر من الشمس ہے۔ آپ مجلس تعلیم ثانوی کی رکن اور شعبہ تعلیم نسوان کی صدر بھی ہیں۔ آپ کی سرپرستی کانفرنس کی آئندہ ترقیوں کی تازہ بشارت اور ضمانت ہے۔

پروگرام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کارکنان کانفرنس نے رزولیوشن وغیرہ سے قطع نظر کرکے عملی اور ٹھوس کام کی جانب قدم اٹھایا ہے۔ اس سے ان کے پرخلوص اقدام کا پتہ چلتا ہے، جو آئندہ سررشتہ کی فلاح و بہبود کا مضبوط پایہ ہے۔

کانفرنس چونکہ خواتین کے لئے مختص ہے اس لئے میں شرکت سے محروم ہوں۔ مگر میری دلی تمنائیں اور دعائیں کارکنان کانفرنس کے ساتھ ہیں کہ ان کی مساعی مشکور اور جدوجہد بار آور ہو۔"

آپ واقف ہیں کہ ہماری انجمن کی عمر صرف چند مہینوں کی ہے۔ لیکن یہ مختصر مدت بہت کارآمد رہی ہے اس انجمن کے قیام سے پہلے معلمات ایک دوسرے سے بالکل ناواقف تھیں۔ لیکن اب ہمارے چھ مرکزوں کے ارکان ایک دوسرے سے نہ صرف بخوبی واقف ہو چلے ہیں بلکہ ہر مرکز میں جو مشترک مشکلات ہیں، باہمی تبادلہ خیالات اور میل ملاپ سے ان کے حل بھی کرنے کی صورت نکل آئی ہے۔

بعض اوقات مرکزی کمیٹیاں قطعی طور پر فائدہ بخش ثابت ہوئی ہیں مثال کے طور پر آپ کو میں حسینی محلہ کی مرکزی کمیٹی کی روئداد سناتی ہوں اس مرکز کے مدارس میں حفظ صحت کے طریقوں کو ترقی دینے کے ضمن میں معلمات نے خرابیوں اور مشکلات کے ارتفاع پر غور کیا اور ایسی بہت سی باتیں معلوم کیں جن کو عمل میں لانا ضروری تھا اور ابھی ہم با اثر طریقہ پر اصلاحی کام کی تدبیروں پر غور ہی کر رہے تھے کہ مس لینل سے میری ملاقات ہوئی دوران گفتگو میں جب امدادی مدارس کی صفائی کی خراب حالت کا ذکر آیا تو مس لینل نے بڑی دلچسپی اور ہمدردی سے خواتین صحت کمیٹی کی خدمات پیش کیں اور آپ کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوگی کہ اصول حفظ صحت اور صفائی کے کام کو آسان اور کارگر طریقہ پر خواتین کی صحت کمیٹی نے چھوٹے امدادی مدارس میں جاری کر دیا ہے جس کے لئے انجمن دل سے ممنون ہے۔

اب میں آپ سے ان اہم ترقیوں کا ذکر کرنا چاہتی ہوں جو لڑکیوں کی تعلیم میں ہوئی ہیں۔ بڑی اہم اصلاح یہ ہوئی ہے کہ طبقہ وسطانیہ میں بھی لڑکیوں کی مادری زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مدارس میں پانچویں جماعت کی تعلیم شروع ہوگئی ہے

یہ بڑی اہم اور فائدہ کی صورت ہے اب لڑکیاں پہلے کے مقابلے میں زیادہ عرصہ تک مدر
میں اپنی مادری زبان میں بہتر اور مکمل تعلیم پائیں گی۔ اس اصلاح کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا
کہ ملکی زبانوں میں باآسانی بہتر خانگی مدرسہ قائم ہو سکیں گے اور تعلیم کی بہتری کے لحاظ سے
حصول امداد سرکاری کے استحقاق کی زیادہ صورتیں نکل آئیں گی۔ اور اس ہی مناسبت
سے تعلیم نسواں کے نتائج مفید ہمہ گیر اور دوررس ہوں گے سررشتہ تعلیمات کی یہ بھی کوشش
ہے کہ ملکی زبانوں کے مدرسوں کو زیادہ اہل اور بہتر بنایا جائے اور بجائے ایک زبان
کا ایک مدرسہ رکھنے کے حسب موقع دو تین زبانوں کا ایک مدرسہ قائم ہو یا موجودہ مدرسوں کو
ایک دوسرے میں ضم کر دیا جائے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ مختلف زبان کی لڑکیاں
ایک بڑے مدرسہ میں شریک ہو کر اپنی دوسری ہم وطن لڑکیوں سے زیادہ دوستی ربط
اور شناسائی پیدا کریں گی اس کے علاوہ مدرسہ کا انتظام بھی اچھی عمارتوں میں بہتر پیمانہ
پر ہو سکے گا۔

اس اصلاح سے معلمات پر لازم آتا ہے کہ وہ خود کو کارآمد بنانے کی پوری تیاری
کریں ضرورت ہے کہ ہر معلمہ اپنی مادری زبان کے علاوہ ایک دوسری زبان بھی جانے
مثلاً اردو جس کی مادری زبان ہو وہ بلحاظ مقام مدرسہ مرہٹی تلنگی اور کنڑی سے کوئی
ایک زبان سیکھے۔ اسی طرح جن کی مادری زبان مرہٹی تلنگی یا کنڑی ہو وہ اردو سیکھے کہ
اس سے معلمات اچھی طرح تعلیم دے سکیں گی اور ملازمت میں ترقی بھی کر سکیں گی۔ وجہ
ظاہر ہے کہ کسی مدرسہ میں گو ایک زبان کا جاننا کسی معلمہ کے فرائض ملازمت کے
لئے کافی ہو لیکن جبکہ مدرسہ کی دوسری زبان والیوں سے بول چال کی اجنبیت رہے
تو معلمہ کا اثر اور اس کی لیاقت کا فائدہ محدود ہو جائیگا پس آپ کوشش کریں کہ آپ
کوئی ایک ملکی زبان ضرور سیکھیں اور علمی خدمت کا حق ادا کریں۔ اور میری یہ استدعا
خاص طور پر ان معلمات سے ہے جو ابتدائی اور وسطانیہ طبقوں میں کام کرتی ہیں۔ یہ کام
آپ کے لئے مشکل نہ ہوگا اس لئے کہ آپ کا ایسی زبانوں کو سیکھنا جو آپ کے اردگرد
بولی جاتی ہیں نہایت آسان ہوگا اگر آپ میل جول بڑھا کر بات چیت کے مواقع

پیدا کریں تو بول چال پر قدرت پانے کے بعد نوشت و خواند میں مہارت کا حاصل کرنا کوئی دشوار نہ ہوگا۔

سال رواں میں ایک اور اہم مسلہ جو زیر غور رہا ہے وہ ثانوی تعلیم نسوان کے اصلاح نصاب کا ہے جس کی سفارشیں بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن کی ذیلی کمیٹی نے جس کی لائق صدر لیڈی حیدری ہیں پیش کردی ہیں۔ یقین ہے کہ کمیٹی کی سفارشات منظور ہونگی۔ مجوزہ نصاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ امتحانی مضامین کی تعداد بہت کم کر دی گئی ہے اور مضامین مثل امور خانہ داری نقاشی اور دیگر فنون لطیفہ کو شریک نصاب کیا گیا ہے ان تجاویز کا اثر معلمات کے عام رجحان کو بدل دے گا۔ اور ان کی ذمہ داری میں اضافہ کر دے گا۔ مجوزہ نصاب کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے معلماۃ کو امتحان کی خاطر صرف امتحانی مضامین کے لئے تیاری کرنا نہ ہوگا بلکہ ہر مضمون نصاب کو بلا لحاظ اس کے کہ اس کا امتحان لیا جائے کہ نہیں محنت اور دلچسپی کے ساتھ پڑھانا ہوگا تاکہ جن توقعات کے ساتھ نیا نصاب نافذ کیا جائے اس کے افادہ میں کسی قسم کی کمی نہ ہو۔ آئندہ معلماۃ کی کارگزاری کا اندازہ امتحانی نتائج سے نہیں بلکہ طالباۃ کے کام کی خوبی اور عام ترقی سے کیا جائیگا۔ مدارس کے لئے موزوں مکانوں کی فراہمی کا مسلہ خاص توجہ کا مستحق ہے۔ اچھے اور فرحت بخش مکانوں میں تعلیمی انتظام زیادہ کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ خوش مذاق اور ہمدرد اشخاص سے اس خصوص میں مدد لی جائے اور اس طرح بعض مدرسوں کو بہتر مکانوں میں منتقل کرنے کا انتظام بھی ہو رہا ہے۔ اچھے مکانوں کی فراہمی میں آپ معلماۃ کی دلچسپی بہت کارآمد ہو سکتی ہے۔ جو معلماۃ مدرسہ کو ایک خراب مکان سے اچھے مکان میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوں تو ایسی کارگزاری ان کے لئے باعث فخر و مسرت اور طالباۃ کے لئے باعث قدر ہوگی جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ فرحت بخش مکانوں کی تعلیم علمی زندگی بخشتی ہے مجھے ظاہر کرنے میں یہ خوشی ہوتی ہے کہ بعض امدادی مدارس بہتر مکانوں کے حاصل کرنے کا انتظام کر رہے ہیں اور بعض موجودہ مکانوں کو بہتر بنا رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایسے کئی مدارس ہیں جن کو بہتر مکانوں کی ضرورت ہے۔ مجھے زیادہ تر چھوٹے مدارس کی فکر ہے کہ وہ نہایت ناقص

مکانوں میں قائم ہیں کوشش کی جائے کہ ایک چھوٹے مدرسہ کے لئے بھی جو مکان لیا جائے اس میں کم سے کم دو دالان ہوں مکان روشن اور ہوا دار ہو صحن میں اور مکان میں سیل اور نمی نہ ہو مکان چھوٹا بھی ہو تو صحن میں ریت بچھا کر صاف رکھا جائے کہ گرد کم ہو۔ بیت الخلا کی صفائی کا خاص طور پر خیال رکھا جائے اور مکان میں پانی کو جمع نہ ہونے دیا جائے۔ آب نوشیدنی کی صفائی کا خاص انتظام اور خیال لازمی ہے سواریوں کے انتظام کو بہتر بنانے کی کوشش سررشتہ کی جانب سے کیجارہی ہے عہدہ داران ریلوے موزوں بسوں کی فراہمی کے مسئلہ پر ہمدردی سے غور کر رہے ہیں توقع ہے کہ وقت ضائع کرنے والی سست رفتار سواریوں کے عوض تیز رفتار ہوادار سواریاں مہیا ہو جائینگی۔

مدرسہ کو کمسن بچوں کے پیدل جانے کا سوال حیدرآباد میں بڑا معرض بحث رہا۔ اور مدرسہ کے ملازم کی نگرانی میں ان کے آنے جانے پر والدین اور اولیا کو سخت اعتراض رہا لیکن مناسب فہمائش اور حالات سے بہتر واقف ہونے کے بعد اب خیالات میں تبدیلی ہوتی جارہی ہے۔ چنانچہ یاقوت پورہ کے مدرسہ میں جہاں طالبات کی تعداد ایک سو بیس ہے (۸۵) طالبات مدرسہ کو پیدل آتی ہیں یہ کامیابی صدر معلمہ اور ان کے اسٹاف کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

ہم پر لازم ہے کہ جن کمسن بچوں کے والدین اور اولیا کو بچوں کے پیدل مدرسہ جانے پر اعتراض ہو۔ ان کی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سنیں ان کی تشفی کرنے میں پوری کوشش کریں اور انھیں یہ سمجھائیں کہ سواریوں کی محدود تعداد میں کمسن بچوں کی جگہ ان کی بڑی بہنوں کو اگر دیجائے تو تعلیم پانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا علاوہ ازیں ایک کمسن بچی کے لئے کھلی ہوا میں ملازم مدرسہ کی حفاظت میں اپنے پیروں پر چلنا زیادہ مفید ہے بمقابل ایک بند اور بھری ہوئی شکرام میں بیٹھکر زحمت اٹھانے کے۔

سررشتہ کی کوشش ہے کہ معلمات کے خاص حالات کے لحاظ سے ان کے لئے سالم ماہوار کے ساتھ ان کی مادری ضرورتوں کے موقع پر رخصت کے قواعد منظور کرائے ایسی معلمات جن کے شیرخوار بچے ہیں ان کی نگرانی کے لئے ضروری سہولت بہم پہونچانے کی

کوشش کی جارہی ہے۔ یہ انتظامات اپنے وقت پر پورے ہو رہیں گے۔ اس وقت تک معلماۃ کو چاہئے کہ مناسب طور پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں جہاں کہیں ممکن ہو دو چار معلماۃ مل کر شیرخوار بچوں کی سیوا کے واسطے ایک مشترک ملازمت کی خادمہ رکھ لیں۔ اپنی اور اپنے بچوں کی صحت کا خیال رکھیں اور آپس میں دوستانہ اور بہنوں کا سا عمل رکھیں۔ صدر معلمہ کی توجہ سے معلماۃ کی خانگی مشکلات کو حل کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہماری فرض شناس صدر معلماۃ اس فرض کے ادا کرنے میں کوئی کمی نہیں کریں گی۔

ایک اور بات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتی ہوں اور وہ تبادلہ ہے ہم نے تعلیمات کی ملازمت کو اختیار کرتے ہوئے ایک اخلاقی اور شریفانہ خدمت کو انتخاب کیا ہے بخلاف دوسری ملازمتوں کے ایک طور پر ہم نے عہد کیا ہے کہ ملک کی خدمت انجام دیں گے اس خیال کے لحاظ سے ملک کی خدمت بلدہ کی حدود میں محدود نہیں ہو سکتی اگر ضرورتاً کسی کا تبادلہ ضلع پر ہو تو اس میں رنج کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ زیادہ خوش ہونا چاہئے کہ ایک ایسے مقام پر کام کرنے کا موقع ملا ہے جہاں معلماۃ کی کمی اور ضرورت ہے۔ معلماۃ کا بلدہ میں تبادلہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہونا یا تبادلہ فسخ کرانے کے لئے ہر ممکن ذریعہ کو بے سود طریقہ پر کام میں لانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا معلماۃ کے شریفانہ مقصد زندگی کے مطابق حال نہیں ہوتا۔ تبادلہ کی ضرورتوں پر شخصی حالات کے لحاظ سے ہمدردی کے ساتھ غور کرنا ہمارا فرض ہے لیکن صبح سے شام تک دفتر میں اور پھر مکان میں تبادلوں کی سفارشوں کو سنتے رہنا ناممکن ہے۔ یقیناً آپ کی نظر میں ایسی مثالیں ہوں گی کہ سات سمندر پار سے تعلیمی خدمت انجام دینے کے لئے معلماۃ ہندوستان میں خوش دلی سے کام کرتی ہیں۔ میری درخواست ہے کہ تجربہ رکھنے والی معلماۃ اضلاع میں کام کرنے میں سبقت کریں تبادلہ ہو تو شکایت نہ کریں آخر اضلاع میں بھی معلماۃ کا تقرر لازمی ہے اگر تجربہ کار شادی شدہ عمر رکھنے والی معلماۃ کو اضلاع میں نہ بھیجا جائے تو کیا کوئی یہ رائے دیگا کہ کمسن کم تجربہ رکھنے والی نو ماموز معلماۃ کو اضلاع

تبادلے بھی مصلحت اور کام کی ضرورت سے ہوتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ
میں بھیجا جائے۔
معلماۃ اس خصوص میں میری مدد کریں گی آخر میں مجھے آپ سے یہ استدعا کرنی ہے کہ جو
پروگرام نمونہ اسباق کا مرتب کیا گیا ہے وہ بجید دلچسپ اور سبق آموز ہوگا میں ان معلماۃ کی بجید
ممنون ہوں جو ہماری انجمن کی رکن نہیں لیکن اپنی مہربانی سے نمونہ کا سبق دینے کے لئے تشریف
لائی ہیں مجھے یقین ہے کہ ان کی علمی دلچسپی ہمیشہ قائم رہے گی۔

میں کمال خوشی کے ساتھ ہمارے ہمدرد مخلص اور پرجوش ناظم تعلیمات کا شکریہ
ادا کرتی ہوں کہ جن کی دلچسپی سے تعلیم نسوان کی قابل قدر ترقی کے مسائل طے ہو رہے ہیں۔

آخر میں میں محترمہ لیڈی حیدری بالقابہا کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ ممدوحہ نے
اپنی مصروفیت کے باوجود اس کانفرنس کا افتتاح فرماکر ہماری حوصلہ افزائی کی حیدرآباد
میں نسوانی تعلیم موصوفہ کی ہمیشہ مرہون منت رہے گی۔ آپ کی نئی تحریک دودھ اور چھانچ
کی فراہمی کے لئے روپیہ جمع کرنے سے متعلق لائق تقلید ہے دعا ہے کہ آپ کی دلچسپیوں
سے تعلیم نسواں کی تحریک عرصہ دراز تک مستفید ہوتی رہے فقط۔

انجمن انسداد بے رحمی جانوران حیدرآباد دکن

از

مسز ادکرامنن معتمد اعزازی انجمن حیدرآباد

اصولاً رپورٹوں کا مطالعہ کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہوتا لیکن آجکل جب کہ جرائد دماغ کو مجروح کرنے والی خبریں ہم تک پہنچا رہے ہیں کہ ہسپانیہ میں خانہ جنگی کا بازار گرم ہے البانیہ میں یہودیوں پر مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ رنگون میں فرقہ وارانہ فساد برپا ہے اور مشرق بعید میں عورتوں اور بچوں پر بم گرائے جا رہے ہیں تو ہم رپورٹوں کی طرف ایک اطمینان کی سانس لے کر دیکھتے ہیں جن میں انسانیت کو امید افزا روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ "انجمن انسداد بے رحمی بر جانوران" ہندوستان میں ایک عرصہ سے قائم تھی لیکن اس کی رفتار ترقی تکلیف دہ حد تک آہستہ رہی۔ اس کو اپنی ۲۲ شاخوں پر فخر تھا۔ اب ہمیں اطلاع ملی ہے کہ سال زیر بحث میں گیارہ مزید شاخوں کا الحاق ہوا ہے۔ یقیناً حالات دل بڑھانے والے ہیں۔ کم از کم اب لوگوں نے دلچسپی لینی شروع کی ہے اور انہیں اس صورت کا احساس ہونے لگا ہے کہ انسانیت کے دائرہ کو وسیع کیا جائے اتنا کہ اس میں خدا کی حقیر ترین مخلوق بھی شامل ہو سکے۔

کیوں جانوروں کی فکر کیجائے

انجمن انسداد بے رحمی بر جانوران کی تائید میں پروپگنڈا کرنے والے کو اکثر یہ کہہ کر جھڑک دیا جاتا ہے کہ "جانوروں کی کیوں فکر کی جائے جب کہ انسانوں کے ساتھ تقریباً ہر جگہ ظلم کیا جاتا ہے" لیکن یہ سوال عموماً اس شخص کی زبان پر آتا ہے جس کا دل ہمدردی سے خالی ہوتا ہے خواہ وہ ہمدردی انسان سے متعلق ہو یا حیوان سے۔ کیونکہ وہ اس خیال کے صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچتا۔ وہ عورتیں یا مرد جو خیال کرتے ہیں کہ جانور بھی موزوں غذا آرام اور اچھے سلوک کے مستحق ہیں اور جو اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے خیال کو عمل کا جامہ پہنائیں وہ بے رحمی کو کسی شکل میں بھی برداشت نہیں کر سکتے

رجحان کا فرق تربیت پر منحصر ہوتا ہے کیونکہ کوئی بچہ مہذب پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس کی تعلیم وتربیت نہ ہو تو اس میں اور افریقہ کے وحشی میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا اس لئے کہ تعلیم کے اثرات نسل کے تعلقات سے زیادہ ہوتے ہیں وہ چھوٹا بچہ جس کو تتری کے پر اکھیڑنے یا کتے کے بھوکے پلوں کو پتھر مارنے سے روکا نہیں جاتا اپنے ہم جنسوں پر بھی ظلم و زیادتی کرنا سیکھ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جس بچہ کو یہ معلوم کرایا جاتا ہے کہ ہستی کو تکلیف پہنچانا ایک ذلیل حرکت ہے اور جو بچہ یہ محسوس کرتا ہے کہ مظلوم پر کیا گزرتی ہے وہ کبھی انسان یا جانور پر ظلم ہوتے دیکھ کر یہ نہیں کہے گا کہ مجھے اس کی کیوں فکر ہے"۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص اپنے ہمسایہ کیساتھ کتنا اچھا سلوک کرے گا۔ کچھ زیادہ دنوں کی بات نہیں ہے جب کہ میں ایک ایسے شہر میں تھی جہاں فرقہ وارانہ احساسات گہرے ہو گئے تھے اور انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اس شہر میں ایک احاطہ تھا جہاں گاؤں بھر کے نکمے ٹٹو اور گدھے جمع تھے وہ گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنسے ہوئے کھڑے تھے۔ نہ کھانے کے لئے چارہ تھا اور نہ پینے کے لئے صاف پانی۔ سائبان نہ ہونے کی وجہ دھوپ یا بارش سے بچاؤ کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ان میں سے بعض کو کئی دن کا فاقہ تھا اور ایک تو بھوک کی نذر ہو چکا تھا۔ کیا یہ ایک اتفاق تھا۔ ذہنیت جو مار کٹائی سے متاثر نہیں ہوتی تکلیف سے بھی متاثر نہیں ہوتی۔ ذہنیت میں کوئی فرق نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو مدارج کا۔ بلاشبہ انتہائی درجہ میں ابتدائی درجہ بھی شامل ہے۔

یہاں حیدرآباد میں یہ انجمن اپنا حلقہ اثر بڑھا رہی ہے

حیدرآباد میں انجمن انسداد بیرحمی جانوران اور لوگ اس ضرورت کا احساس کرنے لگے ہیں نہ صرف اس حد تک کہ جانوروں پر ناروا ظلم ہوتا ہے بلکہ لوگ ان پر ظلم کر کے اپنے آپ کو وحشی بنا رہے ہیں۔ حالانکہ اب بھی شہر کے راستوں پر ایسا منظر دکھائی دے گا کہ گاڑی بان زیادہ وزنی گاڑی میں جانور کو ہانک رہا ہے یا یہ کہ جانور بھوکا ہے یا زخمی ہے لیکن اس کا امکان پیدا ہو چکا ہے کہ اس کو فوراً ہی حکم دیا جائے یا مشورہ دیا جائے کہ انجمن انسداد بے رحمی بر جانوران کے شفاخانہ میں وہ اپنا جانور بغرض علاج رجوع کرے۔ بعض دفعہ بے رحمی کا جو مظاہرہ ہوتا ہے وہ بے حسی یا جہالت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس لئے کہ مالک کے ہاں وہی ایک جانور ہوتا ہے

اور مالک کی زندگی کا دارومدار اس آمدنی پر ہوتا ہے جو اس جانور کے ذریعہ ہوتی ہے۔ حیدرآباد کی انجمن امید کرتی ہے کہ جب اس کی اپنی مستقل عمارتیں تیار ہوجائیں گی تو وہ وہاں کچھ ایسے تندرست جانور رکھے گی جو متذکرہ بالا صورتوں میں غریب لوگوں کو اس وقت تک کے لئے مستعار دے جائیں گے جب تک کہ ان کے اپنے جانوروں کا علاج نہ ہوجائے۔ یہ تجویز بغیر روپیہ کے پوری نہیں ہوسکتی لیکن عوام کی امداد سے آسانی کے ساتھ روبہ عمل ہوسکتی ہے،

رائے عامہ سے اپیل

مچھر دان میں اگر مچھر داخل ہوجائے تو اس کی بھنبھناہٹ تکلیف دہ ضرور ہوتی ہے لیکن نیند کو بھی بھگا دیتی ہے۔ اسی طرح عوام کو بیدار رکھنے کے لئے انجمن انسداد بے رحمی بر جانوراں مچھر کی بھنبھناہٹ کا کام کرے تو اس کی ایذارسانی معاف کی جائے۔ قوانین۔ شفاخانے۔ نمائش جانوراں۔ نمایندے وغیرہ سب کے سب جانوروں کی بلاشبہ محافظت کرتے ہیں لیکن ان کے علاوہ رائے عامہ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ اگر بیدار رہے اور بے رحمی برداشت نہ کرے تو حقیقی معنوں میں نہ صرف جانوروں کی پشت و پناہ ہوسکتی ہے بلکہ انسانیت کی بھی فقط

افتتاحیہ

رپورٹ نظم و نسق سررشتہ تعلیمات

بابتہ ۱۳۴۶ف

۸ ۔ تیر ۱۳۴۶ف کو عالیجناب سید محمد حسین صاحب جعفری بی ۔ اے (آکسن) نے سررشتہ تعلیمات کی نظامت کا جائزہ حاصل فرمایا۔ حصول جائزہ کے بعد ہی یہ حقیقت سب پر کھل گئی کہ آپ سررشتہ کی تمام اندرونی و بیرونی حقیقتوں سے پوری طرح واقف اور حاوی ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نہایت خاموشی کے ساتھ اب تک سررشتہ کی جزوی وکلی حالات کا بہ نظر غائر مطالعہ فرماتے رہے۔

صاحب ممدوح نے ۱۳۴۶ف کے آخری ۵ مہینوں ہی میں ایسی بیداری اور ہم آہنگی پیدا کر دی جو اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی اور خود اس قدر شوق و انہماک اور بڑھتے ہوئے جوش کے ساتھ کام کیا کہ سررشتہ کو ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیا اور بیداری کی لہر ملک کے طول و عرض میں دوڑا دی۔

ماہ شہریور کے ابتدائی دو ہفتوں میں جملہ عہدہ داران تعلیمات کی ایک کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ کانفرنس کیا تھی ایک موثر دعوت عمل تھی جس نے تمام عہدہ داروں میں اشتیاق کارفرمائی کو ابھار دیا۔ بہت سے گراں قدر خیالات جو اب تک کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے اور عدم التفات کے باعث محروم عمل تھے۔ ان میں ایک

حرکت پیدا ہوئی۔ علاوہ بیداری اور ہم آہنگی کے سب سے بڑا فائدہ اس کانفرنس سے یہ حاصل ہوا کہ سررشتہ کی پالیسی متعین اور واضح کردی گئی اور اشتراک عمل کے جملہ وسائل سے کماحقہ استفادہ کیا گیا جو کسی اور طریقہ سے ممکن نہ تھا۔ یہ گویا سرچشمہ تھا سررشتہ کی آئندہ صلاح و فلاح کا۔

ایسے متعدد اہم مسائل جن پر فرداً فرداً بھی ہاتھ ڈالتے ہوئے پس و پیش ہوتا تھا اس مختصر زمانہ کانفرنس میں پیش ہوئے اور ان پر بحث و تمحیص ہوئی ان کے ذرائع بہم پہنچائے گئے اور ان کے لائحہ عمل کی تجاویز و تدابیر نکالی گئیں اور اب ان پر عمل بھی ہو رہا ہے۔

ایسے اہم مسائل جیسے کہ تشکیل بورڈ تعلیم ثانوی و نفاذ اسکیم جدید۔ ترویج شفٹ سسٹم (باری وار طریقہ تعلیم)، جبری تعلیم، تعین مشاہرات مدرسین، ترغیب تعلیم پیشہ ورانہ، توسیع تعلیم نسواں، تعلیم تربیت مدرسین، اشاعت تعلیم کنڈرگارٹن و پروجکٹ متھڈ، توسیع تعلیم بالغان و تنظیم مدارس ممالک محروسہ سرکار عالی وغیرہ کی نسبت نہایت غور و فکر کے ساتھ قطعی تصفیے ہوئے اور لائحہ عمل تجویز فرمایا گیا۔

یہی وہ قابل قدر دور عمل تھا جس نے محکمہ سرکار سے بھی تبصرہ رپورٹ میں حسب ذیل خراج تحسین حاصل کیا۔

"سررشتہ کی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ یہ رپورٹ سرکار کے قائمہ احکام کے تحت سال زیر رپورٹ کے عین مابعد شائع ہوئی ہے"

"جس سرگرمی اور دلچسپی کے ساتھ ناظم صاحب تعلیمات ان کے مددگاروں اور اسپیشل انسپکٹر صاحب نے سررشتہ کی سود و بہبود کے لئے کام کیا ہے اس پر سرکار مسرت کا اظہار کرتی ہے"

اور پھر شرح و بسط کے ساتھ ان امور کی نسبت بھی تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ جو سنہ ۱۳۴۶ف کے آخری ۵ ماہ میں ظہور پذیر ہوئے۔

ہم نہایت خلوص دل کے ساتھ جناب ممدوح کی اس نمایاں کامیابی پر ہدیہ تہنیت

وتبریک پیش کرتے ہیں اور بصمیم قلب متمنی ہیں کہ آپ کے مقاصد اور نصب العین کے حصول میں کامیابی ہو۔

انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی

عالیجناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن) نے نظامت تعلیمات کی خدمت پر فائز ہوتے ہی ایک ایسی انجمن کے قیام کی ضرورت محسوس فرمائی، جو ممالک محروسہ سرکار عالی کے لئے صدر انجمن کا کام دے؛ مدرسین کے تجارب علمی اور تحقیقات کی اشاعت کا ذریعہ ہو اور تمام انجمنہائے اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کو ایک ہی کڑی میں منسلک کر کے خوشگوار ہم آہنگی پیدا کردے۔ چنانچہ انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس کے بعد ہی انجمنہائے اساتذہ کی تنظیم کا دور شروع ہوا۔ صوبہ کی انجمنیں، انجمن ہذا سے ملحق کی گئیں اور ضلع کی انجمنوں کا الحاق صوبہ کی انجمنوں کے ساتھ عمل میں آیا۔ ضلع کی انجمن کی شاخیں مدارس وسطانیہ اور مدارس تحتانیہ پر قائم ہوئیں۔ اساتذہ کی کانفرنسیں جو فرداً فرداً منعقد ہوا کرتی تھیں، وہ متعلقہ انجمن اساتذہ کی جانب سے اور اس کی سرپرستی میں منعقد ہونے لگیں۔ سال میں ایک مرتبہ کانفرنس ضلع کا انعقاد، صوبہ کانفرنس سے پیشتر اور صوبہ کانفرنس کا انعقاد سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ سے پیشتر ہوا کرے گا۔ اور کانفرنس ضلع میں مدارس تحتانیہ و وسطانیہ کے نمائندے اور صوبہ کانفرنس میں مدارس فوقانیہ کی انجمنوں کے نمائندے التزام کے ساتھ شریک ہوا کریں گے۔ ہر انجمن کا سہ ماہی یا شش ماہی نظام العمل مرتب کر کے تعلیمی عنوانات پر ماہانہ بحث و مباحثہ اور اسباق نمونہ کا انتظام اور ان کی رپورٹوں کی پیشکشی کا اہتمام کیا گیا۔ محض کانفرنس منعقد کرلینا مطمح نظر نہ ہوگا بلکہ تعمیری لائحہ عمل مرتب کر کے سال بھر غور و خوض ہوگا اور آئندہ سالانہ کانفرنس میں اس کے نتائج پیش ہوا کریں گے۔ یوں تو پہلے بھی کرسمس کے ہفتہ میں تھوڑی بہت سرگرمی بعض اضلاع میں پائی جاتی تھی مگر یہ اسپورٹس اور ٹورنمنٹس کی حد تک محدود تھی۔ مگر اب ان کو انجمنہائے اساتذہ سے الگ کر کے جداگانہ حیثیت دی گئی ہے۔

اس طرح اب انجمنہائے اساتذہ کا جال ممالک محروسہ سرکار عالی کے طول و عرض میں بچھا ہوا ہے اور وہ منظم طریقہ پر نہایت باقاعدگی سے چل رہی ہیں۔

سال حال انجمن ہذا کی دوسری سالانہ کانفرنس زیر صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر بالقابہم صدر المہام تعلیمات و سیاسیات ۱۸ و ۱۹ بہمن ۱۳۴۳ف کو بمقام گلبرگہ منعقد ہونیوالی تھی۔ جو بوجہ شیوع پلیگ ملتوی ہوگئی۔ لہٰذا اب یہ طے پایا ہے کہ سالانہ کانفرنس بتواریخ ۱ و ۲ فروردی ۱۳۴۴ف بمقام سٹی کالج منعقد کی جائے۔

تنقید و تبصرہ

کمرۂ جماعت کی جمہوریہ اس کتاب کے عنوان کو دیکھ کر خیال فوراً افلاطون کے جمہوریہ کی طرف جاتا ہے۔ مگر اس کتاب کا تعلق نہ تو سیاست سے ہے نہ سوراج سے۔ بلکہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کمرہ ہائے جماعت میں حقیقی ضبط کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ اور بچوں میں ذمہ داری اور فرض شناسی کا احساس کس طریقہ سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ کمرہ جماعت میں ضبط قائم رکھنے کا مسئلہ بہت قدیم مسئلہ ہے اور یہ ان تعلیمی مسائل میں سے ہے جن کے حل کرنے کی بے شمار اور مسلسل جدوجہد ہوتی ہے مگر ان کی اہمیت جوں کی توں باقی رہ جاتی ہے۔ اس مسئلہ کا سب سے پرانا حل یہ تھا کہ طلبا کو ڈنڈے کے زور سے قابو میں رکھا جائے اور زبردستی ضروری معلومات رٹ لینے پر مجبور کیا جائے مگر دوسو برس ہونے کو آئے اس نظریہ کی دھجیاں روسو کی تیغ زبان کے آگے فضا میں اڑتی نظر آئیں۔ مگر دنیا نئے اور پرانے عقائد کے درمیان ڈگمگاتی رہی۔ جھکاؤ کبھی ایک طرف ہوا کبھی دوسری طرف۔ بیسویں صدی نے نئے نظریہ کا پلہ بھاری کر دیا۔ اب عام طور سے یہ نظریہ قائم ہوگیا کہ زبردستی ضبط قائم رکھنے کی کوشش بے سود اور عبث ہے۔ اگر خارجی ذرائع سے ضبط قائم کرنے میں کامیابی ہو جائے تو بھی اطمینان کی سانس نہیں لی جاسکتی۔ اس قسم کا ضبط سمندر کے اس ابلہ فریب سکوت کے مانند ہوتا ہے جو سطح پر چھا جاتا ہے حالانکہ پانی کی گہرائیوں میں

مدّار دھارے طوفانِ محشر برپا کیئے رہتے ہیں اور کسی نہ کسی وقت تلاطم سے مطمئن جہازیوں کو اپنی خام خیالی پر کفِ افسوس ملنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح دباؤ اور جبر سے بچوں کو قاعدہ قانون کی پابندی پر مجبور کیا جاسکتا۔ اور خاطرخواہ کام کرنے کے لئے دبایا جاسکتا ہے مگر ان کو قوانین کی سودمندی اور کام کی ضرورت محسوس کرنے پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں ایک اور قسم کا ضبط ہوتا ہے جس کے بچے آپ سے آپ پابند ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ اسے وہ اپنے لئے مفید سمجھتے ہیں جس کے بنانے میں ان کا اپنا ہاتھ ہوتا ہے، اور خلاف ورزی کی صورت میں انھیں نہ صرف اذیت ہوتی ہے بلکہ خفت بھی ...... یہ ضبط خود ساختہ ہوتا ہے دوسروں کا سر منڈھا ہوا نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا رقانون پسند، خود دار اور خصائل حسنہ کے حامل ہوجاتے ہیں اور ملک وقوم کے سچے رہنما اور خادم بنتے ہیں۔

اس آخری قسم کے ضبط کے قائم کرنے کے طریقوں کو اور اس سے جو فائدے مترشح ہوتے ہیں انکی اس عالمانہ تصنیف میں نہایت واضح مدلل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے مصنف مسٹر کریڈک انگلستان کے ڈے سکنڈری اسکول کے کہنہ مشق اور ذی حوصلہ مدرس ہیں جنہوں نے صدر مدرس اور سرکار کی مخالفت کے باوجود یہ تجربہ کرکے دنیا کو دکھا دیا کہ عقائد دیرینہ کے بت بہت پرانے ہوگئے ہیں اور ان کی جگہ نئے معابد کی عمارت کھڑی کرنی چاہئے۔ نہ صرف انہیں کُلّی کامیابی ہوئی بلکہ جو اساتذہ ان کے آزمائشی طریقہ کے خلاف تھے انھوں نے بھی تسلیم کرلیا کہ ان کے طلبا کی اخلاقی اور تعلیمی حالت اوروں کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہے۔

اس نایاب کتاب کا اردو ترجمہ مولوی فخرالحسن صاحب فابی۔ اے بی ٹی لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ نے نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں کیا ہے اور مدارس و مدرسین کے نفع کے خیال سے ایک مفید دیباچہ کا اضافہ کیا ہے جس میں سرسری طور سے اس اہم تجربہ کا ذکر کیا گیا ہے جو مترجم نے جناب مولوی سید علی اکبر صاحب ایم اے کنٹب) اسپشل انسپکٹنگ آفیسر و معتمد تعلیم ثانوی کے روشن عہد صدر مہتممی بلدہ کے دوران میں حیدرآباد کے ایک مدرسہ میں کیا تھا۔ یہ دیباچہ ہندوستانی مدرسین کے لئے خاص طور سے فکر انگیز ثابت ہوگا ہمیں توقع ہے کہ اس مفید کتاب کے مطالعہ سے مدارس کی فضا میں بحد خوشگواری اور کارکردگی پیدا ہوجائیگی کتاب ڈیمی سائز کے عمدہ کاغذ پر ۲۲۳ صفحوں میں چھپی ہے کتابت و طباعت اعلیٰ ہے قیمت (لعہ) غیر مجلد (عہ) مجلد۔ دفتر العلم حیدرآباد دکن سے حاصل ہوسکتی ہے۔

Ourselves

Owing to his transfer to the State Broadcasting Department, Mr. Mehboob Ali Tehir, M. A., M. Ed. (Leeds), is no longer able to serve on our editorial staff. We take this opportunity of expressing our appreciation of the valuable services which he rendered to this journal as an Honorary Assistant Editor for over a year.

Review

"National Education"

Issued by the U. P. Secondary Association, Lucknow.

The U. P. Secondary Education Association is to be congratulated on bringing out a special number of "Education" entitled "National Education". It contains valuable articles by eminent Indian educationists on different aspects of national education, including Women's Education, Adult Education, the Wardha Scheme, the Vidya Mandir Scheme, Physical Education and the Bratachari Movement. Every one interested in Indian education should read "National Education". Copies may be obtained from the Education Office, Shri Vaikunth Sunderbagh, Lucknow, at the surprisingly low price of Re. 1/- each.

Discipline Among Students.

It is unfortunate that while, on the one hand, efforts are being made all over India to reform the educational system, on the other hand, the tendency towards indiscipline among our students is increasing. Strikes for trivial reasons have become the order of the day, and the contagion seems to be spreading steadily throughout India. In one or two instances they have even been attended with an exhibition of violence, compelling a temporary closing down of the educational institutions affected thereby. This is a serious state of affairs, and it is necessary that an end should be put to it speedily not only in the interests of the students and the institutions to which they belong, but in the interests of the country at large, for without discipline no progress is possible. Until recently the educational institutions in our State were happily free from unhealthy activities tending to disturb their peace. But, unfortunately, the happenings in other parts of India have had their repercussions upon some of our students and betrayed them into taking an unwise and hasty step which, we sincerely hope, they will retrace ere long.

In view of the external influences to which our students are undoubtedly exposed to-day, the efforts of the educational authorities alone are not sufficient to secure discipline in our schools and colleges. We trust that realising that acts of indiscipline on the part of the students do even more harm to them than to the schools and colleges concerned, parents, guardians and the leaders of the pubic will co-operate with the educational authorities in re-establishing that harmonious relationship between the teachers and the taught which, though temporarily interrupted now, has long been the happy and distinguishing feature of all our educational institutions. The students must be made to realise that once the opportunity they have as students is lost, it is lost for ever.

woefully inadequate, and it is for this reason that the percentage of boys and girls at school to the total school-going population appears lower than it actually is. In her Presidential Address at the Hyderabad State Women's Conference, extracts from which appear elsewhere, Princess Niloufer justly remarked:—

> "The strides made by the State, through its various educational institutions, in the spread of literacy and of education, both higher and secondary, appear relatively small on account of the comparatively meagre provision for education obtaining in those areas, forming nearly a third of the Dominions, which are held under a variety of grants. It is implicit in the trust under which they are held that its obligations, written and unwritten, should be fulfilled, and there is no reason to doubt that the sense of duty of the great class to which I here refer will lead it to fulfil in an increasing measure the obligations which it owes to its Sovereign and to the people committed to its trust."

Girls' education continues to be backward in the State. There are a number of questions connected with Girls' education which cannot be solved without the co-operation of women. We therefore welcome the appointment of a Girls' Education Committee with Lady Hydari as its President as well as the decision of Government to appoint three Inspectresses.

Though Mr. Syed Mohamed Husain Jaferi was in charge of the Department only during the last five months of the year, yet so great was his enthusiasm for his work that within this short period he was able to introduce a number of measures for improving the efficiency of the Department. A perusal of his report fills one with hope for the future of education in the State. We wish him success in all his endeavours.

Editorial Notes

Educational Progress in Hyderabad

We have published elsewhere extracts from the Report on Public Instruction in the Dominions for the year 1346 F (1936-37) and from the Government Review thereon. The year 1936-37 witnessed several important changes, notably the establishment of the Board of Secondary Education, the creation of a separate Department of Technical Education, the introduction of the Shift System in village Primary Schools and the adoption of a policy of expansion of Primary Education by the new Director of Public Instruction, Mr. Syed Mohamed Husain Jaferi. The main features of the new scheme for the reorganisation of Secondary Education are mentioned in the Government Review. The scheme will be put into operation gradually, and when it is fully enforced, it will not only provide, at suitable stages of instruction, different types of vocational courses for pupils with a practical turn of mind, but it will also help to raise the standard of general education. As regards Primary Education, Government have rightly pointed out that the percentage of pupils actually under instruction to the total school-going population is too low to be satisfactory. There is no doubt that the most pressing educational problem in the State, as in other parts of India, is the removal of illiteracy. The Department has already launched a scheme for the expansion of Primary Education, and the question of making Primary Education compulsory in selected areas is also under consideration. But even if the Department were given the necessary funds for carrying on a Dominion-wide campaign against illiteracy, its efforts alone in this direction will not be sufficient, for there are extensive areas covered by Paighas, Jagirs and Samasthans which are outside its jurisdiction. The educational facilities provided in these areas are

maintain proper order, the teachers under them are very severely hampered in their fight for order.

Naturally all heads of schools must demand of themselves as high, in fact even higher, standards of order, tidiness and punctuality, than they expect of others. So until we have begun to establish our standards among our teachers and children, all of us, who are heads of schools, must expect no rest.

Now these are all very homely things. I know I have said nothing new this morning but, as I have already said, I do believe that this apparently simple subject is of vital importance. I do believe that we can do service not only to our schools, where ordered work will mean a higher level of academic achievement, and to our children individually, to whom a sense of the value of order will mean happier and more satisfactory lives, but also to our Hyderabad. Recent Medical Inspections have shown that the health of Hyderabad children is not satisfactory and the cause is in many cases lack of sleep and irregular as well as unsuitable feeding. The children you are training to-day to live well regulated lives in school, may, let us hope, in twenty years' time be putting your ideals into practice in well regulated homes and so they will be improving the health and habits of the next generation in Hyderabad.

is not ready to set off for a party with her mother and sisters, is a public nuisance, that she causes loss of temper at home before she starts and possibly inconvenience to her hostess on arrival. And I believe that this same thoughtful child, when she is a mother, will make efforts to insist on punctuality, etc., and if necessary, she will punish her own disorderly daughter by leaving her at home.

Untidiness in the details of dress is another form of disorder we must work against. Dirty nails, unbrushed hair, clothes that are not fresh, are all signs that a child has not been trained at home in regular habits of washing and of changing her clothes. Many of our children come to school without buttons and with shoes uncleaned. We have to inspire them to feel that these things are definitely bad. It is not a question of money—I know of plenty of children, coming from wealthy homes, who are never without safety pins and who do not have their shoes cleaned daily. Where possible, I think these defects should be remedied in school, if, after we have pointed them out and explained our orderly principles, there is still carelessness. I have led some of my own school children to a shoe brush ; I have plaited their untidy hair in their class rooms before all of their friends. They realise then that we believe these things to be important ; and this is something gained, even if they don't understand all of our reasons.

For the Heads of schools, the responsibilty for insisting on orderly habits is doubly great. Not only must they inspire all those working under them with the wish to instil orderly habits, but their good administration alone can make the practice of these orderly habits possible. Unless they arrange the Time Table so as to ensure the smooth working of the school, unless they see that a high standard of punctuality in the beginning and ending of periods is maintained, unless they arrange for the proper equipment and the regular supply of books and materials and unless they are always there ready to support the Staff's efforts to

school children as one of our most serious pieces of work *now*. We must gather all our patience, all our energy, all our determination to start and go on with our campaign against disorder in every form. It will take years of effort on our part if we are to instil in the children an appreciation of order, an expectation of it as a regular part of their lives.

And first of all—orderly habits in school work— we must think not of the amount of work done but of how it is done, tidily, with proper headings, dates and straight margins; it must be done exactly to time, and, however good the subject matter, any failure to conform to our standard of order must be noted and remedied. We must insist on full corrections, etc., until at last we lead the children themselves to realise the evil of leaving mistakes uncorrected; of slipshod, careless work; and so they themselves learn to want our orderly standard in all things.

All this demands of ourselves a very high standard of effort, of punctuality in going to classes, of careful and tidy corrections, of doing everything ourselves up to time; but once we have trained children to aim at our standard of order, I believe that in time they may apply the standard we have shown them in their work to many things outside school.

Then too, apart from lessons, while they are in school, we must expect a certain standard of orderly behaviour towards others; order in moving about the school, order when the children are left between periods, order in times of excitement, such as our schools' public functions. And insistence on these orderly habits will give us a chance to show how disorder, noisy classes, blocking up corridors, crowding round our chief guest at a Prize Giving—is really selfishness and makes for the discomfort of others. I believe that these lessons, learnt in school, will ultimately have an effect upon the home life of Hyderabad. A thoughtful child will, in time, realise that the disorderly sister, who

THE VALUE OF ORDERLY HABITS*

BY

Miss G. M. Linnell

Principal, Mahboobia Girls' High School, Hyderabad-Dn.

To-day Miss Nundy has agreed that I should talk to you about a seemingly simple matter—the value of orderly habits. Personally I find this by no means simple. In fact, when I see the lack of order throughout Hyderabad to-day, both in public and private life, I feel that to implant orderly habits in our children is, perhaps, our most important public service as teachers.

When, as young teachers, we begin this service and consider what we have to do in school, we think of the subjects we are to teach, the examinations we are to prepare children for, how we shall arrange to fit in our syllabus during the school year—etc. In all this we think too much of our own point of view; we do not consider the needs of the children to be entrusted to us.

Now, to my mind, one of the main things our children need is to be taught the value of order—to learn to care themselves for order in thought, in behaviour towards others, in dress, and in work, both at school and at home.

At present, I think we shall all agree, in most Hyderabad homes, the value of an ordered daily life is not realised. From the time they are babies, our children know almost no order. They eat at any time, they go to bed when they like, their rooms and clothes are untidy. They forget to do their school preparation, because at home they find no special place in which to do it and no special time for it.

Now if we are going to improve the homes and the health of the next generation of Hyderabad children, if we are going to try to give them the advantage of ordered home life, we must regard the formation of orderly habits in our

* A speech delivered at the First Annual Conference of the Hyderabad Women Teachers' Association.

Mrs. Mohammed Hussain Jaffery's fancy border work, Mrs. Hassan Latif's rugwork and Miss Pillai's art corner are worthy of mention.

The model lessons and discussions on History, Geography, Story-telling, Poetry, Arithmetic, Needlework and Sense-Training, Rhythmics and Physical education were very interesting. The Model Primary School's lesson on Sense-Training was greatly appreciated, but we all realized that the apparatus used was too expensive for use in a Shahi Primary School. It is hoped, however, that the headmasters and headmistresses will adapt these materials according to the means they have at their disposal and produce the necessary apparatus from cheaper materials so that the chief aims of this apparatus might be realized.

A net-ball match and a games period for small children were directed by Miss M. Shaw. She emphasised the need for having games periods during school hours in order to encourage the students to let themselves go in friendly, joyous and spontaneous movements. She also pointed out that this was very necessary in our schools, where the children sit for long hours in overcrowded class-rooms and stuffy conveyances.

A demonstration of rhythmic movements was shown by Miss. Ambiah. She showed how children from 5 to 8 respond to music in rhythmic movements.

On the second day the programme of model lessons and discussions was continued. Reports of all the lessons and discussions were read out to the full session. In addition to these, Mrs. Akram, the General Secretary, read a report showing the progress of the Association from the time of its initiation.

REPORT OF THE FIRST CONFERENCE OF THE WOMEN TEACHERS' ASSOCIATION, HYDERABAD-Dn.

BY

Zohra Begum, B. A., M. Ed. (Leeds)

The first Conference of the Women Teachers' Association, Balda, was held at the Kachiguda Women's Training School on the 31st October and 1st November. Owing to Ramzan-e-Shareef, the meetings took place between 9 a. m. and 1 p. m. Lady Hydari very kindly graced the occasion with her presence. Besides the teachers of the Shahi, aided and private schools, and all those interested in education, Mrs. Mohammed Hussain Jaffery and Mrs. Ali Akbar showed keen interest by attending the meetings on both days. Lady Hydari particularly requested not to be garlanded and asked that the cost of the garland should be included in the Milk and Buttermilk Fund for poor children. This was greatly appreciated by all those present and it is hoped that such useful and helpful gifts to express one's good will, will be a leading example for others to follow. The Director's kind message was greatly welcomed by the Association.

At the meeting Miss J. Nundy read a practical and helpful presidential address. This was followed by a lecture delivered by Miss Linnell on the necessity of orderly habits. Miss Clough also gave a talk on the progress of education made in the State during the last 20 years.

After this there was a practical demonstration of arts and crafts. Processes of different kinds of weaving, pottery, basketry and cardboard work were shown. The demonstration by Miss D. Nundy and her assistants of clay modelling and basket weaving exhibited on a very economic scale was greatly appreciated. The Stanley Girls' School siesel work was interesting and original Apart from the effort of teachers exhibiting the work of their schools, those of friends like Mrs. Amer Hassan's Lambardni's needlework,

Speaking of the Purda system, she said, " The growing elightenment which education will bring in its wake as well as the requirements of the times which must inevitably result in the economic emancipation of women, will, I am sure, release them sooner or later from the shackles of this social custom. These factors will in themselves better qualify women to take their place on terms of equality with men, and I hope that this will be achieved without their necessarily losing those graces or virtues for which the womanhood of this country is well-known. Modesty resides in the heart and in the mind, not in the veil, and that womanhood is greater which faces life's ordeals with the weapon of its own innate dignity than the womanhood reared in the artificial atmosphere of a close and enfeebling protection."

The Princess ended her speech by making an eloquent appeal to the youth of the State. She said, "Great things have been done in the past by the women of this country. Still greater things are left for us to do even as the problems of this age are more intricate. In the work that lies ahead, all our hopes are centred round the efforts of that nation among the men and women of this State which knows no barrier of race or religion, a nation which can aspire and afford to look forward beyond the horizon, a nation which has the energy to strive and the vigour to attain, I mean the irresistible, the unconquerable nation of youth. Let it carry to the farthest corners of our land, with singleness of purpose and purity of heart, the torch of love and loyalty; let it build instead of destroy, unite instead of divide, and be the messenger of peace to a distracted world."

not degenerate into licence but is tempered, as it has been among the nations which have made history, by self-restraint and the discipline of duty; such large liberty and a healthy exercise of it must inevitably be preceded by those peculiar gifts of education—the fitness to balance the good and evil in ideas and to make their true evaluation. As the corner-stone of the entire educational structure, primary education has an importance of its own, and I am sure we are all glad to know that an early introduction of the principle of compulsion, which I hope will be extended in the same measure to girls as to boys, is contemplated. No less a pleasure is it for us to welcome the recent decision, in the more deserving case of girls, to impart education to them up to the lower secondary stage in their mother-tongue while maintaining the common language of India and of these Dominions as a compulsory second language.

The strides made by the State, through its various educational institutions, in the spread of literacy and of education, both higher and secondary, appear relatively small on account of the comparatively meagre provision for education obtaining in those areas, forming nearly a third of the Dominions, which are held under a variety of grants. It is implicit in the trust under which they are held that its obligations, written and unwritten, should be fulfilled, and there is no reason to doubt that the sense of duty of the great class to which I here refer will lead it to fulfil in an increasing measure the obligations which it owes to its Sovereign and to the people committed to its trust."

Princess Niloufer then urged the need for making better provision for public health. She also drew attention to the importance of cottage industries, and in this connection proposed the appointment of a Committee to study the problems of the woman-worker and suggest improvements in the conditions under which she works.

dependence prevalent no less among the rich than among the poor, can ever to any large extent resolve the problems which beset us.

Education appears to me to be the most potent means of attaining the economic emancipation of women. The progress of material civilisation has, while inducing us to seek refuge more and more in the refinement of the mind and the cultivation of a higher and better sense of values, brought nearer home the need for adapting education to our material requirements. From pure Scholasticism or the Humanities or the pursuit of learning for learning's sake which formed the essence of teaching in our Patashalas and Maktabs and in the Universities of medieval Europe, education has come to embrace the acquisition of the more material arts and crafts, the mastery of scientific technique, the application of learning to our practical needs, the refinement of the hand no less than the cultivation of the mind. This gradual extension of the meaning and purpose of education is a recognition of the necessity to mould our intellectual to our material requirements. Indeed, in a country where poverty is so general, to talk of education as capable of being divorced entirely from the problem of living is to indulge in cant, and it is satisfactory to observe that the authors of our own scheme of educational reorganisation have rightly stressed the need for a vocational bias and for the development of technical education. This reorganised system will afford us the best opportunity for enabling us to provide ourselves with the means of livelihood and, thus, for assisting our women to earn an independent and honourable living.

In stressing this utilitarian aspect of education, however, I must not be misunderstood to be minimising its value, quite apart from its economic use, as a great medium of enlightenment. The expansion of the mind is in itself a high ideal, for it opens before it a wider world and a longer perspective. That liberty is the largest which does

The Women's Point of View

PRESIDENTIAL ADDRESS

DELIVERED BY

Princess Niloufer

at the Hyderabad State Women's Conference, November, 1938

After thanking the organisers of the Conference for asking her to preside, Princess Niloufer said:—

"Before I proceed further, allow me to give expression to a sentiment which I know will be uppermost in the hearts of women not only here or in India but all over the world. We meet under the shadow of a great loss. The passing away of a great man, like that of a small man, is an inevitable physical phenomenon, but I cannot help feeling, as a woman, that the death of Kemal Ataturk has deprived the world of a presence which in the brief span of years during which he moulded the destinies of his people, achieved the freedom of his country and the emancipation of its womanhood. It is to him that the women of Turkey owe their release from the bonds of superstition, ignorance, seclusion, and from a dependence, nearest to serfdom—I mean economic dependence.

My friends, the torch of traditional liberalism has brought much enlightenment and many liberties in its wake, but it has failed to illuminate those dark corners of our social systems where slavery of the body generates the slavery of the soul. In many ways liberalism itself has forged new forms of slavery worse than the old. The necessity to live, the call of hunger and the prospect of starvation are the reasons behind the economic dependence of women to-day; they are considerations which affect every effort of a woman to mould her life in accordance with her ideals. No movement for emancipation, however liberal, which does not strive to confer freedom from such dependence, a

traffic rules, now figures among the manual work taught to children in primary schools. This subject, considered of primary importance, teaches children to use their eyes and to make quick decisions. Every imaginable position of cars and bicycles, all the traffic jams one must get out of, are shown by models, and the children take the greatest possible interest in these.

The teaching of traffic rules will be compulsory to all primary schools in future.

ANNOUNCEMENT.

Owing to the outbreak of plague at Gulbarga, the Second Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association has had to be postponed. It has been decided to hold it at the City College, Hyderabad Deccan, on the 3rd and 4th February, 1939. Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, the Hon'ble Education Member, has kindly consented to preside.

The subjects to be taught are Irish, English, Mathematics, Manual Instruction and Domestic Economy, and all children within the age limits are to attend the classes on one day in every week of the school year. Four part-time teachers and 3 full-time teachers have been appointed to conduct the courses.

We cannot work up very much enthusiasm for the Minister's experiment—if indeed the few weekly hours of schooling which the new scheme will give to Cork children can be dignified by the name of experiment.

The present scheme means that many children, who might otherwise have gone to work, will idle on six days of the week, and (it is to be feared) do very little on the 7th; and that children already in employment will idle one day a week in the school. *No real discipline, no real continuity,* no real effort to learn can result from the present arrangement.

(The Irish School Weekly 3-9-1938)

Sweden.

Health in the school.—It is hoped that it will be possible to submit to the RIKSDAG next year a plan for compulsory medical service; attention will be given to 407,000 children in the primary schools.

The commission for repopulation also asks that similar system will be set up for small children in infant schools.

The medical management together with the preventive associations, recommend that the system of free meals for schools be gradually put into force beginning with underfed children. In view of the difficulties of putting this into practice, the government proposes food allowances for necessitous families.

Manual Work in Schools.—The construction of small wooden motor-cars, intended for use in courses, which teach

b. The cultivation of the intelligence and powers of reasoning and training in habits of industry.

c. The inculcation of personal individual virtues.

d. The acquisition of information about:

1. local, national and world affairs.
2. methods of local and national government in this country;
3. types of governments and where these are found.

(The Schoolmaster 6-10-1938.)

Germany.

National Socialist Education of German Teachers.—In order to be able to instruct children in the foundations of the ideology of national socialism and its programme, groups studying Education in Higher Training Colleges must study in the first year Hitler's "Mein Kampf" and Rosenberg's "Myths of the 20th Century". They are expected to know the principle outlines of these works.

(BEKO, Berlin 13-9-1938.)

Ireland.

a. *Leaving age experiment.*—It is announced the Minister for Education is to raise the school-leaving age in Cork City as an experiment. After September 1, a continuation of education after the present Statutory leaving age of 14 years becomes compulsory in the borough. The Vocational Education Act of 1930, under which the age is now raised, prescribes that all children between 14 and 16 must attend a continuation course of at least 18 hours a week, but in Cork the enforcing authority has decided that for the first year, children of 14 need only attend for a single year's course, and will be free to leave when they reach 15.

a. Aim at the development of the pupils by providing for the cultivation of their physical, intellectual, emotional, and spiritual powers.

b. Have regard to the environmental conditions of the pupils, and to the advantages afforded by a realistic presentation of the subjects taught in leading the pupils to handle general ideas.

c. Have a "practical" bias, which should be determined by the local conditions of the school, the pupil's desire for self-expression in concrete media, and the probable future needs of the boys and girls.

Specialisation.

1. Some measure of specialisation is desirable in all Senior Schools. This is especially true of Heavy Handicrafts, Gardening, Art, Music, Practical Science, Physical Training and Domestic Science.

2. The qualifications of the members of the Staff may enable specialist teaching to be given in such subjects as English, Mathematics, Geography or History.

3. While some specialist teachers may reasonably be *required to have had specialised training or to possess* high academic qualifications, teachers who, because of their interest in certain subjects and experience in teaching them, have acquired a special proficiency, should also have the opportunity to undertake the work of a specialist teacher.

Citizenship and Leisure.

1. Preparation for citizenship and for leisure should form a part of the normal education provided in Senior Schools.

2. Education for citizenship involves:

a. The inculcation of social virtues.

Classification of pupils

1. All pupils in Junior Schools should pass at about the age of 11 to some form of post-primary education.

2. The selection of pupils for the various types of post-primary education should have regard to the differing types of ability as well as to different degrees of ability of any given type.

3. The present basis of selection is generally a written examination which appears calculated to disclose differences in the degrees of ability of the same kind rather than differences in the kind of ability. Efforts are now being made to discover and perfect methods of discerning aptittudes, these should be encouraged. In the meantime, greater attention should be paid to records of the pupils' work throughout the Junior School when selections for the various forms of post-primary education are made.

7. The parallel form classification should not be absolutely rigid. When limitations of staff, or space do not allow of the use of both "form" and "set" classification, such subjects as Physical Training, Games or Music allow the rigid form of classification to be avoided and should be used for this purpose.

The Curricula.

1. The greatest and most advantageous use of extended school life requires that the whole of the curriculum of the Senior School should be reviewed. The mere addition of a subject or sections of a subject for the last year cannot be regarded as satisfactory. The curriculum of Senior School should be regarded as a unit and should be planned as a whole, for the four-year course.

4. The experiments already made indicate, and the joint Committee agree, that the curriculum of the Senior Schools should :

Educational News from other Countries.

Extracts from the Monthly Information Paper for September/October, 1938, issued by The International Federation of Teachers' Associations.

England.

Exchange Teachers within England.—The system of exchanging teachers between England and the Dominions has been working for some years and has met with widespread approval. A scheme for the exchange of teachers that is not so widely known is the scheme for interchange between the County of Kent and the City of Manchester. The scheme came into operation in 1929, and 15 teachers from each area have taken advantage of it. The period of exchange is one year; the teachers concerned are still employed by their own authority and their salaries are forwarded to them. One interesting detail is that the travelling expenses at the beginning and the end of the year are paid by the employing authority. The scheme is a sound educational one; it gives teachers a wider outlook and brings them into contact with a variety of conditions and methods of education.

(The Schoolmaster 28-7-1938)

The additional school year and the curriculum—Under the title of The Extra Year (published by University of London Press, Price 3sh.6d.) a joint Committee of the Association of Education Committees and the National Union of Teachers have issued the Report of an investigation into the content of education for pupils in public elementary schools between the ages of 11 and 15. The investigation was undertaken in view of the raising of the leaving age in September of next year.

From the conclusions and recommendations which are of great interest for educationists of various countries because the problems and solutions argued for are very similar in different countries, we only compile the following ones:

was laid on technical and vocational education. Co-education was introduced in all the institutions and the girls were encouraged to join the technical and vocational institutes along with the boys.

The Stambul University was reorganised and a new University founded at Ankara. Ankara could also boast of the Gazi's College for the Training of Teachers—both men and women—, an up-to-date Agricultural College and a first class Military College.

Reading-rooms, Continuation Schools and Evening Institutes were also opened and every facility provided for those desirous of extending their knowledge in their spare hours.

And so with infinite patience and superhuman energy "with the sternness of a dictator but with the abounding love of a parent, he built up the new nation during the last 15 years. Every inch of New Turkey, every Turk—man and woman—bears the stamp of the master builder". No wonder that he was gratefully acclaimed as Ataturk—the Father of Turks.

Before his death, Kemal had the satisfaction of having fulfilled his life mission. He leaves behind him a nation, united, virile and powerful.

of his people, generated during the desperate struggle for independence". Thus the process of modernisation began. The veil was outlawed. The harems were emptied of their inmates. The women were given equal rights with men.

The *fez* had somehow become in Kemal's mind the emblem of all that is outworn and hence he issued an edict that the *fez* was no longer to be worn—and out went the *fez* yielding place to the hat. Thus with his unfailing sharp-sightedness and his determination to carry through ruthlessly that which he recognised to be right, he was able to accomplish what a lesser person would have feared even to attempt. 'His realism did not build according to to-day's but according to to-morrow's rules'. The result has been that New Turkey has travelled a course in a few years for which other nations took centuries.

His Educational Reforms.—More important perhaps than his social reforms were his reforms in education and the most far-reaching among these was the adoption of the Latin script. The opposition to this 'heresy' was great, but Kemal brushed it aside. He turned himself into a school master, complete with a black-board and a chalk, and toured from city to city, village to village, teaching his people the new alphabet which was to be "the open sesame" to the new knowledge.

He dealt a death-blow to illiteracy by making primary education compulsory both for boys and girls and by organising adult education on a wide scale throughout the country, with the result that after a short period of five years there remained few men or women in Turkey who could not read or write.

The old *maktabs* were abolished and the modern primary schools took their place. The Ecclesiastical Department was merged in the Education Department and all the Wakf endowments became a part of the educational budget. Secondary education was completely reorganised and stress

The defeat of Germany threw Turkey at the feet of the allies, who not only wanted to dissect and dismember it but also to impose upon it the domination of its sworn enemies, the Greeks. How the Turks, under the consummate leadership of Kemal—a declared rebel with a price on his head—under the most disheartening circumstances drove away the Greeks from Smyrna, reads like a chapter of romance. This remarkable achievement made Turkey pulsate with new life and was a great shock to her enemies. But Mustafa Kemal did not beat the latter on the field of battle alone, he also beat them in their own 'preserve of diplomacy'. The Treaty of Lausanne[1] which was a great diplomatic victory for Turkey bears ample testimony to this.

Kemal as a Politician and Social Reformer.—Now Turkey was declared a Republic[2] and Kemal was elected as its president. The Sultanate and the Caliphate was abolished and the ex-Sultan expelled.

Having won the freedom of his country, Mustafa Kemal was faced with the task of nation-building. How was this impoverished, backward and unexploited land, with a population of ignorant and poverty stricken citizens, to be converted into a modern state? How were the deep-rooted superstitions practised in the name of religion to be removed? These and several other difficult problems confronted him. But he rose equal to the occasion and his genius as a 'great military strategist served him well in this work of reconstruction and re-creation'. He believed that Turkey would not breathe a new life as long as the faintest relic of the old system which had reduced the country to a state of helplessness and despair, remained. As was characteristic of him, he had no faith in half measures. "Nothing less than the latest European civilization would satisfy him and in that task he was determined to divert the superhuman heroism

---

1 July 24, 1923. The credit for the success in this treaty goes to General Ismat known next to Kemal.

2 October 29, 1923.

Kemal Ataturk

BY

K. M. Yusufuddin, M. A. (Leeds),

Lecturer, Osmania Teachers' Training College.

This is an age of dictators, and although all of them—Lenin, Mussolini and Hitler—are entirely responsible for the great position and prestige which their respective countries enjoy in the world to-day, yet their task was not so difficult as Kemal's, for, to create an empire or to reform an advanced people is far easier than to regenerate a decadent nation which is on the brink of destruction. How Kemal saved Turkey from her formidable enemies and created a new nation out of her, inspired by the highest ideal, is a miracle of the 20th century.

Early Life.—Born of humble parents, Mustafa Kemal rose by dint of hard work, patience and perseverance to the eminent position which he rightfully held for about 15 years. His life story is the history of the struggle of the Turkish people for freedom and for "deliverance from the old broken system to their present status and power".

After elementary schooling, Kemal joined the Junior Military School at Salonika where he distinguished himself alike by his brilliance and his revolutionary tendencies. When the Great War broke out in 1914, Kemal was already recognised as one of the most distinguished officers in the Turkish army and the next four years are noteworthy for his spectacular promotions, in spite of the envy of his enemies at Constantinople.

His Military Genius.—It was in the campaign at Gallipoli that Kemal laid the foundation of his renown and his defence of the Dardanelles remains 'one of the greatest strategies of the great war'.

(9) Industrial Schools to be opened for boys after the Primary stage for certain classes of industry.

(10) Entry into the University to be restricted to those who show the best intellectual powers.

A recurring grant of 5 lakhs of rupees has been provided in the budget by the Finance Department for the carrying out of these Reforms.

The Ladies' Committee.—A small Advisory Committee of Ladies was constituted, with Lady Hydari at its head, to advise on all matters relating to the education of girls.

Conference of Educational Officers.—A Conference of Educational Officers was inaugurated during the year and has proved useful in that it has been productive of some good and original suggestions for the improvement of the Department. This conference has also been the means of arousing the interest of the officers in their Department.

Training College.—Government stress the necessity of attaching a Practising School to the Training College. At present the pupil-teachers have to go to a distance for their practice. The Educational Member's gold medal is being awarded every year now for the best lesson after a competition among the first four men who secure the best marks in the practice of teaching in the annual examination. The lessons are judged by the Educational Member, the Principal, Training College and the Special Inspector for the award of the medal.

compulsory in Girls' Schools after the approval of the Ladies' Committee for Girls' Education.

Reorganization of Secondary Education.—The Board of Secondary Education as adumbrated in the Mackenzie Report came into existence during the year under review. It proceeded to form sub-committees to consider the introduction of the new reorganization of education whereby a vocational bias is to be given to school education. Briefly the proposals for these reforms are as follows:—

(1) The total period of education from the Primary to the end of the High School course is to be eleven, instead of ten years.

(2) The B. A. course in the University is to be of 3 years, thus keeping the total educational period down to 14 years.

(3) The Intermediate classes are to disappear, and instead of them, one class (the 11th) is to be added to the High School course.

(4) A Lower Secondary Examination (at the end of Class VIII) and a Higher Secondary Examination (at the end of Class XI) to be substituted for the present High School Leaving and Matriculation Examinations.

(5) So long as the Nizam College remains affiliated to the Madras University, a special Nizam College Entrance Examination to be instituted under the Board.

(6) A Primary fifth class to be added for those pupils who do not proceed beyond the Primary stage.

(7) Vocational bias to be given in the Middle and High stages and the natural inclination of students towards particular vocations discovered.

(8) Bifurcation into regular Technical and Vocational Schools to take place when pupils leave the Departmental Schools after passing the Lower or the Higher Secondary Examinations.

aim, for the present, at training women who are Matriculates. As the school develops it may train Graduates. Thus a supply of women teachers could be kept up.

Boy Scouts and Girl Guides.—Scouting and Girl Guiding are making steady progress in the State. There were 154 Scout Troops during 1346 Fasli as against 130 in the previous year. Scouting in Hyderabad is conducted on strictly non-communal, non-political and non-military lines on the principles of Lord Baden-Powell, but the policy of Government with regard to Scouts has been to stand aloof from other Associations whether it be the Seva Samiti or the All-India Scouts' Association. In the opinion of Government in the Education Department, the time has not yet come when our Scouts could join the world organization of Scouts. The Girl Guides Association has acquired some land and constructed a suitable building for its headquarters. Girl Guides Associations are supposed to be maintained by the public, but in the circumstances of Hyderabad the Government have considered it necessary to give some monetary assistance towards the building mentioned above, as also a small recurring grant from the Department towards the Association. They also pay the salary of the Trainer. Girl Guides Associations have also been formed in some of the districts.

Physical Education—Steps are being taken to acquire pieces of land in some parts of the city and suburbs of Hyderabad in order to supply playgrounds for schools where there is a shortage of such grounds.

The newly constituted Board of Physical Education began to function during the year and several inspections were made by the Principal of the College of Physical Education. Government lay great stress on the importance of outdoor games and physical instruction in all schools.

The Board of Physical Education should specify the games and exercises suitable for girls, so that they may be

Whilst the curriculum for boys and girls may be identical up to the fourth class, Government consider that in the new fifth (Primary) class the curriculum should include a regular course in such subjects as sewing, needlework, cooking and domestic economy.

For girls who proceed beyong the Primary stage, these subjects should form part of the curriculum in the Secondary stage and should be graduated according to the class. Government expect the Advisory Committee of Ladies to make proposals at an early date with regard to these matters.

Inspection of Girls' Schools.—A proper agency for the inspection of Girls' Schools is a vital necessity. Government consider that appointments of highly qualified and trained Inspectresses should be made in each Division from time to time as such women become available. For the present Miss. J. Nundy has been appointed in the vacant post of Chief Inspectress. But Government consider that there should only be an Inspectress in the grade of a Divisional inspectress at headquarters. The post of Chief Inspectress should be abolished and the female inspecting agency should be controlled by the Director of Public Instruction.

Normal Schools & Training Institutions for Women.—No institution exists for the training of women teachers in the State of the requisite standard of efficiency. The Warangal (Telugu) Normal School for Women hardly gives any training at all. The Women's (Marathi) Normal School at Aurangabad has only one training class which is taught by a Primary trained teacher. This is an unsatisfactory state of affairs. Government would like Women's Normal Schools in the districts to train at least Middle passed teachers. The mistresses who give training should be better qualified. At headquarters the Women's Training School should be staffed with highly trained mistresses and should

first necessities is the reform and reorganization of the Normal Schools, and it is hoped that the report called for from the Department regarding this matter will soon be submitted to Government for orders. The experiment of having Training classes at different centres, as distinct from Normal Schools, may also be tried. The idea involved in this is to collect village teachers at the headquarters of different districts where they could watch model lessons being given by selected trained teachers and where any difficulties that any of them may experience in teaching or in the management of a school, could be solved for them. Wireless talks from headquarters on educational subjects would be very useful at such centres. This might be arranged in connection with "Refresher Courses" during the annual conferences of teachers in the districts. There should be a wireless receiving set at each centre.

Primary Fifth Class.—The addition of a fifth class to the Primary four classes is contemplated in accordance with the recommendations of the Board of Education. This class will be for those pupils who are not proceeding beyond the Primary stage. Government suggest that such subjects as village sanitation and other subjects having a bearing on village improvement and uplift may be taught in this class and an agricultural bias given to boys in rural schools at this stage. Wherever possible, a free use of wireless and of educational films might be made. Government would like Departmental proposals to be put up in regard to these matters at an early date.

Girls' Education.—The education of girls is in particular handicapped by the extraordinary difficulty encountered in obtaining qualified women teachers and the paucity of suitable buildings. Government agree that co-education may be tried in Lower Primary Schools where the pupils are very young. In this way the problem of teachers may to a certain extent be solved.

Shift System.—The shift system introduced during the year is an interesting experiment which should be watched with care. It has been necessitated owing to the paucity of teachers. It has the advantage of avoiding two classes being taught by one teacher at the same time. He now gives half the time to each class in two shifts.

Primary School Buildings.—The question of Primary School buildings is an important one. Even the modified standard plan, as suggested by the Department, is too expensive. A building on that plan is estimated to cost nearly five thousand rupees. This cost is much too great considering that hundreds of buildings are required. It should be possible to have a very simple, but at the same time open and airy Primary School building at about half that cost, which should harmonise with the rustic surroundings. Many of the present Primary Schools are held in rented buildings which are unsuitable, being dark, insanitary and ill-ventilated, and sometimes also cramped for space.

Furniture in Primary Schools.—The furniture in Primary Schools and indeed in all schools is a matter of the greatest importance. One too often sees benches without any backs to them and without any desks in front of them being used. The first thing the Department should do is to have such benches removed. Suitable furniture which would give rest to a boy's back, and would at the same time be adjustable to his size, with a desk at the correct distance, is expensive, and for our Primary Schools almost out of the question. Government therefore approve of what the Department is now doing in seating the boys and girls in Primary Schools on clean matting on the floor while the slate is rested, in oriental fashion, on the raised knee. For schools of higher grade, furniture that is scientifically correct should be provided.

Reorganization of Normal Schools.—The teaching in Primary Schools is very often faulty. This defect can be traced to bad training in the Normal Schools. One of the

School in every village with a population of one thousand inhabitants or more, and Government would like the Department to submit a Note to show how many extra schools would have to be established calculated on this basis and what would be the amount of the additional expenditure involved.

Primary Education.—As things stand, the number of Primary Schools at present is 4,392 with 281,995 scholars. The total expenditure on Primary Education has gone up to Rs. 26,70,736 from being Rs. 26,29,455 in the previous year. Out of this sum, approximately Rs. 5 lakhs are found by the Local Funds from the Educational Cess of 3 pies in the rupee, whilst the Diwani provides more than 18 lakhs. As it is a matter of settled policy, now adopted all over India, that Primary Education should be entirely in the hands of the State and not left to private enterprise or to local bodies, Government would prefer that the sum provided annually by the Local Funds be applied to only such things as the construction of Primary School buildings and the provision of furniture and equipment, etc, and that the Diwani which furnishes by far the greater part of the cost of Primary Education should continue, as at present, to be responsible for the appointment, transfer and dismissal of teachers and the control of the inspecting agency.

Compulsory Primary Education.—A draft bill for making Primary Education compulsory is under consideration. Government however consider that in view of the practical difficulties and expenditure involved in the adoption of compulsion, it will be some time before the method of compulsion, can be made effective throughout the Dominions, especially as in the beginning it will only be applied to small selected areas at a time. In the meantime Primary Education may be expanded on a voluntary basis as far as means permit.

The Shift System has been adopted only as a temporary measure. When the necessary funds for providing adequate teaching staffs for village Primary Schools are available, there will no longer be any need for continuing this system. It may, however, be pointed out that the Shift System will to a certain extent remove the frequent complaint of the parents in rural areas that the present school hours do not give their children an opportunity of helping them in their occupations. The boys will now have half-a-day set free for such work.

Inspection of Normal Schools.

No scheme for educational expansion or reorganisation can be successful without an efficient system of teachers' training. The preliminary condition for improving the organisation of teachers' training in the Dominions seemed to be to appoint as Inspector to give expert advice and guidance to the Superintendents of the various Normal Schools and to co-ordinate the work of these schools. During the year under report, this need was supplied by Government's deciding that the principal of the Teachers' Training College should in his addition to his present duties, inspect all the Normal Schools annually and advise the Department on all questions affecting the training of teachers.

Government Review on the Report.

EXTRACTS.

Campaign Against Illiteracy.—Whilst a Dominion-wide campaign against illiteracy would be too tremendous a task and at the same time too costly to be undertaken with a light heart, yet there is no reason why, with the necessary additional expenditure and well organized effort, a substantial reduction should not be made in illiteracy. For the present the aim should be to have at least one Primary

funds, the contribution from the Local Funds being set apart for non-recurring expenditure such as buildings and furniture.

In view of the imperative need for the extension of Primary Education, after a careful scrutiny of the budgets of the various districts, the Department was able to effect a saving of more than a lac of rupees and, with the help of this amount, to arrange for 468 new Primary Schools to be opened in 1347 Fasli.

Compulsory Primary Education.

Towards the close of the year under review, the Education Department undertook, under orders from Government, the preparation of a draft bill for the introduction of compulsory education. Steps were also taken to collect the necessary information for the introduction of compulsory education in selected areas.

The Shift System.

As the vast majority of the Primary Schools in rural areas are inadequately staffed and as owing to lack of funds it is not possible at present to provide them with a full staff, that is, at the rate of one teacher per class, steps were taken towards the end of the year under report to introduce the Shift System with the object of improving the standard of teaching. According to this system, the school is divided into two sections, so that the same teachers engage one section in the morning and the other section in the afternoon, the aim being that no teacher should have more than one class to teach at a time. The hours of instruction for each class are no doubt reduced, but experience has shown that if a teacher pays undivided attention to one class for half the ordinary school day, he can produce better results than under a system of plural class teaching with twice as many periods of instruction.

(6) Scale of the Salaries of Teachers.
(7) School Time-tables.
(8) Curriculum.
(9) Adult Education.
(10) Training of Teachers.
(11) Depressed Class Schools.
(12) Kindergarten and Project Method.
(13) Teaching of English in Schools.

Appointment of Acting Chief Inspectress.

The backward state of women's education in the State called for immediate attention. It was obvious that satisfactory progress in this direction was not possible so long as there was no Inspectress to inspect the Girls' Schools and to advise the Department on questions affecting Girls' Education. Therefore, soon after assuming charge of the Department, I submitted a proposal to Government that until such time as the whole question of reorganisation of the inspecting agency for Girls' Education was finally settled by Government, Miss J. Nundy, M. A. (Madras), Dip. Ed. (London), be temporarily appointed to the post of Chief Inspectress of Girls' Schools, which had been vacant since 1343 Fasli. Government were pleased to sanction my proposal. With the assistance of the Acting Chief inspectress, I prepared a tentative programme for the extension of Girls' Education and the reorganisation of the existing Girls' Schools.

Expansion of Primary Education.

Another problem which engaged my special attention during the last five months of the year was that of expansion of Primary Education. There is an insistent demand for more schools, but owing to lack of funds, very few new schools have been opened since 1341 Fasli. The importance of Primary Education demands that the burden of recurring expenditure on it should be borne entirely out of Shahi

1346 Fasli.) when the proceedings were opened by Sahebzada Nawab Basalath Jah Bahadur. The Board appointed a Sub-Committee to consider the question as to what steps should be taken to enforce the scheme for the reorganisation of education sanctioned by Government. A Committee of Courses and an Examinations Committee were also appointed.

(3) The Constitution of a Statutory Committee for Girls' Education with Lady Hydari as the President to advise the Board on questions affecting Girls' Education.

Conference of Educational Officers.

I took the earliest opportunity to call a Conference of Divisional and District Inspectors of Schools, Principals of Intermediate Colleges and Heads of High Schools to discuss various problems of educational reorganisation and administration. This Conference was inaugurated by Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, the Hon'ble the Educational Member, and its sessions were held from the 4th till the 13th Shahrewar 1346 Fasli. The discussions and free exchange of views on various important problems were of immense benefit to all those who attended the Conference. The afternoons were devoted to the meetings of Sub-Committees, which produced valuable reports on the questions referred to them. During the year under review, action was taken on some of the reports approved by the Conference, while others were under consideration.

The chief problems discussed at the Conference and by the Sub-Committees were as follows:—

(1) Primary Education (including the question of Compulsory Primary Education).
(2) Secondary Education.
(3) Vocational Training.
(4) Girls' Education.
(5) Physical Education.

with the Director of Public Instruction as President and the Principal, College of Physical Education, and the Director of Physical Education as members.

As in the previous year, medical inspection of all the Government Secondary Schools was conducted by officers of the Medical Department. The question of arranging for the medical inspection of Primary Schools at Headquarters was taken up during the year under report.

Scheme for Educational Reorganisation.

The recommendations of the Committee appointed by Government in 1343 Fasli to consider the question of educational reorganisation in the State were sanctioned with certain modifications in Azur, 1346 Fasli. The following preliminary steps were taken during the year under report towards educational reorganisation :—

(1) The creation of the post of Commissioner and Secretary for Reorganisation of Education. Mr. Fazal Mohammad Khan, M. A., formerly Director of Public Instruction, was appointed to this post in Thir, 1346 Fasli. A separate Department of vocational and Technical Education was thus opened.

(2) The establishment of a Board of Secondary Education with Sahebzada Nawab Basalath Jah Bahadur, His Exalted Highness the Nizam's younger brother as " Sadr-e-Ala, " and the Director of the Public Instruction as President. The Board includes representatives of the Education Department, Osmania University, the Agricultural Department, the Department of Commerce and Industries and the Co-operative Department as well as representatives of Girls' Education and the public.

The first meeting of the Board was held in the Legislative Council Hall on the 25th August, 1937, (29th Mehir

During the year under report, the supervision of the Government Primary Schools for the Depressed Classes situated at Headquarters was transferred from the Head Office to the Divisional Inspector of schools, Balda and Atraf-e-Balda.

The total expenditure on these schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 30,927 as against Rs. 31,854 in the previous year.

In pursuance of the policy laid down by Government in their review of the administration report of the Education Department for 1344 Fasli, the Department is now directing its energies more towards giving the Depressed Class children facilities to join the ordinary schools than towards opening separate schools for them.

Scouting and Guiding.

There were during the year under report 154 Scout Troops with a strength of 4,362, as against 130 troops and 3,852 Scouts, Rovers, etc., in the year 1345 Fasli.

During the year under report, the progress of the Girl Guide Movement was also satisfactory. The total number of Guides, Blue-birds, Rangers, etc., was 2,719, as against 2,495 in the previous year.

Physical Education and Medical Inspection.

Physical Education continued to be compulsory in all schools, but the lack of the necessary facilities prevented a large number of schools from organising outdoor games on a satisfactory basis. The need for adequate playgrounds is felt keenly, particularly in the schools of Hyderabad City. With a view to providing further facilities for Physical Education, improving its quality and co-ordinating the activities of the College of Physical Education and the Department of Physical Education, a Board of Physical Education was constituted during the year under report

ordinary schools and at what stage it should be introduced, engaged the attention of the Board of Secondary Education during the last quarter of the year under report.

In addition to the Industrial and Vocational Schools, there were one Government Technical Institute with 186 scholars and one Unaided Orphanage with 306 pupils. The Orphanage has two sections—Male and Female.

(c) *Adult Schools.*

During the year under report, there were 40 Adult Schools with 1,447 adults under instruction, as against the same number of schools and 1,461 scholars in 1345 Fasli. The total expenditure on these schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 9,096, as against Rs. 9,265 in the previous year. During the year under report, the work of revising the rules, regulations and curriculum of Adult Schools was undertaken by a Committee appointed by the Conference of Educational Officers.

(d) *Religious Schools.*

There were in 1346 Fasli 20 Religious Schools in the Dominions with 1,221 scholars on the rolls, as against the same number of schools and 1,274 scholars in the previous year.

Out of the 20 schools mentioned above, 16 were Islamic and 4 Sanskrit and Vedic Institutions.

The total expenditure on these schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 44,948, as against Rs. 44,270 in the previous year.

(e) *Depressed Class Schools.*

The total number of schools for the Depressed Classes during the year 1346 Fasli was the same as in the previous year *i. e.*, 103, but the number of scholars reading in them rose from 3,907 in 1345 Fasli to 4,017 in 1346 Fasli.

The total expenditure on Girls' Schools during the year under report amounted to Rs. 9,91,689, as against Rs. 9,44,446 in the year 1345 Fasli.

Special Education.

The total number of Special Schools during the year under report was the same as in the previous year, i. e., 186, while the number of scholars was 9,550, as against 9,433 in 1345 Fasli.

The total expenditure on all kinds of Special Schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 4,56,015 as against Rs. 4,34,971 in 1345 Fasli.

(a) *Training Institutions.*

During the year under report, the number of Training Institutions remained the same as in the previous year, i e , 8, while the number of teachers under training was 292, as against 280 in the previous year.

The total expenditure on all the Training Institutions during the year under report amounted to Rs. 1,79,368, as against Rs. 1,75,731 in the year 1345 Fasli.

(b) *Industrial Schools.*

There were in all 8 Industrial and Vocational Schools in the Dominions with 813 scholars, as against 9 schools and 798 scholars in the previous year.

Out of the 8 schools, 2 were Government Industrial Schools, 2 Local Fund Vocational Schools and 4 Aided Vocational Schools.

Of the above schools, 2 Government and the Industrial Branch of an Aided School were under the direct control of the Department of Commerce and Industries.

As in the previous year, there were also arrangements for the teaching of different vocations, according to local needs, in several Secondary Schools. The question as to what kind of vocational instruction should be given in

but the number of scholars attending them increased by 1,050, i. e., from 30,967 to 32,017.

The total expenditure on all types of High Schools during the year under report amounted to Rs. 17,93,735, as against Rs. 17,37,475, in the previous year.

(*b*) *Middle Schools.*

During the year under report, there were 134 Middle Schools with 44,206 scholars, as against 132 schools and 42,602 scholars in 1345 Fasli; thus, there was an increase of two schools and 1,604 scholars. The total expenditure on all types of Middle Schools during 1346 Fasli amounted to Rs. 12,99,359, as against Rs 12,22,657 in the previous year.

Primary Education

The total number of Primary Schools of all types in His Exalted Highness the Nizam's Dominions at the end of the year under report was 4,392, as against 4,416 schools in 1345 Fasli, while their enrolment was 281,995, as against 279,148 in 1345 Fasli. The decrease of 24 schools is due to the fact that some unaided schools in the districts of Nizamabad, Parbhani and Beer were closed during the year under review, as they were not working satisfactorily. It is gratifying to note that in spite of a decrease in the number of schools, the strength went up by 2,847.

The total expenditure on Primary Schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 26,70,736, as against Rs. 26,29,455 in the previous year.

Girls' Education.

The number of Girls' Schools of all grades and all types in the Dominions during the year under report was 726, as against 718 in 1345 Fasli, and the number of girls attending these schools rose from 52,516 in 1345 Fasli to 54,551.

Educational Progress in Hyderabad

Report of the Education Department for 1346 F. (1936—37.)

EXTRACTS.

Strength.

The year under report saw a decrease in the number of schools but an increase in the number of scholars. The total number of public schools in the Dominions in the year 1346 Fasli was 4,768, as against 4,790 schools in 1345 Fasli, while the number of scholars was 367,768, as against 362,150 scholars in 1345 Fasli. Thus, though there was a decrease of 22 schools, the number of scholars increased by 5,618. The number of Private Schools in 1346 Fasli was 872, while their strength was 24,837.

During the year under report the percentage of scholars actually under instruction to the population of school-going age, calculated at 15 per cent. of the total population according to the Census of 1931, was 18.1, as against 17.9 in the year 1345 Fasli; that of boys to the male population of school going age was 30.5, as against 30.3, while that of girls to the female population of school-going age was 5.2, as against 5.0 in the previous year.

Expenditure.

The total expenditure incurred on education (excluding Collegiate education) in H. E. H. the Nizam's Dominions during the year under report was Rs. 84,79,609, as against Rs. 84,98,328 in 1345 Fasli.

Secondary Education.

(a) *High Schools.*

The number of High Schools at the end of the year 1346 Fasli was the same as in the previous year, i. e. 56,

It will not be possible to have such a museum in a day but if work is started in earnest, a few years should suffice to collect considerable material. The museum can grow and expand gradually.

So much for the present. In another article, later on, I shall deal with the question of "practical work" and offer a few suggestions to the science teacher.

rooms cannot be over-emphasised. Special rooms, where all the apparatus, materials, maps and other instruments might be stored, and where instruction in science might be given, are necessary because they help:

(*a*) in producing a scientific atmosphere;

(*b*) in saving delicate and fragile instruments from being damaged by transit;

(*c*) in making it possible to fix permanently appliances such as basins, sinks, taps, demonstration tables, small machines, aquarium and show cases;

(*d*) in making a boy subconsciously familiar with science and scientific apparatus.

Garden, Pet-House, and Museum.—From the point of view of instruction in general science, no school is complete unless it has its own botanical garden, a pet house and a small scientific museum.

A botanical garden and a pet house are as necessary for the study of Biology as physical and chemical apparatus and chemicals are for the study of Physics and Chemistry. A pet-house where boys could study the behaviours of certain animals will be of great help to them in studying Zoology. Still more important is the school garden. Every school must have one. Here boys should be allowed to do work and keep a record of the germination, growth, flowering etc., of the plants. This will form part of their practical and observational work in botany. Besides, it is a very healthy and interesting pastime, and should be encouraged.

No school should be without a museum. A room in which there are a few show cases, containing different geological, and bioligical specimens, as well as charts, drawings and models of various important scientific instruments, with explainatory notes on the various processes employed in industries, can be of immense educational value. Every school should have one such museum.

help of only one book. The greater the number of books consulted, the better would be his teaching. Good books are necessary both for the teachers and the students. If we want to keep their interest alive in the subject, we must give them some books other than their text-books.

Now the question is, what kind of science books should our libraries have? Naturally, books of general scientific interest, accurate as to facts, but written in simple style are the best. Such books are eagerly read by boys at odd moments whether in lesson hours or at home. They help to keep their interest alive in general science. Besides these, there ought to be books on methods of teaching, on how to equip and fit a laboratory, and on other topics specially suitable for teachers.

Science Room and Laboratory.—Few people realize the importance and the necessity of a science room and a properly equipped laboratory.

It is unfortunate that the majority of our schools do not possess an adequate number of science rooms. Usually there is only one room which serves as a lecture hall, a store room and a laboratory. It is not possible to do proper work in such a limited space. The number of rooms needed for science work will depend on the number of students in the school. But generally speaking, for a high school, the ideal is to have a set of four rooms, two large, one medium and one small. The smaller one should be used as the dark room, and the medium one as the store room. One of the larger rooms might be used as the lecture hall, and in the other, students might do their practical work.

I have seen schools where a separate science room is not considered necessary, with the result that every room is a science room and at all hours of the day; the unfortunate apparatus is in a mobile state, journeying from one room to another and getting spoiled and broken in such transit. This certainly is not desirable. The importance of science

ing human episodes connected with the pioneers and other men of science. The successful author should make his book read, if I may say so, like a fairy tale. For, the wonders of science are not less interesting.

The Staff.—After we have decided as to what courses of study we are going to have, we want teachers who can teach the subject properly. It is not necessary for me to say here that science is a technical subject, and nobody, who has not undergone a systematic training in the theory and practice of the subject under the guidance of a specialist, can teach the subject properly, however clever he may be. This everybody knows. Yet some people might wonder why I am writing this. For nobody could think of letting a history graduate teach the properties of matter. Yes, some people may think it strange; but, I *have* seen such instances in some Middle Schools. The fact is that people are misled by the name "Elementary Science". They think that, as the science to be taught is merely elementary, any one can handle it, and that no special teacher is necessary. They are under a fallacy. They forget the good old rule that the more a man knows, the better fitted will he be to teach the young. The younger boys want thorough explanations, and only those can give them who know the subject thoroughly. It is not uncommon in some middle schools to find a teacher labouring hard to explain some point to his students without having any clear idea of what he wants to explain. This has got to be avoided. Every school where any kind of instruction in science is given must have a qualified science teacher.

The Science Library.—A good library is essential for good education. There can be no two opinions about it.

Nothing is more profitable to a teacher than to have a collection of good up-to-date books for ready reference. It will make a lot of difference in his teaching work. It is impossible for a teacher to do justice to the subject with the

In the lower secondary classes they should be made familiar with all the important practical and industrial uses of heat, light, electricity, sound, magnetism, chemistry, zoology, botany, etc., and should also have a general idea of the various machines related to these subjects, so that they may be able to understand them more thoroughly in higher classes.

In the higher secondary classes, the topics should be almost the same, though should be treated more thoroughly. But here also specialization is to be avoided. That will be needed after the completion of the school stage. All along our aim should be to make the subject of maximum benefit to the students.

Text-Books.—Next in the order of importance are good text-books. It is one thing to decide in one's own mind what is to be taught, how the subject is to be treated, what examples are to be given and what experiments are to be shown, and quite another thing to put these ideas down in a text-book. Good text-books are essential for school work. Unfortunately, for various reasons, there are very few teachers who prepare their lesson-notes by consulting various books on the topic of the lesson and most of them fall back upon whatever text-book they can get hold of. This, though unfortunate, is true everywhere. Hence, the necessity of properly written text-books.

Most of the text-book writers look to the words of the syllabus and not to the spirit of it. The syllabus is unfortunately not an instruction book for authors. It merely says what to write. "How to write" is the author's own business. And it is this "How to write" which is most important because that is what makes a book good or bad.

It is essential for the text-book writer, as it is for the examiner, to be familiar with the true aim of teaching science. His book should be correct as to facts, simple in language and lucid in style. These should be full of interest-

accordingly. If the teachers are not willing to teach anything which is not useful from the point of view of the examination, the only course left to the reformer is to start at the wrong end—to improve the question papers and hope that the teaching also will improve.

So much for the present state of teaching of science in our schools, its defects and causes. It will not be out of place now to consider some of the factors which will make the teaching of science efficient and real.

The Science Course.—The first thing in the order of importance is a suitable course of study. Since our aim in including science in the curriculum of our schools is to impart a sound liberal education to our boys, the course of study in science has to be framed with that end in view.

I said in my previous article that, since the majority of the students either give up their studies altogether, or discontinue science on leaving school, the course should be a generalized one. For the lower secondary classes the course should include important topics from Physics, Chemistry, Zoology, Botany, Geology Astronomy, Physiology etc. The treatment of the subject should be popular, consistent with accuracy. All rigorous proofs and classical definitions should be avoided, as far as possible. It is enough for the boys to know, at this stage, that sound is produced by vibrations in the air. When he speaks, vibrations are produced by the tongue and lips. Blowing, striking and plucking are ways of producing vibrations in strings. Blowing through a tube is a device employed for vibrating a column in a tube, say a flute. When this vibration enters our ears the drum inside begins to vibrate sympathetically and we hear the sound. It is not necessary for them to know the exact wave length, the frequency or what is meant by the pitch and quality of a sound note. This they can learn in the higher secondary classes.

The Teaching of Science in Schools

BY

Aftab Hassan; M. Sc., (Alig), B. Sc., (London).,

Inspector of Science, H. E. H. the Nizam's Dominions, Hyderabad-Deccan.

In my previous article on the Teaching of Science in Schools, I stated that the instruction given in science in our schools was far from satisfactory, and that this unsatisfactory teaching was due to a misapprehension of the real meaning of science-teaching. I blamed the science teachers for not distinguishing between the important and the unimportant, and for supposing that the teaching of formulae and the definitions was the only end of science education.

Examination System.--But are we justified in putting all the blame on the teachers? Are not they themselves guided by circumstances? Are not their capabilities judged by the number of pupils they enable to get through in the examinations? And, since examination results make or mar the career of a teacher, are they not justified in being careful about them? No, they are not solely to blame. The responsibility lies also on those who set the examination papers. Only those things are taught which are expected in the examinations. Questions such as the following rarely occur in examination papers. "How is electricity applied in our daily use?" "What are the principles on which the steam engine works?" "How does a motor-car run?" "What is the cause of thunder and lightning?" "What is a lightning conductor?" "How do our electric fans revolve?" "How are carbon dioxide and Hydrogen used in industry?" Examinations have narrowed the scope of Science Teaching in our Schools. It is a sad but true commentary on the existing state of affairs.

It is the duty of the examiners first to understand the real significance of science teaching and then to set questions

valuable piece of work if, instead of prescribing blindly, these boards were obliged to make an actual study of the books and to prepare for use at the beginning of each academic year a detailed plan of teaching for the prescribed text-books. What surprises would then be in store for the members of the boards? They would be eager, perhaps, to cancel many a text-book which they had thoughtlessly prescribed.

Our universities are perhaps more alive to a sense of their dignity than to the necessity to advance studies by systematisation. As I have remarked already, English studies alone are perhaps at a disadvantage by lacking the clear definition which pertains to other subjects. It will be a pity if our universities do not realise the gravity of the problem and try to devise a remedy for it.

One obvious peculiarity of English teaching may be pointed out at once. The text books in English vary from year to year and the educational apparatus for teaching them has to be created from year to year, and this is at present left entirely to the resources of the individual teacher. There is such an entire lack of effort to collect together the facts of teaching experience that each individual teacher is also apt to be wasting his energies in reconstructing many things which he has himself devised previously.

If we exclude the Honours Courses, where also a systematised plan is bound to be beneficial, both the B. A. and the Intermediate Courses demand the devising of clearly marked details to form a regular system of teaching. On the one hand we are perhaps sick of the spate of educational publications offering peptonised bits of literary work, and on the other, teachers see a trackless desert before them when taking up a new text-book.

So long as our universities continue to be of the federal type and so long as we are inclined to attach great importance to examinations, we should not be ashamed of regularising the teaching in colleges. We should be able to collect a body of facts relating to the teaching of each subject and devise perhaps a course of training for each new entrant to the profession. The only training that is available at present is with regard to the school course and unless an analogous course is devised for the college courses, we are bound to have an unequal, uncertain and doubtful quality of teaching prevailing in our colleges.

The universities maintain venerable bodies of men known as "boards of studies" Considering the unfulfilled needs of the situation, the work of these boards should appear to be a farce. The great work which they perform is to prescribe text-books from year to year. It is within the knowledge of many how this prescribing is conditioned by accidents of all kinds. It would altogether be a more

word. It is only a form of teaching and the following of definite methods is as necessary at college as at school. Yet there has been an appalling neglect of this. I have been teaching at colleges for nearly a quarter of a century now but I have never known a conference of teachers to discuss the problems of teaching in colleges. Yet it is easy to know what varieties of teachers man our colleges. Each teacher is a law unto himself and the vagaries of those who "lecture" at colleges are proverbial. Some are mere gossips and fill the "lecture" from hour's end to hour's end with a discussion of current events as these figure in newspapers. Some will mechanically read a text in the class, the students being none the wiser at the end of the hour. Others again pour forth a torrent of ill-digested facts which serve only to perplex the understanding of the students. Still others there are who resort to the dictating of notes at such lengths that students may be regarded as being trained more for stenography than for anything else. It is also wise to remember that the supreme test that is most usually applied to our colleges is the percentage of passes at University Examinations. If a college knows at the very beginning that this is the great goal for which all effort is to be directed, why should it not grasp at some possible secrets to achieve the end ?

The Intermediate Examination is only an extended school course. Should it not be possible to map out clearly every detail pertaining to its studies ? Apparently, this is done in a greater or smaller measure in every subject except English. Some kind of syllabus is indeed prescribed in English also, at any rate, for "Composition". But this is done once in many years, only to be forgotten. The greater part of English teaching is concerned with concrete works of literature, of Shakespeare, of the poets, prose writers and the novelists. Is it not possible to regularise the study of these works ?

The Teaching of English in Colleges

BY

P. R. Krishnaswami Aiyangar, M. A., L. T.,

Lecturer, Govt. Ceded Districts College, Anantapur.

Educational growth, like the growth of cities and towns, has not always been the product of deliberate planning. Teaching has long been recognised indeed as an art and provision made for the training of the new entrants to that profession. But it is not easy to devise a scheme of training which should produce the best results. The more mechanical aspects of the art are apt to be over-emphasised in the course, so that it falls into disrepute easily. But the entire neglect of some kind of training is even worse than an imperfect course. The school courses in all subjects have been planned with a certain degree of precision and the necessary apparatus, whether mental or physical, for each subject, has also been anticipated. But what about the teaching in our Colleges? People have conceded too easily the difference in the conditions prevailing at schools and colleges. The vastness of the province of each subject, as pursued at colleges, has stunned the methodists in education and people have been deluded by the ideals of real universities in the west where first-rate masters in each subject radiate their influence on those who seek to learn. We have so far mixed up, without discrimination, the work of teaching and the work of original research, which seeks to extend the limits of knowledge in each subject. The utter freedom necessary for research is inimical to the work of steady teaching.

Let us look at the facts relating to teaching at colleges. In the first place, we teach as much at colleges as at schools. We teach more intensely, perhaps, and we teach at greater lengths at colleges. "Lecturing" is a misleading

participle has the function of an adjective and the gerund that of a noun, we shall have no difficulty in parsing "believing" in the following sentences—

(I) My friend, *believing* me to have gone home, went away.

(II) Seeing is *believing.*

It is then easy to grasp their verbal qualities. This process can be applied to all the major difficulties in English grammar and it will be found they resolve themselves readily. English grammar, in fact, generally requires the exercise of little more than common-sense. The few rules which exist are fundamental and easily understood and the main difficulties occur, not with grammar, but with syntax and spelling, both of which are illogical in the extreme. There is no real excuse for mistakes of grammar such as we all find even in the English of graduates.

Finally, a word of warning to teachers. Keep all grammar teaching as simple as possible and avoid multiplication of rules. In order to do this, it is necessary to follow some fairly modern book. Old fashioned grammars are a menace in that they complicate the issue beyond comprehension. English is a living language and one whose grammar is flexible and adaptable. To teach too many rules is to endanger the freedom of style for the student. The other important point is that a teacher must always be willing to admit alternatives and must in fact encourage pupils to defend their own ideas if the study of grammar is to be a living part of the teaching of English. There are many problems which admit of two solutions and it is unwise not to encourage pupils to think out these problems for themselves.

So far we have attempted little more than to establish a case for the teaching of grammar in schools. At some future date we hope to discuss the details of the most suitable methods to adopt in this subject.

verb, an adjective or another adverb. But we are required to know what "modify" means before we can have any idea of what an adverb really is. Once we know that "modify" means alter or change, we are nearer the mark. In the same way the idea of the adjective being a "qualifier" needs to be elaborated and explained. In other words, before much progress can be made with grammar, the teacher has to see that the pupil is able to translate grammatical terminology into something which he understands. This is what we mean when we say that the modern method is to teach the grammar of *function.*

The first duty of every teacher of grammar then is to make sure that in the very earliest stages, the full significance of each word is understood. This is where modern practice differs so much from that of the past, the errors of which, rightly condemned for years, we are now able to avoid. Grammar need no longer be the bugbear of the class as it was twenty years ago when it consisted largely of attaching a number of incomprehensible labels to imperfectly understood words. Analysis, which formerly meant the impartial distribution of the parts of a sentence between various columns can be made of real literary value once the principles involved are understood. In fact, few exercises have more real literary value than such an analysis of well-written sentences.

What is true of analysis applies equally to parsing, an exercise which can be the most boring in whole range of grammar exercises. No longer do we say "parse the following sentence" but we select only such words as are important and whose function requires some explanation. In fact, the real meaning of parsing is the explanation of the function of a certain word in a sentence Nothing is more difficult, for example, than the differentiation between participles and gerunds in definition and it is only by examining their use in sentences that we can have any real knowledge of them. Once we have grasped the fact that a

"whom" instead of "who" if he has no clear conception of what the objective case is.

One of the greatest difficulties which the teacher of grammar has to face is the fact that English grammar is a very nebulous affair and that, like most things English, it does not conform easily to set rules. So great an authority as Dr. Johnson went so far as to express his opinion that no English grammar could be written. Since his time, however, the language has tended to become more regular and we have now a few satisfactory books on the grammar and structure of English. One of the most valuable of these from the point of view of the more advanced student is "An Advanced English Syntax" by Dr. C. T. Onions (Kegan Paul, 3/6), a book written scientifically by one of the leading authorities on the English language.

We have however to consider, from the point of view of the teacher, what should be the aim of the teaching of grammar. The ultimate aim, that of writing and speaking the language correctly, is obvious, but there is a subsidiary aim of great importance. That aim is, to teach the *function* of every part of the sentence. Without an adequate consideration of function the teaching of grammar is useless and even harmful. We must set out to discover the exact work done by each word in a given sentence.

English has lost most of the inflexional endings which in most languages distinguish the various parts of speech. In fact in English there are few words which cannot be more than one part of speech according to the work they do in a particular sentence. It is therefore useless to attempt to discuss any questions until this idea has been fully grasped. By a careful use of this method the pupil is able to get down to the very bones, so to speak, of the language, and see for himself how each sentence is built up. The real meaning of every part of speech has to be understood completely before its full significance can be appreciated. The function of an adverb, as we all know, is to modify a

The Teaching of English Grammar

BY

F. J. A. Harding, M. A. (Oxon)

Professor of English, Osmania University.

During the last decade ideas on the teaching of English Grammar have been revolutionised. For many years it was believed that there was no need to teach grammar formally at all and that everything necessary to good writing could be learnt from a study of good literature. This belief persisted and still persists in many quarters, but it has been a matter of concern to serious teachers of the language that such a haphazard method should be considered as the only satisfactory one. When it was found that a decline in the standard of accuracy had set in, a reaction naturally followed and grammar is now taught consistently and thoroughly in all schools in England. When the present writer was teaching in an English public school, he made it a habit to devote at least two hours a week to grammar of one kind or another in junior and middle forms and one hour a week in senior forms. This is the usual amount of time now allotted to the subject in most schools.

If this is necessary in schools where pupils are studying their own mother tongue, which they may be expected to speak with reasonable accuracy of their own accord, it is surely much more necessary when the language is being studied as a foreign one. When one reads a number of essays or examination papers written by students in the universities, one is appalled by the elementary mistakes which occur. If the necessary training were given in the early stages of education, these mistakes could not be made. It is particularly noticeable that pronouns and relatives cause great difficulty to many students, although these parts of speech are the most regular in the language. It is, however, useless to expect any one to know when to use

to be taken that these do not degenerate into mere picnic parties. They should be carefully planned with certain definite objectives.

It is not impossible to dramatise certain geographical phenomena. Every school museum may also have a geography section attached to it.

Now that the Madras University has made Geography a special subject for its Degree Examination, a little thought might be given to the question of framing our school curriculum on the basis of geography, i. e. on the physical environment of the child. There is much truth in the suggestion of Dr. Cousins when he remarked in his Presidential Address at the Fifth Geographical Conference, "*Geographise* all Education". How to do that does not fall within the purview of this article. Closely allied to this is the question of the correlation of Geography with other subjects in the curriculum. A treatment of this subject on these lines may be reserved for another occasion.

depend largely on the geography of the country in which we live. Numerous examples could be cited to substantiate the truth that the history of a country has been affected either for better or for worse by the mere situation of particular towns. *The sea boundaries of India and the passes* on the frontiers have made the current of her history flow in a particular direction. It seems that geography is the only subject which can be taught without the aid of text-books, provided we have enough maps and charts for that purpose. A few years ago when I mentioned to my Inspector of Schools that we had no text-books on Geography for our II and III Standards, he pertinently remarked: "Frame a suitable syllabus and teach the subject. Geography is a subject that need not be and should not be restricted to text-books." Today I realise the significance of the remarks of that far-sighted Divisional Inspector of Schools. There can be no denying the fact that maps, charts and graphs are of greater importance than the dull and insipid text-books.

Next in importance come the "Lantern show and the exhibition of Educational films". A few sets specially prepared should suffice to cater to the needs of our schools. Such films as deal with the history of the Asafia Dynasty, the Singareni coal mines, the cultivation of cotton, the manufacture of Bidri ware and Paper and such other subjects will be suitable for exhibition in our schools. When one realises the significance of the good work done by the Medical Department in regard to the films on malaria, plague, and cholera, one feels that equally good results could be obtained by the preparation of special films for the use of schools in these Dominions.

Thirdly, we can think of School Excursions for this purpose. Now that we have a Bureau of Extra-Curricular Activities and that our Railway Department also has provided great facilities, we can arrange for geographical excursions without much difficulty. Care, however, will have

The Place of Geography in the School Curriculum Article II*

BY

G. A. Chandavarkar, M. A.

In the last article on the subject an endeavour was made to emphasise that the study of geography should be really the study of the "Abode of Man". For such a purpose, in addition to a rational curriculum and enthusiastic teachers to teach the subject in an interesting and instructive way, certain aids are necessary to make pupils visualise geographical facts and phenomena. To such aids a brief reference is made in this article.

When we think of the aids to the study of geography, the first place should be given to suitable maps, charts and graphs. In addition to political maps, there should be commercial, agricultural and ethnological maps, in which prominence is given to trade routes, railway lines and the fauna and flora of the countries. Special charts showing the imports and the exports, and graphs dealing with the rainfall and temperature should adorn the walls of the Geography rooms of schools. In fact, the aims of these should be to give the pupils a right conception of Historical Geography, i. e. the study of the effect of surface relief upon political and racial boundaries and upon national life. In the history of man's civilisation it is possible for us to imagine a time when the primitive man could exist without any knowledge of literature or of the sciences but we can hardly think of a time when he could have done so without a knowledge of geography of his environment. His whole life then was moulded by the local soil, seasons and products. Even now when civilisation has far advanced, geography touches our life closely at every point. Our foods and drinks, our dress and habitations, even our religions, depend largely

* See the Hyderabad Teacher Vol XII No. 4 April—June, 1938.

difficult task and I do not think I should insist in the beginning on pupils' giving a well arranged proof, but certainly I shall, later on, when they, at any rate many of them, will be able to do so.

Every one acknowledges to-day that in the solution of riders there should be plenty of analysis, at least for some time in the beginning of such an activity. For it makes the synthetic proof that follows significant and meaningful. A teacher may work out a hundred problems on the blackboard and yet leave no impression upon the mind of the student. But a few riders analysed with the class occasionally will, I am sure, develop and foster in them the ability to *think*. I can imagine a boy who has been taught in this way saying (whenever a rider is given) "Well, I have to prove A. I can prove A, if I can prove B; I can prove B if I can prove C. But I can prove C because it is here in the problem. Therefore I can prove B. That is I can prove A." It is this kind of analytical thinking that our boys stand in great need of. They can never think if you say "Think boys; can't you?; it is so simple." They should be *trained to think.*

This brings me to the last point I wish to mention. That is, there should be a certain amount of discussion, not gossip, in mathematical lessons. It has been my experience that boys readily and actively participate in discussions and learn something useful, which they may not otherwise learn. But whether a discussion is a success or a failure depends entirely on the teacher. Class-discussions should not be freely indulged in but should be used sparingly and with great caution. In conclusion, I may suggest that the parallel postulate, congruence of triangles, the ambiguous case in the construction of triangles, among others, are topics that lend themselves most suitably to class discussion.

definition is satisfactory because the angle is fundamental to the study of geometry. As in the teaching of the angle, so in the teaching of tangents (by the method of limits) and loci in the higher forms, the ***dynamic aspect*** should be specially emphasised.

Middle school classes are very important because it is there rather than in the primary section that pupils pick up more definite and more scientific ideas about the fundamental concepts; there, in fact, the real foundations of geometry are laid.

Therefore it is the duty of teachers to see to it that pupils get correct ideas of what form the bricks of the subject, because, later on, the process of unlearning the wrong and then learning the right is difficult and irksome, and often impossible. The procedure in the early stage should not be through severely deductive lessons devoid of all concrete experience. For the first stage consists in the learning by the pupils of large number of facts and ideas through experience, observation and intuition. If geometric work is properly co-ordinated one could reasonably expect a boy passing Form III to possess a knowledge of geometrical facts, ideas and constructions, which would be a firm and adequate basis for the study of theoretical geometry, usually begun in Form IV. Now, there are still some teachers who insist on boys of Form IV learning the proofs of theorems. I admit that the theoretical course purposes to teach *logic* and to make the pupil understand what a proof is. But I maintain that there is not the required amount of preparedness on the part of the pupil just then for such work. The early theorems on angles at a point, parallel lines and congruent triangles should be taught in a very practical way and remembered as so many assumptions and used to solve simple problems on figure-study. Proofs of theorems are not so important as the ability to use these in the solution of riders, which, of course, should be simple to begin with. Writing down the steps of a proof is a

I do not think so. The modern tendency is to encourage a boy to use all the tools at his command, and use them skilfully so as to reduce the chances of error to a minimum. It is well to remember that all measurements are at best only approximate. Instead of spending much time on decorative and spectacular work, it is worth while to make boys see the *need for indirect measurements* in the determination of distances and heights, breadth of a river, height of a building, a hill or a tree, etc.

Another tendency of the present-day teaching of geometry is to introduce *experiment* wherever possible, thus providing opportunities for pupils to *do*, and to judge and discover things for themselves. For instance, the angle-sum property of a triangle can be effectively taught in Form II by a simple paper folding exercise, or by tearing off the corners of a triangular piece of paper and pasting them upon a cardboard or in a note book in such a way that the three corners come to a point and the angles lie, one by the side of other, and by guiding the pupils to notice the straight angle so formed.

One of the things that even boys of Form III sometimes do not seem to know well is the *angle*. How do we teach it? Perhaps we say that an angle is the inclination, which one straight line makes with another. Terms like inclination, gradient, change of direction and rotation are as difficult as the term angle itself, and therefore do not much facilitate a boy's grasp of the complete idea. Of these rotation is certainly the best. For, to teach that an angle is an amount of rotation or turning, helps a pupil to see that it is neither the point where the arms meet or diverge from, nor the indefinite space bounded by the arms, and that its magnitude is independent of the size of the arms. A good-sized model of a clock-face with movable hands, and reference to the commands given in physical training classes, will, I am sure, go a long way to reveal to the pupils something of the real nature of the angle. No

him to work out things all right. Very often definitions given by pupils are redundant and should be corrected at once. Ordinarily a pupil defines a rectangle as a parallelogram with *all* its angles right angles. If the rectangle is introduced at the proper place, its definition should be—a parallelogram with one of its angles a right angle. Errors should not be tolerated.

I have discussed at some length the place of definitions in the teaching of geometry. Now to a consideration of the work to be done in the lower forms. Elsewhere in this article I have outlined the syllabus in geometry for Form I. The practical geometry includes, besides other things, drawing of straight lines to given measurements, and measuring lines in inches and in centimeters. And there the work with lines stops. What is more important and useful from a practical point of view is the estimating of distances between two points on a paper, in the class-room or out on the play-field.

The general tendency is to make the work purely mechanical instead of making it practical, giving undue prominence to the Euclidean (ruler-and-compasses) constructions. Where is the necessity for a boy to use two instruments to bisect a straight line AB 4 8" long? Is not the six-inch rule sufficient to determine the middle point of AB? It is argued by some that figures obtained by employing Euclidean constructions are accurate and neat. But what one often fails to realise is that they are wasteful of time and energy. If the problem is to bisect a straight line AB 4.5" long, then the boys must be made to see the unscientific nature of fixing the middle point by eye-judgment and to appreciate the usefulness of the ruler and compasses as the best means of achieving the object in view. Again why should not a boy use a set-square to construct perpendiculars? It is difficult to see the special advantages that there are in the use of the ruler and the compasses. Is the set-square meant exclusively for drawing parallels?

word, resorts to the substitution of a mere familiar word, and unless the teacher is on the alert the boy might learn wrong definitions. Here is a story of a teacher who put the following question to a pupil. "What is a straight line?" The boy's ready reply was "a straight line is that which has length but no *breath*". "Well then" said the teacher "translate it into your mother tongue". Urdu happening to be the boy's vernacular the translation ran thus.

خط مستقیم وہ خط ہے جسمیں طول ہولیکن تنفس نہو -

To a young boy a point is the place where two edges of a cube (or a rectangular solid) meet, a straight line is only the edge of a cube, and parallel lines are the parallel edges. He learns everything with reference to physical reality; anything that does not *exist* has no impression upon his mind. The slogan—"Thing before words"—has considerable truth, and needs to be kept in mind whenever a geometric idea is newly introduced, especially, in the lower forms. A small dot, made on the blackboard or on a paper, gives a boy a better idea of a point than a string of words forming its definition. The smaller the dot the better does it represent and the closer does it approximate to a geometrical point. Sometimes a teacher is forgetful of the fact that definitions of the fundamental concepts, strictly speaking, are no more than hypotheses. As it very often happens, he is ignorant of their nature. In the light of these observations, the effective method of imparting the elementary notions to young pupils seems to be the presentation of concrete material, things and objects, which will have a powerful multiple-sense appeal. The procedure should not be from point to line, line to plane, plane to solid but exactly the other way about. Formal definitions may be deferred to a later day. For "*definitions are an out-growth of work rather than a basis of it*". It is wrong on the part of a teacher to expect a child to know the complete definition of a thing. All that he can reasonably expect of him is a *good description*, and he should be satisfied if the child's definition helps

but the difference is that a pupil brings to bear upon the study a mind that is already familiar with geometrical ideas. But what do we teach first? Under the old method definitions of the fundamental concepts like point, straight line and plane were taught first. A reason for such a practice seems to be the fact that they are generally found at the beginning of a text book. Another, perhaps, is the belief that they form the basis of geometry and therefore they deserve to be considered first. These reasons, apparently, are very convincing to the mature mind. As to whether the old practice is justifiable from the point of view of a young pupil is a question that deserves careful consideration. We should not forget that the child learns very much in the same way as the human race has learnt. But this does not however mean that he should repeat the failures of the race, rather it means that there is need for an understanding of his nature. A sympathetic insight into the child's nature and psychology shows that definitions of the elementary notions are far too hard for a young boy. The definitions which he repeats are very little more than a meaningless babble. The other day I came across a question paper set for Form I in which the following were found: 1. What is a point? 2. What is a straight line? 3. What is a plane? It is very likely, on the face of it, that the examiner expected the pupils to supply answers such as— A point is that which has position but no magnitude, a straight line is that which has length but no breadth; and a plane is that which has length and breadth but no thickness. The old method is still popular because a teacher's conservatism is impervious to the wholesome influence of modern trends and constructive criticism. We teach very much in the same way as we have been taught. Supposing the pupils in the case mentioned above gave correct answers, I wonder, how far any of them understood the meaning of a word like, for instance, *magnitude*. Sometimes a pupil, being unable to understand the meaning of an uncommon

Plan drawing in the lower classes is a very good activity for the opportunity it affords young boys in the use of the foot-rule, set-square and compasses. Children should be trained to draw plans of their own class-room and the school, showing the various objects, at any rate, the more important ones, with their relative positions and sizes. If they have to represent a well or a circular park, they should be allowed to use compasses to draw circles.

The circle is a figure that can be easily introduced in the standards not only for its usefulness in plan-drawing, but also for its usefulness in the teaching of fractions. A circular piece of card-board not very thin, may be cut, for instance, into halves. Then by superposing one on the other children might be enabled to see that two halves are equal, that there is no such thing as a greater half or lesser half, and what is more important still, that a half is not an isolated fraction, but it is always half of a whole. Similarly with quarters and eighths and sixteenths. Further the relation between any two of these fractions $\frac{1}{2}$, $\frac{1}{4}$, $\frac{1}{8}$ and $\frac{1}{16}$ could be shown in a very practical manner. After this addition and subtraction of simple fractions could be demonstrated. $\frac{1}{2}+\frac{3}{4}$ could be shown to be $\frac{2}{4}+\frac{3}{4}$ which is the same as one whole circle and a quadrant i. e. the answer is $1\frac{1}{4}$. At the same time, pupils will develop familiarity with geometric forms like the rectangle, square, circle and sector, without actually knowing their definitions. All this demands thoughtful planning and careful organization of the subject, which means the whole hearted co-operation of the teachers concerned. The important principle to keep in mind is not to group all geometric work into one grade, but to introduce it gradually and make it co-extensive with the course in arithmetic and algebra.

Upto Form I, generally speaking, all geometric work is more or less incidential, at any rate there is nothing regular or systematic about it. It is in this class that practical geometry as such is begun as it was done some years ago,

to the young boys. They would have Form I boys construct regular polygons and Form III boys prove theorems. There is no exaggeration whatever in what I have mentioned above. One has only to look round to see the defects and abnormalities in the teaching of the subject. They cannot escape the notice of even the most casual observer. Some of my readers may argue that these irregularties are confined to a particular school or a few schools, but I believe that these are universal. I do not like to say that the masters handling this subject in the lower forms are entirely at fault, but I do say that such a state of affairs is due to lack of co-ordination of work and of co-operation of masters. It is essential, therefore, that all mathematics-teachers of a school should come together at least once or twice a term, if not more often, to see what each of them has been doing, and to give and take suggestions which will help to produce better teaching.

One cause, and that an important one, responsible for the utter ignorance, on the part of some boys, of geometrical forms, facts and simple geometrical constructions, seems to be the late beginning of the study of the subject. Why postpone it to Form I? Children of Standard III are so familiar with rectangular objects, books, the class-room and the black board that they could be made to draw rectangles and to work out a few simple exercises on perimeters and diagonals. Sums like the following, for example, could be taught—"A tennis court is $78' \times 39'$. What is its perimeter?" "A field is 265 yards by 175 yards. How long will it take a person to walk round it at 2 miles per hour?" Or again, "A rectangular garden is 230 yards by 115 yards. Find the length of wire required to fence it all round with three complete turns?" It is profitable to get the pupils draw plans (in a rough way) of the court, the field and the garden before they try to solve the problems. Why not tell the pupils about the right angle which they can easily learn by observing the corners of a room, a book, or a table?

four, eight and sixteen equal parts, using *ruler and compasses* only. Then followed the construction of an angle equal to a given angle, bisection of angles and problems similar to these. Though all this went by the name of practical geometry, it did not appeal to the young boy because he could not see any immediate use for it; it was all far removed from the realities of life and human needs. The boy felt that geometry was a subject which he could not avoid, as it formed a part of mathematics. He was obliged to learn something somehow or other because he could not help taking a separate paper in algebra and geometry, besides one in arithmetic, for purposes of promotion. It is a practice in many schools nowadays to set a combined paper in elementary mathematics including arithmetic, algebra and geometry for the very good reason that a compartmental treatment of these subjects is against the very spirit of mathematics-teaching and that there is no need for a separate paper in algebra and geometry as long as the three branches have been properly correlated. This, instead of bringing about the desired improvement, has had a very harmful effect in many cases, the boys suffering in the long run. I have observed several teachers overdoing arithmetic and neglecting geometry almost entirely. The other day I put this question—how many parts (elements) has a triangle?—to a new set of Form V boys, and I was surprised to get such answers as, *one* i. e. the triangle itself, *two* i. e. sides and angles, *three* i. e. three sides or three angles. These are anything but right. It was sometime before the pupils could see that a triangle has six elements—three sides and three angles. Instances can be easily multiplied to show that geometry is neglected and that it is not taught as it should be. Pupils suffer particularly when the subject is entrusted to or thrust upon a teacher who is not qualified to teach mathematics. What one wonders at is the fact that boys pass to higher classes without anyone noticing the defect. There is another class of teachers. They are very ambitious in their work. Their enthusiasm does more harm than good

The Modern Trend in the Teaching of Geometry

BY

T. Wesley Manikyam, B. A., L. T.,

Wesley High School, Secunderabad.

I make no pretension whatever to describe a method which would be a panacea for all the defects and drawbacks in the teaching of Geometry as it is carried on at present. It is difficult to say what precisely the modern trend is. While some of the things mentioned here are, in all probability, far too old to be called modern, there are others, perhaps, that are so new that they may easily escape the notice of any reader. I only hope that this article will provoke some thought at least in the minds of those teachers who handle Geometry not only in the higher forms but also in the standards and middle forms.

By the teaching of Geometry I mean the teaching of the subject as a whole, that is, in its two aspects—practical and theoretical—and also its organization in the various departments of the school. For success depends not on method alone, but also on the number of geometrical facts taught and learnt by pupils from class to class.

Some years ago the study of the subject was begun in Form I. Definitions were amongst the very first things taught, and boys were expected to learn by heart statements such as—a point is that which has position but no magnitude, a straight line is that which has length but no breadth; a plane is that which has length and breadth, but no thickness. Efficiency of teaching was measured by the readiness with which a pupil could repeat these, though he had no intelligent understanding of the meaning of the words he uttered. After definitions came some excercises such as drawing straight lines and measuring them in inches and centimeters, division of straight lines into two,

Phonetic Transcription

I. *Urdu*

کریم اس سوال کو حل کر سکتا ھے۔

Kʌri:m is sʌvɔ:l kou hʌl kʌr sʌkθɔ: hai.

II. *Telugu*

ఈ పుస్తకము విలువ ఐదు రూపాయలు.

i: pusθʌkʌmu viluvə aiðu ru:pɔ:jʌlu.

III. *Marathi*

हिंदुस्थानांत पुष्कळ जातींचे लोक आहेत.

Hinðusθhɔ:nɔ:θ puʃkʌɭ zɔ:θi:ntʃei louk ɔ:heiθ.

IV. *Tamil*

அவளுக்கு மாம்பழம் என்றால் ரொம்ப பிரியம்.

ʌvʌɭukku mɔ:mbʌʒəm enrɔ:l rombə pirijʌm.

V. *English*

He says, "My ring is made of gold."

he: sez, "mai riŋ iz meid ɔv gould."

It will thus be seen that there are about 50 sounds in English and only 22 letters are pressed into service. There are, of course, about 10 symbols which are not obtained out of an inversion or a combination of letters. A language like Urdu, Hindi or Telugu has more than 50 sounds. Therefore the *simple* adoption of the Latin script will not meet the end we have in view. Nor does there appear to be any special need to strike a new path in the matter of making it phonetical.

I may point out in the end that even after enriching the phonetic script with the addition of such other new sound-symbols as may be necessitated by the Indian languages, some difficulties are bound to persist. But they will be only minor difficulties, and will not be serious. I am sure that the adoption of the phonetic script will mean the adoption of the simplest common script for all our languages, and it is also likely to bid fair to become one day the *International Script.* It will sweeten the lives of pupils and teachers in the class room, and of people outside. It will have the immediate effect of making the teaching of English in our schools brighter and more effective. I have already ventured to point out, in a previous number of this Journal, the imperative need there is for a teacher of English to have a sound knowledge of phonetics. The fact that the West, which is already familiar with the phonetic script, has not as yet accepted it as a common script should be no argument against our making the venture. It may yet be given to the East to lead the West. We are, without doubt, entitled to take advantage of the experience of others but we should not set a premium on a blind imitation which will only plunge us into the same pitfalls into which the Westerners have been ensnared and from which they are even now struggling to get out. After all, the light that dawns in the East is also *the* light which illumines the distant West.

readers to judge for themselves the soundness of my contention that these can be mastered without any undue effort.

The Latin Alphabet

Vowels	....	(a), e, i, o, u	5
Consonants	Soft—b d v g z		10
	Hard—p t f k s		
Special consonants		h, (j), w	3
Liquids	....	l, m, n, r	4
			22

The 4 letters c, q, x, y are not in use. The simple vowel 'a' is not used either.

Special Phonetic Vowels (9)

i:	as in *see*	ɔ:	as in *saw*
æ	,, ,, *cat*	u:	,, ,, *too*
a:	,, ,, *father*	ʌ	,, ,, *up*
ɔ	,, ,, *not*	ə:	,, ,, *bird*

ə as in Chin*a* or Cathedr*a*l

Diphthongs (8)

ei	as in d*ay*	iə	as in h*ere* or h*ear*.
ou	,, ,, g*o*	ɛə	,, ,, th*ere* or ch*air*
ai	,, ,, fl*y*	ɔi	,, ,, b*oy*
au	,, ,, h*ow*	uə	,, ,, t*our* or p*oor*

Special Phonetic Consonants (8)

ŋ	as in lo*ng*	ʒ	as in mea*s*ure
θ	,, ,, *th*in	(j)	,, ,, *y*es
ð	,, ,, *th*en	tʃ	,, ,, *ch*in
ʃ	,, ,, *sh*ip	dʒ	,, ,, *j*am

The vowel 'o' is only a variant of the phonetic vowel 'ə'—e.g., molest or məlest. The three remaining vowels—e, i, and u—have the sounds illustrated in the words: g*e*t, *i*t, and p*u*t. The consonants—barring, of course, (j)—and the liquids do not require key-words.

on our part, I feel, would be quite unintelligible, unnatural and unjustified, because it is quite unnecessary.

The Latin script will be an alien script to us. In our attempt at evolving a new script and increasing its efficiency and possibility, we should naturally aim at simplicity also. For efficiency always goes with simplicity. Sentiment is out of place. I am generally averse to lose my patience but I do lose it with people who make frantic efforts to preserve the so-called integrity of some of the *pure* languages of the East, for I hold that a living language cannot thrive in isolation and that it is entitled to good accretions from other languages, and also to coin new words to meet the changing needs of a changing world. Therefore my humble submission is that when we go in for a common simplified script we must think *only* of the *International phonetic script,* and when we meet with a new sound in any language, we should add a new sound-symbol and thereby make even the phonetic script a living, growing script, instead of allowing it to remain in its present state of stagnation. The phonetic script is not perfect, as in fact nothing can be. But it certainly makes the nearest approach to perfection, and could be learnt with as much ease as the Latin alphabet to which it is closely allied. An unphonetical script is an unscientific script. An unscientific script is an undesirable script. It will not be a wise step, therefore, at this stage of our evolution, to borrow a script which is diametrically opposed to the genius of our indigenous languages.

The suggestion is sometimes made that the Latin script may be rendered phonetical by placing one or two dots above or below a letter. I fail to see how that will improve matters or be an improvement upon the existing phonetic script which enjoys the advantage of being already known to a vast number of people, both in the East and the West. It may not be out of place if I now give the phonetic symbols in actual use at the present day and invite my

the script and has succeeded wonderfully. But to me the adoption of this script does not appeal, does not even seem wise. It will betray us into fresh difficulties. In the absence of a better substitute, I would prefer the existing scripts. The Latin script is in use in almost all the countries of the West, including modern Turkey, and a casual enquiry into the pronunciation of some words taken from the language or languages of each of those countries will reveal to us that there are other languages, besides English, which are comic, if not startling, in their systems of spelling. The recognition of the individual letters composing a word does not necessarily help us in its pronunciation. The adoption of the Latin script is not calculated to achieve anything more than such a recognition. The one reason which seems to weigh with those who advocate and favour the adoption of the Latin script is its being the accepted script of the West. We need not be sentimental ; but it behoves us to be circumspect and far-seeing, and to rise above slavish imitation.

Whatever must be the rightful place of English in our curriculum now and whatever may be its place in the future, we know that the Latin script has been found sadly wanting with regard to the English language. *The Latin script is exceedingly unphonetical.* It is therefore a nuisance. But the great virtue of a nuisance is that it makes itself felt sometime or the other. The prevailing anarchy in the matter of English spelling is now being felt keenly and attempts are being made to reform it, although I am not optimistic enough to think that such attempts would be anything but ineffectual, *owing to the inherent defect of the Latin script.* It is inadequate to express all the sounds of the English language. But then, the Latin script is an agelong heritage of the people of the West, and so a certain degree of stoic heroism towards it on their part is quite intelligible, even natural and justifiable. But such a heroism

all the stages of instruction, is likely to prove only a chimere. Even if it should be a possibility, it will be no guarantee of internal harmony. We might bear in mind the American treatment of the Negroes. Again a diversity of languages need not mean or portend internal dissensions. Switzerland is an instance in point.

But I am far from asserting or admitting that it is not possible to make one of the languages of India the medium through which the vast mass of our countrymen and countrywomen can express their thoughts adequately for social and commercial purposes. Speaking of British India only, except for the people of the Madras Presidency, all can understand the spoken Urdu or the spoken Hindi, which is popularly known as '*Hindustani*'. The Madrasi has, however, a special knack for languages, and so in spite of the present artificial and manufactured opposition to the compulsory introduction of Hindustani in the lower forms, one may expect that very soon Madras will be on a par with the other provinces in regard to Hindustani.

Nevertheless the need for the development of the indigenous languages of India already exists or will be found to exist on careful examination. Some of them are phonetical to a nicety and others are not, owing to the presence of silent letters, peculiar spellings or other reasons. The learning of any language is difficult enough, but the learning of a language other than one's own mother tongue is still more so, especially if it is not phonetical. My own submission is that the genius of a language consists in the peculiar melody of its sounds and the correct pronunciation of words with, as far as possible, the right intonation. A common script for all the languages of India —nay, for most of the languages of the world—can be devised without much difficulty.

Many people advocate the adoption of the Latin script as a panacea for all the ills which arise out of the divergent scripts in our country. Turkey, they point out, has adopted

A Common Script for India

BY

T. A. Lingam, B. A., L. T.

This vast country of ours is inhabited to-day by people who neither form, nor promise to become even in the very distant future, a homogeneous group. Their religions differ, their cultures differ. This fact is by itself enough to make us realise that politically the India of the future can only be a Federation of States. Culturally too she cannot be otherwise; she is bound to have different cultural groups, and each group will have a language of its own.

This diversity of cultures is at present one of the causes of disharmony in our public life. The retention of English as the only medium of collegiate education, which is the case everywhere except in H. E. H. the Nizam's Dominions, will only serve to perpetuate the cultural disharmony in every home. It is no good closing our eyes to realities and imparting higher values to appearances.

The official outlook on education in all the provinces and States of India is now undergoing a rapid change, which has been long overdue. The medium of instruction in most of the schools even in British India is the language of the locality, and very soon it shall be so in all the schools. It is also only a question of time for a University to spring up in each linguistic area wherein the language of that area will be the medium of instruction. The multiplication of Universities will naturally give an encouragement to the separatist tendencies already visible in India. Therefore, for a United India we should depend only on a political unity of outlook, on a correct appreciation by all of the common good of the country. A common language for the whole of India, which can replace English as a medium at

The Hyderabad Teacher

CONTENTS.

VOL. XIII No. 2

THE HYDERABAD TEACHER

OCTOBER—DECEMBER 1938

Quarterly Magazine of The All-Hyderabad Teachers' Association
Under the Patronage of
SYED MOHAMED HUSAIN JAFERI Esq., B. A., (Oxon).
Director of Public Instruction.

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1938.

EDITORS' NOTICE.

Articles meant for publication in this Journal must be addressed to the *Editor-in-Chief*. They should be either typed or written legibly in ink and signed by the author giving in full his or her address. The *Editorial Staff* does not necessarily share the views expressed in the articles published, but it reserves to itself the right to make such alterations in the articles received as it may deem necessary and proper before publishing them, and also to withhold their publication without assigning reasons. Original articles containing practical suggestions bearing on topics of general or educational interest will be very much appreciated. When an article is not approved, it will be returned to the author provided it is accompanied by a stamped and addressed envelope. When it is approved, a complimentary copy of the issue in which it appears will be sent to the contributor.

MANAGER'S NOTICE.

Subscription Rates.

	For H. E. H. the Nizam's Dominions, including postage.						For British India including postage.					
	Per annum.			Per copy.			Per annum.			Per copy.		
	O. S.			O. S.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps	Rs.	As.	Ps	Rs.	As.	Ps.	Rs	As.	Ps.
English & Urdu Sections combined ...	3	0	0	0	12	0	3	0	0	0	12	0
English Section separately ...	2	0	0	0	8	0	2	0	0	0	8	0
Urdu Section separately ...	1	14	0	0	8	0	1	14	0	0	8	0

Members of any of the Teachers' Associations affiliated to The All-Hyderabad Teachers' Association may obtain back numbers of *The Hyderabad Teacher* at concession rates.

Advertisement Rates.

Space.	Whole Year.			Six Months.			Per Issue.		
	B. G.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.
Full page	12	0	0	6	0	0	4	0	0
Half page	6	0	0	3	8	0	2	0	0
Quarter page	3	0	0	1	12	0	1	0	0
Per line	0	10	0	0	8	0	0	6	0

Address:

D. P. I's. OFFICE,

HYDERABAD-DECCAN.

VOL. XIII No.

THE

HYDERABAD TEACHER

OCTOBER—DECEMBER 1938

Editorial Staff

S. ALI AKBAR, M. A. (Cantab.) *Editor-in-Chief.*

SALIM BIN SAYEED, B. A., B. T., M. Ed. (Leeds).

T. A. LINGAM, B. A., L. T.

Miss. J. NUNDY, M. A.

SECUNDERABAD-DECCAN

PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD

1938.

کانفرنس نمبر

حیدرآباد ٹیچر

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم اے (کنٹب) مدیر مسئول عبد الرؤف صدیقی بی اے بی ٹی (علیگ)
سید امیر خان بی اے نائب مدیر (عثمانیہ) فخر الحسن بی اے بی ٹی (علیگ)

مقاصد

(۱) طبقۂ اساتذہ کے احساس معلمی کو بیدار کرنا۔
(۲) طبقۂ اساتذہ کے مخصوص انفرادی تجربات معلمی کو شائع کرنا۔
(۳) فن معلمی پر نفسیاتی حیثیت سے نقد و نظر۔
(۴) انجمن اساتذہ کے مفید مقاصد و اغراض کو ملک کے طول و عرض میں مکمل طور پر پھیلانا۔

قواعد

(۱) رسالہ کا نام حیدرآباد ٹیچر ہوگا۔ اور ہر سہ ماہی پر صدر دفتر انجمن اساتذہ بلدہ سے ماہ ہائے شہریور۔ آذر۔ اسفندار۔ خورداد مطابق جولائی۔ اکٹوبر۔ جنوری۔ اپریل میں شائع ہوگا
(ب) رسالہ کی سالانہ قیمت بہ تفصیل ذیل ہوگی۔
اندرون و بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی تین روپیہ مع محصول ڈاک سالانہ (سکہ رائجہ)
صرف اردو حصہ (۱؎۲) سالانہ قیمت فی پرچہ اردو انگریزی (۱۲ر) صرف اردو (۸ر)۔
(ج) رسالہ نصف انگریزی و نصف اردو ہوگا جس میں حسب صوابدید تغیر بھی ہو سکے گا۔
(د) صرف وہی مضامین درج ہو سکیں گے جو تعلیم سے متعلق ہوں۔
(ہ) جملہ مضامین و مراسلت دفتر کے پتہ سے ہونی چاہئے۔
(و) اشتہارات کا نرخ حسب تفصیل اشاعت ہذا رہے گا۔

نرخ اشتہارات حیدرآباد ٹیچر حسب ذیل ہے

مقدار	سال بھر	۶ ماہ	فی اشاعت
پورا صفحہ	عـہ	صہ	سے
نصف صفحہ	صہ	عا	صہ ۸ر
ربع صفحہ	عا ۸ر	صہ ۶ر	۱۵ر
فی سطر	۱۰ر	۸ر	۶ر

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن میں طبع ہوکر معتمد انجمن اساتذہ ممالک محروسۂ سرکار عالی مقیم دفتر نظامت تعلیمات سے شائع ہوا

جلد ۱۳ — شمارہ (۳)

زیر سرپرستی جناب سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم۔ اے (کنٹب) مدیر مسئول۔ عبدالنور صدیقی بی۔ اے بی ٹی (علیگ)
سعیدالدین خاں۔ بی۔ اے ڈپ۔ ایڈ (عثمانیہ)۔ ملّا سید فخرالحسن بی۔ اے بی ٹی (علیگ)

حیدرآباد ٹیچر

بابتہ اسفندار لغایتہ اردی بہشت ۱۳۴۸ف

جلد ۱۳ — شمارہ ۳

فہرست مضامین

انجمن اساتذۂ کُل حیدرآباد کی دوسری سالانہ کانفرنس

خطبۂ استقبالیہ

از

جناب مولوی سجاد مرزا صاحب ایم۔اے ڈکینٹب ای۔ ٹی (لنڈن) پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ

جناب صدر، معزز خواتین و حضرات!

میں اس امر کو بڑی عزت و افتخار کا موجب سمجھتا ہوں کہ مجھے جناب والا کو اور تمام مندوبین اور معزز مہمانوں کو خیر مقدم کہنے کا موقع دیا گیا ہے۔ ہمیں بڑی مسرت ہے کہ جناب والا نے اس کانفرنس کی صدارت قبول فرما کر عزت افزائی فرمائی ہے۔ جناب والا کے سوا ہمیں اور کوئی اب نظر نہیں آتا جو مدرسین کے بحث و مباحث میں رہنمائی کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہو۔ جناب والا کے والد محترم نواب عماد الملک بہادر مرحوم کو ہر مدرس ممالک محروسہ سرکار عالی کی جدید تعلیم کا بانی خیال کرتا ہے جناب والا نے ان کے دل و دماغ کے اوصاف نہ صرف ورثہ میں پائے ہیں بلکہ ان خوبیوں میں تبحر اور علم و عمل تعلیمات کی عمیق اور بیکراں واقفیت کا اضافہ بھی فرمایا ہے۔ ہم جناب والا کے بیحد مشکور ہیں کہ ہماری التماس کو قبول فرما کر عزت افزائی فرمائی گئی۔

یہ کانفرنس کُل حیدرآباد انجمن اساتذہ کی دوسری کانفرنس ہے مگر ہمارے لئے اساتذہ کی کانفرنس کوئی نئی چیز نہیں۔ اس کی تخم ریزی ابتدا ہمارے ممتاز و شہرۂ آفاق ناظم تعلیمات نواب مسعود جنگ بہادر مرحوم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ مرحوم کے عہد نظامت میں اساتذہ کی کانفرنسوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور وہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے مختلف حصوں میں پھیلی پھولیں لیکن حیدرآباد کی انجمن اساتذہ نے بالخصوص میرے قابل دوست مولوی سید علی اکبر صاحب کے زیر قیادت بڑی شہرت حاصل کی۔ جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری موجودہ ناظم تعلیمات نے جو ابتدا ہی سے اس تحریک میں شریک تھے نظامت تعلیمات کا جائزہ لیتے ہی

نہایت جرات کے ساتھ اساتذہ کی انجمنوں کی تنظیم کی جو ممالک محروسہ سرکار عالی کے مختلف حصوں میں منتشر تھیں اور ان کے درمیان کوئی رشتہ اتحاد قائم نہ تھا۔ صاحب موصوف کی ساعی جلیلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے سال کل حیدرآباد انجمن اساتذہ کا وجود عمل میں آیا۔ اب یہ انجمن ایک ایسی نمایندہ انجمن بن گئی ہے جس میں ہر ایک کی نمایندگی کا التزام ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے سب شامل ہیں اعلیٰ گریڈ کے عہدہ دار اور کم گریڈ کے مدرسین۔ اس کی ایک اور خصوصیت بھی ہے۔ اس کے رکن ہر نسل ہر ذات اور ہر مذہب سے تعلق رکھتے ہیں جو ممالک محروسہ سرکار عالی میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک مثالی غیر فرقہ وارانہ انجمن ہے جس کی بالکلیہ بنیاد اس کے پیشہ یعنی مدرسی پر ہے اس کے اہم مقاصد یہ ہیں کہ تعلیمی نظریوں کے متعلق اظہار رائے و عملی تجاویز کرے۔ ارکین کے درمیان میل ملاپ اور تبادلہ خیال کے مواقع بہم پہونچائے اور ان کو مشہور و معروف ماہرین تعلیم سے روشناس کرے ان میں ایسے پیشہ ورانہ احساس کو ترقی دے جو ہماری بیج میل سماج کی سیوا کرے۔

فارسی زبان کی ایک پرانی کہاوت ہے۔

نشستند و گفتند و برخاستند۔

یہ کہاوت ہندوستان کی اکثر کانفرنسوں پر صادق آتی ہے مگر مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ ابتداہی سے ہماری سالانہ کانفرنس اس خطرہ سے بچی رہی ہے۔ ہماری کانفرنس اپنا آخری اجلاس آئندہ کے لئے کوئی اہم کام مقرر کئے بغیر ختم نہیں کرتی۔ وقفہ میں بھی اس کی کمیٹیاں مسلسل کام کرتی رہتی ہیں مگر یہ کام خاموشی سے ہوتا ہے پچھلے سال تعلیم برنائی۔ زائد نصاب مصروفیات تعلیم نسواں اور ثانوی تعلیم جیسے اہم موضوعوں پر رپورٹیں تیار کرنے کے لئے کمیٹیاں مقرر کی گئی تھیں یہ سارے موضوع نہایت اہم اور وقتیہ مسائل ہیں مجھے یقین ہے کہ ان رپورٹوں کی ترتیب کے وقت مقامی حالات اور عملی دشواریوں کا اچھی لحاظ رکھا گیا ہوگا۔ یہ رپورٹیں شعبہ واری جلسوں میں بحث و مباحثہ ہونے کے بعد ہی منظور ہوسکتی ہیں۔

کل حیدرآباد انجمن اساتذہ کا ایک سہ ماہی رسالہ بھی ہے جس کا نام دی حیدرآباد ٹیچر

ہے اس کی ادارت کے فرائض چند نوجوان اور جوشیلے اراکین بڑی قابلیت کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ مجلس ادارت تعلیمی مسائل پر آزادانہ اظہار خیال کی ہمت افزائی کرتی ہے اور رسالہ کا اعلیٰ معیار قائم رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ سالانہ کانفرنسوں کے موقع پر ایسے ممتاز مفکرین کے لکچروں کا انتظام کیا جاتا ہے جو اپنے اپنے فن کے ماہر ہوتے ہیں اس سال ہمارے ماہرین تعلیم کے علاوہ مسٹر مارس نمائندہ بیسک انگلش (بنیادی انگریزی) کی دوبارہ موجودگی خاص کر ہماری خوش نصیبی کا باعث ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تعلیمی اصلاحات کا سب سے مشکل مسئلہ مدرسین کی موزوں تربیت ہے میرا یہ بھی خیال ہے کہ جس طرح امیدواروں کے لئے تربیت ضروری ہے اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی اعادی نصاب ضروری ہے جنہوں نے تربیت ختم کرلی ہے۔ میرا ابتداً بھی یہی خیال تھا کہ میں اسی قسم کے کسی مسئلہ پر زور دوں کیونکہ ایسے مسائل سے مجھے خاص لگاؤ ہے مگر ایک اور اہم مسئلہ ہے جو مجھے یقین ہے کہ فی الحال ہماری توجہ کا زیادہ مستحق ہے۔ میری مراد زبانوں کی تدریس سے ہے خصوصاً ان زبانوں کی تدریس سے جو مادری زبان کے علاوہ سکھائی جاتی ہیں۔ میں نے آج جان بوجھ کر لفظ اجنبی سے پرہیز کیا ہے۔ کیونکہ میری دانست میں ہمسایہ کی زبان کسی طرح اجنبی نہیں ہوسکتی اور یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ ہم دو زبانی لوگ ہیں اور بعض خاص حالات ہم کو سہ زبانی ہونے پر مجبور کر رہے ہیں۔ لیکن کیا تعجب کی بات نہیں کہ اب تک سائنسی اصولوں پر زبان سکھانے کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوئی اہم کوشش اس ملک میں نہیں ہوئی جو زبانوں کا بابل سمجھا جاتا ہے؛ اگرچہ کہ ہمارے ملک کا جاہل آدمی بھی اکثر دو زبانیں بولتا ہے اور ہمارے اکثر ہم وطن زبان سیکھنے کی خاص استعداد رکھتے ہیں تاہم ہمارے مدارس میں زبان سکھانے کا مسئلہ روز بروز مشکل اور پیچیدہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے کئی اہم وجوہ ہیں۔ انگریزی جیسی مغربی زبان کی اہمیت عربی اور سنسکرت جیسی قدیم زبانوں کا اور مادری زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان کا مسلسل مطالبہ مضامین نصاب کی تعداد میں روز افزوں اضافہ؛ ہر تعلیمی منزل کے لئے وقت کے قیود۔ یہ تمام باتیں ایسی دشواریاں پیش کرتی ہیں جن کی نظیر نہ تو ہمارے اور نہ کسی اور ملک کی تاریخ میں ملتی ہے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کی صداقت کے ثبوت کے لئے

کسی مدرسہ کے نظام الاوقات پر سرسری نظر ڈال لینا کافی ہے۔ مدرسوں میں زبان کی تدریس پر بہت وقت صرف کیا جاتا ہے۔ اس سے ایسے اہم مضامین کا نقصان ہوتا ہے جیسے کہ مطالعہ قدرت۔ سائینس اور دستی کام وغیرہ جو ہر ملک کی ذہنی اخلاقی اور مادی ترقی کے لئے بے حد ضروری ہیں۔

اب تک مجھے ہندوستان کے کسی سرکاری۔ نیم سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ کا علم نہیں جو ہندوستان کے مدارس میں زبان سکھانے کا مسئلہ حل کرنے میں مصروف ہو لیکن مجھے کسی قدر فخر ہے کہ ہمارے یہاں اس کی ابتدا کی گئی ہے۔ چند سال سے عثمانیہ ٹریننگ کالج کے بعض اساتذہ اس نہایت اہم و پیچیدہ مسئلہ سے دست و گریباں ہیں انہوں نے سب سے پہلے ہندوستانی زبان کو لیا جو ہندوستان کی عام زبان ہے اور یہ تحقیق شروع کی کہ اس کو بہ حیثیت زبان مادری اور بہ حیثیت زبان زائد سکھانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ انہوں نے جو عمل اختیار کیا اس میں تھارن ڈائیک اور وسٹ کے نمونہ کے کام کو پیش نظر رکھا مگر بہت جلد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ دشواریاں اتنی زیادہ تھیں کہ ان کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ہندوستانی الفاظ کی ایک کارآمد فہرست مرتب کرنا اتنا ہی مشکل معلوم ہوا جتنا کہ کوہ ایورسٹ کی مہم سر کرنا ہے۔ یہ اساتذہ ایسی منزل پر پہونچے جہاں اعتماد کی جگہ شک نے اور امید کی جگہ پستی نے اور یاس کی جگہ رنج والم نے لی۔ اس نازک وقت پر مسٹر مارس حیدرآباد تشریف لائے اور سچے مسیحا ثابت ہوئے۔ مسٹر مارس نے آرتھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ (ادارہ لسانیات) کے ایجاد کئے ہوئے انگریزی پڑھانے کے طریقہ کی جو تشریح و توضیح کی وہ نہایت مفید موثر اور شمع ہدایت ثابت ہوئی چشم زدن میں محسوس ہوا کہ سب نیئی گرداں کے مطابق الفاظ کا اخراج وہ واحد طریقہ ہے جو ہمیں ظلمات کی تاریکی سے نکال سکتا ہے۔

میں جتنا زیادہ غور ان گوناگوں تعلیمی مسائل پر کرتا ہوں جن سے ہم ہندوستان میں دوچار ہو رہے ہیں اتنا ہی زیادہ مجھے یہ یقین ہوتا جارہا ہے کہ دنیا میں روس کو چھوڑ کر اور کوئی ملک ایسا نہیں جہاں ایک ادارہ لسانیات (آرتھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ) کی اس قدر سخت

ضرورت ہو جس قدر کہ ہندوستان کو ہے۔

چاہے کوئی بنیادی انگریزی کے ۸۵۰ لفظوں پر اکتفا کرنے سے اتفاق کرے یا نہ کرے اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے موجدین ۸۵۰ سے زیادہ لفظوں کے سیکھنے یا استعمال کرنے کی ممانعت کرتے ہیں ایک بات یقینی ہے وہ یہ کہ اس کے سخت سے سخت نقادوں کو بھی اس طریقہ میں کوئی نقص نہیں ملا۔ جو آرتھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ نے پیش کیا ہے اور میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ یہ طریقہ ہمارے مدرسوں میں تمام زبانوں کو سکھانے کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ہماری ریاست ابد مدت نے ذریعہ تعلیم کے مسئلہ میں اور ثانوی تعلیم کی تنظیم جدید میں سارے ہندوستان کی رہنمائی کی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ زبانوں کی سائنسی قدریں کے مسئلہ میں بھی ہماری ریاست پیش قدمی کرے گی۔

ہمارے ملک میں جو مختلف لوگ بسے ہوئے ہیں ان کے درمیان اتحاد و اتفاق کو ترقی دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی زبان سیکھیں یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ دوسری زبانوں کے سیکھنے کا طریقہ آسان نہ کیا جائے اس لئے میں اس دن کا انتظار کر رہا ہوں جب کہ ہماری ریاست بنیادی زبانوں کی تشکیل کرے گی جس سے ایک عام رسم خط کے ارتقا کا راستہ کھل جائے گا جو تعلیم یافتہ اور متحدہ ہندوستان میں رواداری کا نشان بنے گا۔

رپورٹ معتمد عمومی

انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی بابت سنہ ۱۳۴۷ ف

از

جناب کے ۔ بی ایر صاحب بی ۔ اے ۔ بی ۔ ٹی معتمد کمشنر امتحانات و مددگار معتمد مجلس تعلیم ثانوی

صدر محترم ٗ معزز خواتین و حضرات !

انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کو قائم ہو کر بمشکل ۱½ سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ اس قلیل مدت میں قیام انجمن کے بعد ہی اس امر کی کامیاب کوشش کی گئی کہ جملہ انجمن ہائے اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی ایک کڑی میں منسلک ہو جائیں ٗ ان میں ایسا ربط قائم ہو کہ اس خوشگوار ہم آہنگی سے طبقہ مدرسین زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکے۔ چنانچہ مدارس تحتانیہ و وسطانیہ کی انجمنیں ضلع کی انجمن سے ملحق کی گئیں اور مدارس فوقانیہ اور ضلع کی انجمنوں کا الحاق صوبہ کی انجمن سے ہوا۔ نیز صوبہ کی انجمنیں انجمن ہذا سے ملحق ہویں۔ کانفرنس کے اجلاس ہر سال بلدہ اور خاص کر مستقر صوبہ میں منعقد ہوا کریں گے تاکہ قصبات و دیہات کے مدرسین بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

گذشتہ سالانہ کانفرنس منعقدۂ بلدہ حیدرآباد میں یہ طے پایا تھا کہ انجمن کی "دوسری سالانہ" کانفرنس گلبرگہ شریف میں منعقد کی جائے۔ تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے کہ عین وقت پر پلیگ شائع ہونے کے اندیشہ سے تبدیلی مقام کی ضرورت داعی ہوئی چونکہ قلیل مدت میں اور کسی ضلع پر انتظامات نہیں ہو سکتے تھے لہذا جملہ انجمن ہائے مستقر بلدہ کی دعوت شکریہ کے ساتھ قبول کی گئی ۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قدر تاخیر سے دوسری سالانہ کانفرنس بلدہ میں منعقد کی جا رہی ہے ۔

سال زیر رپورٹ میں مولوی محبوب علی صاحب طاہر ایم۔اے۔ایم ایڈ انجمن کے فرائض معتمد عموی انجام دیتے رہے۔محکمہ لاسلکی میں صاحب موصوف کی منتقلی کی وجہ سے یہ خدمت آذر سے میرے تفویض ہوئی ہے۔

حیدرآباد ٹیچر انجمن ہذا کے لئے ایک ایسے آرگن کی ضرورت تھی جس میں ایک طرف جدید تحریکات اور مغربی تجارب علمی شائع ہوسکیں تو دوسری طرف انجمن ہذا اور ملحقہ انجمنوں کے مدرسین کے ذاتی تجربوں اور غور و فکر کے نتائج کی اشاعت ہوسکے۔اس کی تکمیل کے لئے رسالہ حیدرآباد ٹیچر (دو زبانی یعنے انگریزی اور اردو) کو انجمن کا آرگن قرار دیا گیا ہے۔رسالہ جس میعار پر پہنچ گیا ہے اس کا مقابلہ برطانوی ہند کے کسی رسالہ سے کیا جاسکتا ہے۔یہ سب مجلس ادارت کی مساعی کا نتیجہ ہے۔مولوی سید علی اکبر صاحب علیٰ حالہ رسالہ کے مدیر مسئول ہیں۔اردو حصہ کے اعزازی مددگار مولوی عبدالنور صدیقی صاحب اور مولوی سعیدالدین خاں صاحب ہیں۔انگریزی حصہ میں مدیر مسئول کی اعانت مس جے۔بندی صاحبہ۔مولوی سالم بن سعید صاحب اور مسٹر ڈی۔اے لنگم صاحب فرماتے ہیں۔مولوی محبوب علی صاحب طاہر محکمہ لاسلکی میں منتقلی تک مجلس ادارت میں شریک تھے۔

مس جے بندی صاحبہ جب سے شریک کار ہوئی ہیں۔انگریزی حصہ میں "نسوانی نقطہ نظر" کے عنوان سے ایک خاص جزو کا اضافہ کیا گیا ہے۔جس میں صرف خواتین کے مضامین کی اشاعت ہوتی ہے۔

کوئی تعلیمی رسالہ اپنی ذمہ داریوں سے کماحقہ سبکدوش نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ آپ کی مدد شامل حال نہ ہو۔عہدہ داران سررشتہ اور اساتذہ صاحبان سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ "حیدرآباد ٹیچر" کو اپنا رسالہ سمجھ کر مضامین اور خریداری سے اس کی اعانت فرمائیں گے۔

انتظامی کمیٹی سال زیر ذکر میں انتظامی کمیٹی کے دو جلسے ہوئے۔جن میں تقرر ذیلی کمیٹی، تقرر آڈیٹر، تنقیح حسابات انجمن، پروگرام کانفرنس، آئندہ کانفرنس کے انتظامات، صدر کانفرنس کا انتخاب اور دوسرے انتظامی امور طے پائے۔

ذیلی کمیٹی سال زیر ذکر چار ذیلی کمیٹیاں یعنے تعلیم بالغان' زائد نصاب مصروفیات' تعلیم نسوان اور ثانوی تعلیم پر مقرر کی گئیں۔ ان کی صدارت علی الترتیب مولوی احمد حسین خاں صاحب بی۔ اے۔ صدر مہتمم تعلیمات بلدہ' مسٹر بلنگھم رکٹر گرمر اسکول' مس بجے۔ نندی صاحبہ ایم۔ اے۔ صدر مہتممہ مدارس نسوان اور مولوی سید علی اکبر صاحب ایم۔ اے (کنٹیب) اسپشل انسپکٹنگ آفیسر نے فرمائی۔ جس محنت و دلچسپی اور شرح و بسط کے ساتھ یہ رپورٹیں تیار ہوئی ہیں اس کا اندازہ آپ ذیلی کمیٹیوں میں شرکت کے بعد فرمالیں گے۔

ملحقہ انجمنیں اس انجمن کے قیام کے بعد سے انجمن کے میر مجلس نے انجمن ہائے اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی تنظیم میں بطور خاص دلچسپی لی۔ ملحقہ انجمنوں کے شاخوں کے قواعد کی نظر ثانی کی گئی تاکہ میر مجلس انجمن کے مقررہ اصول کے مطابق ان میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ ریاست کے ہر گوشہ میں تعلیمی چہل پہل اور بیداری کے آثار نمایاں ہیں۔ تقریباً ہر ضلع میں مدرسین کی کانفرنسیں منعقد ہوئیں اور نمائش تعلیمی کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس کے علاوہ مستقر بلدہ اور اضلاع کی شاخوں اور اکثر مدارس فوقانیہ میں ماہانہ جلسے ہوئے جن میں تعلیمی مباحث پر ارکان کو تبادلہ خیالات کا موقع دیا گیا۔ اور نمونے کے اسباق کا بھی انتظام کیا گیا۔ سال حال بمقابلہ سال گذشتہ دو انجمنوں یعنے انجمن ٹریننگ کالج بلدہ اور سٹی کالج کا اضافہ ہوا۔ اب انجمن ہذا سے راست ملحق (۱۲) انجمنیں ہیں۔ مگر صوبہ کی انجمنوں کے تحت تقریباً ۱۲۵ انجمنیں مصروف عمل ہیں۔ منجملہ ۱۲ انجمنوں کے ۵ مستقر صوبہ جات کی ہیں اور مدارس نسوان بلدہ چادر گھاٹ ہائی اسکول بلدہ نیز ٹریننگ کالج بلدہ کی ایک ایک اور چار انٹرمیڈیٹ کالجس کی ہیں۔

اب میں فرداً فرداً ملحقہ انجمن کی سرگرمیاں بابت سال تمام اجمالاً پیش کرتا ہوں۔

انجمن اساتذہ مستقر بلدہ اس انجمن کی بدستور ۱۳ شاخیں قائم رہیں اور ارکین کی تعداد کم و بیش ... رہی۔ سال زیر رپورٹ جدید تعلیم پر رپورٹ تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی تھی جس نے ایک مبسوط رپورٹ پیش کی ہے۔ یہ رپورٹ انجمن اساتذہ بلدہ کی سالانہ کانفرنس میں پڑھی گئی اور بحث و مباحثہ کے بعد بہ غلبہ آراء

منظور ہوئی۔ دوران سال شعبہ زائد نصاب مصروفیات کا پروگرام دلچسپ رہا۔

انجمن اساتذہ صوبہ اورنگ آباد دوران سال مقررہ پروگرام کے مطابق کام ہوا۔ ہر ضلع میں کانفرنس ہوئی اور نمائش تعلیمی کا بھی انعقاد عمل میں آیا۔ ضلع اورنگ آباد کی کانفرنس کی صدارت عالی جناب راے برکت رائے صاحب اول تعلقدار نے فرمائی اور عالی جناب مولوی سید علی اکبر صاحب اسپشل انسپکٹنگ آفیسر تعلیمات نے بصیرت افروز تقریر سے مدرسین کو مستفید فرمایا اور نمائش بھی افتتاح کی۔

کانفرنس میں انجمن کے قواعد وضوابط حسب ایما صدر انجمن پیش کرکے بعد مباحثہ منظور کئے گئے۔

انجمن اساتذہ صوبہ گلبرگہ شریف اس انجمن کے جملہ مرکزوں میں سال زیر ذکر اہم مضامین پر مباحثے ہوئے۔ آبان ۱۳۴۷ف میں ایک عام جلسہ میں عالی جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات نے اساتذہ کو مخاطب فرماکر مفید ہدایات سے بہرہ ور فرمایا۔ اس انجمن کے زیر غور قیام انجمن امداد باہمی کتب خانہ کا قیام اور رسالہ کا اجرا بھی ہے۔

انجمن اساتذہ صوبہ میدک انجمن ہذا کا قیام ۱۳۴۶ف میں عمل میں آیا۔ اس کی شاخیں مدارس فوقانیہ اور وسطانیہ پر قائم کرکے مدارس تحتانیہ کو بھی الحاق کی کڑی میں منسلک کیا گیا ہے۔

دوران سال مقررہ پروگرام کے مطابق تمام شاخوں میں کام ہوا۔ انجمن کی سالانہ کانفرنس بمقام نلگنڈہ زیر صدارت مولوی فیض الدین صاحب ایم۔اے کنٹیب بیرسٹرایٹ لا صدر مہتمم سمت میدک منعقد ہوئی جس کا پروگرام دلچسپ رہا۔

مولوی احمد حسین خاں کے تبادلہ کی وجہ سے اب انجمن کے صدر مولوی فیض الدین صاحب ہیں۔

انجمن اساتذہ صوبہ ورنگل اس انجمن میں مقررہ پروگرام کے مطابق عمل ہوا۔ رسالہ "ولیج ٹیچر" Village Teacher بدستور جاری ہے۔

انجمن کی انتظامی کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ ہر سال مدارس ثانویہ کے بہترین مضمون نگار کو ؎ــــــ اور مدارس تحتانیہ کے مضمون نگار کو ؏ــــــ انعام دیا جائے۔ کانفرنس کے زمانہ میں طلبہ نے ڈرامے پیش کئے۔ اساتذہ کا موسیقی کا مقابلہ ہوا اور طلبائے وسطانیہ و فوقانیہ کے اردو انگریزی کے مقابلے بھی ہوئے۔

سالانہ کانفرنس انجمن کی یہ خصوصیت رہی کہ عالی جناب مولوی سید محمد حسین جعفری صاحب بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات نے اس کی صدارت فرمائی۔

انجمن معلمات مدارس نسواں بلدہ انجمن ہذا اسفندار ۱۳۴۷ف میں قایم ہوئی اور انجمن کے ۶ مرکز مقرر ہوئے۔ سال زیر رپورٹ جو عنوان زیر بحث رہا وہ "خوش و خرم مدرسہ" تھا جس کے ذیلی عنوانات "خوبصورتی مدرسہ" "جوش مدرسہ" وغیرہ تھے۔ انجمن کے مرکزوں میں ان عنوانات پر دلچسپ مباحثے ہوئے اور عملی پہلو پر زیادہ زور دیا گیا۔

انجمن کے قیام کے ساتھ ہی فروردی ۱۳۴۷ف میں کانفرنس و نمائش تعلیمی منعقد کی گئی جس کی صدارت عالی جناب نواب مہدی یار جنگ بہادر ایم۔اے (آکسن) صدر المہام تعلیمات نے فرمائی۔ یہ انجمن مس جے۔ نندی صاحبہ ایم۔اے میر مجلس کی رہبری میں نمایاں ترقی کر رہی ہے۔

انجمن اساتذہ انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد اس انجمن نے جو اسٹاف کالج و مدرسہ پر مشتمل ہے ریسرچ کا کام شروع کیا ہے انگریزی تعلیم کی اصلاح کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے کئی جلسے ہوئے اور ایک رپورٹ مرتب کی گئی۔ اس کے مطابق کالج میں تجربہ کیا جا رہا ہے۔ طلباء کالج رسالہ نورس سہ ماہی اور کالج بلٹین ہفتہ وار شائع کر رہے ہیں۔ ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے اس درس گاہ کے اسٹاف نے اپنی خدمات پیش کی ہیں اور تعلیم بالغان میں حصہ لے رہے ہیں۔

انجمن اساتذہ انٹرمیڈیٹ کالج گلبرگہ شریف انجمن ہذا دو شعبوں پر منقسم ہے۔ ایک تعلیمی دوسرا تفریحی۔ ہر شعبہ کے علحدہ

علیحدہ معتمد ہیں۔ سال زیر رپورٹ انجمن نے فراہمی فرنیچر اور برقی پنکھوں کی تنصیب وغیرہ کے لئے کافی رقم صرف کرکے کلب کو ساز و سامان سے آراستہ کردیا۔

علمی شعبہ رسائل و اخبارات وغیرہ فراہم کرتا اور مقررہ تواریخ پر جلسے منعقد کرتا ہے۔ چنانچہ سال زیر رپورٹ میں پروگرام کے مطابق کام ہوا۔

تفریحی شعبہ میں تفریحی مشاغل اور کھیل کو د مثلاً بلیرڈ، ٹینس اور پنگ پانگ وغیرہ کا انتظام ہے۔

انجمن اساتذہ انٹرمیڈیٹ کالج ورنگل طبقہ فوقانیہ اور کالج کے اساتذہ و لکچرار صاحبان اس کے رکن ہیں جن کی تعداد ۵۰ ہے۔ سال زیر رپورٹ ایک عام جلسہ ۸ انتظامی کمیٹی کے جلسے اور ذیلی کمیٹی کے ۲۴ جلسے منعقد ہوئے۔ دارالمطالعہ سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا گیا۔ اساتذہ کے کلب کی مصروفیات بھی تشفی بخش ہیں۔

انجمن اساتذہ ٹریننگ کالج بلدہ تقریباً ہر یکشنبہ کو ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں نظم و نسق مدرسہ اور اصول تعلیم وغیرہ کے مختلف عنوانوں پر مباحثے ہوئے۔ نیز درس و تدریس وغیرہ کے سلسلہ میں خود ساختہ آلات تعلیمی مثلاً چارٹس، نقشہ جات، تصاویر اور ماڈلس وغیرہ کی تیاری کی نسبت غور کیا گیا۔ لکچرار صاحبان کی نگرانی میں مدرسین زیر ٹریننگ ان آلات کو تیار کرتے ہیں۔

انجمن اساتذہ ہائی اسکول چادرگھاٹ یہ انجمن اسٹاف مدرسہ پر مشتمل اور کئی شعبوں مثلاً تاریخ، جغرافیہ، انگریزی، ریاضی اور سائینس وغیرہ میں منقسم ہے سالانہ مقررہ پروگرام کے مطابق تمام شعبوں میں کام ہوتا ہے۔

انجمن اساتذہ سٹی کالج اس انجمن کا الحاق بہمن ۱۳۴۸ ف میں ہوا اس لئے کارگزاری کا ذکر نہیں کیا گیا۔

انفرادی اراکین انجمن تاحال انفرادی اراکین انجمن کی تعداد نصف درجن سے زیادہ نہیں ہے۔ اراکین انجمن کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ عالی جناب نواب مصاحب جنگ بہادر کا نام بھی زینت دہ فہرست ہے۔ سررشتہ کے ایسے عہدہ دار صاحبان

سے جن کا تعلق کسی ملحقہ انجمن سے نہیں ہے۔ اپیل کی جاتی ہے کہ وہ رکنیت قبول کرکے انجمن کی حوصلہ افزائی اور تقویت کا باعث ہوں گے۔

نمائش تعلیمی کانفرنس کے ضمن میں نمائش تعلیمی کا بھی انتظام کیا گیا ہے جس کا افتتاح محترمہ جناب لیڈی حیدری صاحبہ نے کل ہی فرمایا۔

یہ امر موجب طمانیت و قابل ستائش ہے کہ تنگی وقت کے باوجود نمائش کمیٹی نے غیر معمولی دلچسپی اور انتھک کوشش سے کام کرکے نمائش کا انتظام شاندار پیمانے پر کرلیا۔ تقریباً تمام ضلعوں سے اشیاء نمائش وصول ہوئی ہیں۔ جو سامان وصول ہوا ہے وہ کافی تعداد میں ہے اور اچھا ہے اور اکثر چیزیں بلحاظ ندرت اور اپج قابل داد ہیں۔

حسابات انجمن۔ انجمن کے مداخل و مخارج درج ذیل ہیں۔

آمدنی	روپیہ	آنہ	پائی	خرچ	روپیہ	آنہ	پائی
۱۔ میزان پیش آوردہ	۱۳۵			ٹکٹ	۴	۰	۰
۲۔ فیس الحاق	۲۳۵			صادر	۸	۱	۰
				الاؤنس	۳۲	۰	۰
				طباعت	۲۸	۸	۰
				نقد	۲۹۷	۷	۰
میزان	۳۷۰	۰	۰	**میزان**	۳۷۰	۰	۰

سال حال انجمن کے آڈیٹر جناب مولوی غیاث الدین صاحب بی۔ اے ڈپٹی مددگار ناظم تعلیمات نے انجمن کے حسابات کی تنقیح کرکے مفید ہدایات دئے ہیں جس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

حضرات! یہ میرا خوش گوار فریضہ ہے کہ میں سب سے پہلے صدر کانفرنس عالی جناب نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام بہادر تعلیمات کی خدمت میں انجمن کی جانب سے بکمال عجز ناچیز ہدیۂ تشکر پیش کروں کہ باوجود گوناگوں مصروفیات کے ممدوح الشان نے

دو دن مسلسل اپنا قیمتی وقت انجمن کی کارروائیوں میں بکمال انہماک صرف فرمایا یقین ہے کہ انجمن آپ کی سرپرستی اور ماہرانہ رہبری میں خوب پھولے پھلیگی۔

انجمن نازاں ہے کہ تعلیمی نمائش کا افتتاح ایک ایسی ہستی کے ہاتھوں عمل میں آیا جس کو تعلیم نسوان سے گہری دلچسپی ہے اور جو مجلس تعلیم ثانویہ کی کمیٹی تعلیم نسوان کی صدر بھی ہے۔ میں بہ کمال ادب لیڈی حیدری صاحبہ کا سپاس گزار ہوں کہ نمائش کا افتتاح فرما کر افتخار بخشا۔

بانی و میر مجلس انجمن عالی جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کی خدمت میں انجمن کی جانب سے ہدیۂ تشکر پیش کیا جاتا ہے کہ جناب ممدوح نے پورے سال ہماری رہبری اور سرپرستی فرمائی۔

عالی جناب مولوی سید علی اکبر صاحب ایم۔اے۔ کنٹب۔ نائب میر مجلس انجمن کو سال زیر رپورٹ جو غیر معمولی شغف انجمن کے مشاغل سے رہا ہے اس سے آپ واقف ہیں انجمن ہذا جناب ممدوح کی بے حد ممنون ہے۔

ممبران کونسل ملحقہ انجمنوں کے صدر صاحبان و معتمد صاحبان اور ذیلی کمیٹی کے صدر صاحبان و معتمد صاحبان وغیرہ نے جس جوش تعاون اور اتحاد سے اپنے فرائض انجام دیے وہ قابل امتنان ہیں۔ میں سب کا شکریہ دل سے ادا کرتا ہوں۔

احسان فراموشی ہوگی اگر میں نمائش کمیٹی اور استقبالیہ کمیٹی کا شکریہ بطور خاص ادا نہ کروں۔ ہر دو کمیٹیوں نے باوجود تنگی وقت جس جوش سے کام کیا وہ قابل صد شکر ہے۔

توقع ہے کہ انجمن کی مصروفیات سال آئندہ اور زیادہ نمایاں اور عملی رہینگی۔

خطبۂ صدارت

دوسری سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ ممالک محروسۂ سرکار عالی

منعقدہ یکم فروردی ۱۳۴۸ف

از

عالی جناب نواب مہدی یار جنگ بہادر (ایم-اے) آکسن صدر المہام تعلیمات وفینانس

اس زمانہ کا بڑا مسئلہ عوام کی تعلیم کا ہے۔ حال حال تک ہندوستان میں اس مسئلہ پر اس کی اہمیت کے مطابق توجہ نہیں کی گئی ہے در حقیقت رجحان یہ رہا کہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم پر توجہ مرکوز کی جائے لیکن ابتدائی تعلیم کو جو عوام پر اثر انداز ہوتی ہے۔ نسبتاً نظر انداز کیا جاتا رہا۔ اس کا ثبوت تعلیم کے مختلف طبقوں کے مصارف کے اعداد کے مقابلہ سے مل سکتا ہے۔ مگر میرا ارادہ آپ کو اعداد سے پریشان کرنے کا نہیں ہے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں خواندگی کے اس تناسب کا مقابلہ جو مختلف صوبہ جات اور ریاستوں میں مختلف ہے دوسرے تہذیب یافتہ ممالک کے تناسب سے نہیں کیا جاسکتا۔

بہرحال زمانہ اب بدل گیا ہے اور روز بہ روز اس کا احساس زیادہ ہوتا جارہا ہے کہ نظم ونسق سلطنت کا ایک مقدس فریضہ عوام کو تعلیم دلانا ہے اور یہ اس طور پر ہونا چاہئے کہ ملک کی معاشرتی اور تعلیمی ضروریات کے لئے موزوں ہو۔

اس کار عظیم میں جو مشکلات ہمارے راستہ میں حائل ہیں، وہ ان طلبہ کی کثیر تعداد ہے جن کو تعلیم دلاتی ہے۔ ہمارے مالی ذرائع کی تحدید اور ان تربیت یافتہ اساتذہ کی قلت ہے جو تحتانیہ مدارس میں ایسی تعلیم دے سکیں کہ لکھنے پڑھنے اور حساب سکھانے تک محدود

نہ ہو بلکہ ایک منزل پر دستی مشاغل جیسی کسی چیز کو لیئے ہوئے ہو اور کسی پیشہ کا میلان طلبا میں پیدا کر سکے۔ جبری تعلیم کے مصارف امتناعی ہوں گے اور چونکہ کوئی قانون ایک وقت میں ریاست کے چھوٹے چھوٹے حصوں ہی میں نافذ کیا جا سکتا ہے اور پھر اس کی وجہ سے خاص محصول بھی عاید کرنا پڑے۔ اس لئے فی الحال قابل عمل بات یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ ہم عام ابتدائی تعلیم کی منزل مقصود تک جبر سے قبل رضاکارانہ اساس پر کس حد تک آگے بڑھ سکتے ہیں۔ مسٹر میہو نے جن کی خدمات اس ریاست نے (۳۰) سال قبل مستعار لی تھیں ایک پروگرام بنایا تھا۔ اگر اس کے مطابق کام کیا جاتا تو (۵۰۰) باشندوں کے ہر قصبہ میں ایک تحتانی مدرسہ ہو جاتا ان کے پروگرام کو اختیار نہ کرنے کی وجہ غالباً اس زمانہ کا وہ میلان تھا کہ تحتانی مدارس کے مقابلہ میں ثانوی مدارس پر زیادہ وقت اور روپیہ خرچ کیا جائے لیکن غلطی کی اصلاح ہر وقت جلد یا بدیر ہو سکتی ہے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ضائع شدہ وقت کی تلافی کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے اور ہمارے مالی ذرائع کس حد تک ہم کو اپنی منزل مقصود کی جانب پیش قدمی کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

پہلے ذرائع کو لیجئے یہ خیال کہ ابتدائی تعلیم خود مکتفی بنائی جا سکتی ہے فوراً دور کر دیا جا سکتا ہے۔ نوجوان طلبا بہ یک وقت کما نہیں سکتے اور نہ سیکھ سکتے اگر وہ دونوں کو ایک ہی وقت میں کرنے کی کوشش کریں۔ ابتدائی تعلیم ریاست اور لوکل فنڈ دونوں کے لئے بھاری مصارف کا موضوع ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن اس پر غور کرنا مفید ہوگا کہ ان دونوں کے درمیان ذرائع اور محنت کی تقسیم کیوں کر کی جا سکتی ہے تاکہ روپیہ اور عملہ کا بہترین اور موثر ترین مصرف ہاتھ آجائے۔

حکومت ہند کی مرکزی مشاورتی بورڈ تعلیم کی ورناکیولر ایجوکیشن کمیٹی نے ۱۹۳۷ء میں بہ غلبہ آرا ایک سفارش کی تھی کہ دیسی تعلیم کے اساتذہ کے تقرر، برطرفی، تبادلہ اور سزا کے معاملہ میں تمام اختیارات مقامی اختیار سے حکومتی عہدہ داروں کو منتقل کر دے جائیں۔ یا دوسرے الفاظ میں حکومت ڈسٹرکٹ بورڈ یا لوکل فنڈ کے مدارس پر عاملانہ نگرانی رکھے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہی کام ریاست حیدرآباد میں ہمیشہ کیا جاتا رہا ہے۔ مذکورہ رپورٹ کے اجرا کے بعد سے

کانگریسی صوبوں کی حکومتوں نے تصفیہ کیا ہے کہ ساری ابتدائی تعلیم پر اختیار اور نگرانی حکومت کی رہے۔ اور واقعی یہ اصول اکثر مہذب ممالک میں قبول کیا گیا ہے۔ اور اس پر عمل بھی جاری ہے۔ اس واقعہ کے مدنظر میرا ہمیشہ سے خیال رہا کہ دیوانی اور لوکل فنڈ کے مابین ذرائع آمدنی کی موزوں تقسیم اور کام کی تقسیم یہ ہوگی کہ لوکل فنڈ کا تعلیمی محصول فی روپیہ تین پائی جس سے چار لاکھ پچھتر ہزار سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ آئندہ کے لئے امکنہ مدارس تحتانیہ کی تعمیر اور ان کے سازوسامان کے لئے جس کی بڑی چیخ پکار ہے، مختص کردیا جائے اور دیوانی سے تحتانی تعلیم کے دوسری مدات خرچ جیسے مشاہرہ مدرسین وغیرہ کی پابجائی ہو۔ اس سے حکومت کو (۵) لاکھ روپے سالانہ کے مزید اخراجات برداشت کرنے پڑیں گے۔ لیکن فائدہ یہ ہوگا کہ کم سے کم ایک ہزار باشندوں کے ہر قصبہ میں ایک خاص مدت کے دوران میں ابتدائی مدرسہ کی ایک موزوں عمارت بن جائے گی۔ معیاری نقشے جو اب منظور ہو چکے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ چھوٹے دیہات میں تحتانیہ مدرسہ کی عمارت کے مصارف کم سے کم آٹھ سو اور اضلاع کے مستقر یا تحصیل میں پانچ ہزار تک ہو سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان عمارتوں کے نمونے جو دلکش اور قابل عمل ہیں اسکیں کے مطابق بنا کر آئندہ تعلیمی نمائش میں پیش کرنا ممکن ہوگا۔

فی الحال ابتدائی تعلیم کی توسیع کے مقصد سے تاکہ کم سے کم ایک ہزار باشندوں کے ہر قصبہ میں ایک مدرسہ ہو اندازہ کیا گیا ہے کہ مذکورۂ بالا (۵) لاکھ روپیہ کی رقم کے علاوہ چھ اور سات لاکھ کے درمیان مصارف ہوں گے۔ یعنی ریاست کو مسٹر میہو کے پیش کردہ مقصود کی جانب ایک لمبا قدم اٹھانے کے لئے جملہ مصارف دس اور بارہ لاکھ روپیہ سالانہ کے درمیان برداشت کرنے پڑیں گے جو عملی سیاسیات کے حدود میں ہے۔

براہ کرم یاد رکھئے کہ یہ رائے ظاہر کرتے وقت میں وزیر مالیہ کی حیثیت سے نہیں بول رہا ہوں اور نہ حکومت کو مزید مصارف پر مجبور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس نوبت پر جو بحث کی جارہی ہے وہ خالصتہً علمی ہے۔ لیکن پھر بھی اس کے مالی مضمرات کی پیمائش کرنا دلچسپ ہے۔

لیکن اس بارے میں مزید فنڈ پانا ہی واحد مسئلہ نہیں ہے۔ بہت سا روپیہ تعلیم کے ایک زیادہ کفایت بخش نظم ونسق تعلیم سے بھی بچایا جاسکتا ہے مرکزی مشاورتی بورڈ تعلیم کی دیسی تعلیم کی کمیٹی کی اسی رپورٹ میں جس کا میں نے ذکر کیا ہے یہی مندرج ہے اور وہ کسی قدر حق بہ جانب ہے۔

"بہرحال مالیہ کے مسئلہ کو سدراہ نہیں ہونا چاہئے۔ اور نہ وہ سدراہ ہے۔ بشرطیکہ اس قابل افسوس تضیع اخراجات کو جو فی الوقت تمام صوبوں میں موجود ہے۔ روک دیا جائے۔ حساب سے ظاہر ہے کہ صرف تقریبا (۲۵) فی صد بچے جو تحتانی مدرسہ کی سب سے چھوٹی جماعت میں داخل ہوتے ہیں چار سال کا نصاب پورا کر پاتے ہیں جبکہ یہ فرض کیا جاسکتا کہ وہ خواندہ ہو گئے۔ اگرچہ یہ اعداد مختلف صوبہ جات میں مختلف ہیں۔ اس طرح ۵، فی صد رقم جو اب تحتانی تعلیم پر صرف کی جارہی ہے محض تضیع رقم اور بے جا صرفہ سمجھا جاسکتا ہے۔

اگر اس کو روک دیا جائے تو جو فنڈ اب حاصل ہیں ایک بڑی توسیع کے لئے کافی ہوں گے۔"

مجھے توقع ہے کہ اس ریاست میں حالات اتنے بدتر نہیں ہیں کم سے کم وہ ان ابتدائی مدارس میں اتنے خراب نہیں ہیں جو میں نے شخصی طور پر دیکھے ہیں پھر بھی جس بیجا صرفہ کا ذکر ہوا ہے وہ بلاشبہ موجود ہے اور یہ ڈسٹرکٹ اور ڈویژنل انسپکٹروں کا کام ہے کہ اس کا پتہ چلائیں اور اس کو جہاں کہیں ہو روکیں۔ اس بارے میں ایک قدم حال ہی میں ناظم صاحب تعلیمات نے اٹھایا جنہوں نے کئی ناکارہ مدارس کو بند کرنے کا حکم دیا جہاں کافی طلبا نہ تھے اور وقت اور روپیہ ضائع ہوتا تھا۔ آخر کار جب ابتدائی تعلیم لازمی کر دی جائے گی تو بیجا صرفہ کے سدباب کا امکان ہے۔ اس لئے کہ جب ابتدائی تعلیم عام ہو جائے گی تو اس کی رو میں مجبوراً بہتر نظم ونسق کی ضرورت ہو گی اور آئینی تعزیر کے باعث نگرانی بھی موثر ہو جائے گی۔ اس بے جا صرفہ کے کم ہونے کا امکان نئی پانچویں ابتدائی جماعت کے افتتاح سے ہو گا۔ جن میں دیہات سدھار سے متعلق مضامین پڑھائے جائیں گے۔

اس لئے یہ صورت ابتدائی تعلیم کو اب کے مقابلہ میں زیادہ دلچسپ اور دلکش بنادے گی، تعلیم میں معاونت کے لئے لاسلکی کے استعمال کی تجاویز تیار ہو چکی ہیں اور یہ طلبار کی دلچسپیوں میں مزید تنوع پیدا کر دے گی۔

ابتدائی تعلیم کی توسیع کے مالی مضمرات نیز بیجا صرفہ کو روکنے کی ضرورت کے متعلق میں کہہ چکا ہوں۔ اب مجھے اساتذہ کے مسئلہ سے بحث کرنے دیجئے۔ مسٹر سجاد مرزا نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں صحیح کہا ہے کہ "تمام تعلیمی اصلاحات کی کسوٹی اساتذہ کی موزوں تربیت ہے"۔ اعلیٰ تربیت یافتہ اساتذہ خصوصاً تربیت یافتہ معلمات کی قلت ہماری ایک بڑی دشواری ہے۔

مدارس تعلیم المعلمات کو پہلے لیجئے میں نے ایک مدرسہ دیکھا کہ صرف ایک جماعت ایسی تھی جس میں تربیت دی جاتی تھی اور ٹریننگ ایک ایسی معلمہ دیتی تھیں جو خود ابتدائی ٹرینڈ تھیں۔ سب سے پہلے یہ کہ ٹریننگ کی صرف ایک جماعت کا ہونا کافی نہیں ہے دوسرے یہ کہ ابتدائی ٹرینڈ معلمہ سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ دوسروں کی ٹریننگ کے قابل ہونے کے لئے نظری اور عملی تعلیم پر کافی عبور رکھے گی چونکہ یہ مدارس تعلیم المعلمات ان پرنسپلوں کے تحت ہیں جو خود تربیت یافتہ ہیں اس لئے میں نے اب حکم دیا ہے کہ وہ ٹریننگ میں شخصی طور پر حصہ لیں اور اس کو ایک کمتر ٹرینڈ شخص کے حوالے نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ مڈل پاس خواتین کو ان مدارس تعلیم المعلمات میں ٹریننگ دلائی جانی چاہئے۔ اب جب کہ مقامی دیسی زبان کو لوور سکنڈری جماعت کے ختم تک لڑکیوں کے لئے زبان اول تسلیم کیا جا چکا ہے تو ایسی خواتین بڑی تعداد میں حاصل ہوں گی۔ سب مشقی مدرسوں کو نارمل اسکولوں سے ملحق کر دینا چاہئے جو آئندہ مردوں کے ہوں خواہ عورتوں کے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ تدریس تین حصہ مشق ہے اور ایک حصہ نظریہ۔ فی الحال میں سمجھتا ہوں کہ نارمل اسکولوں کو ٹریننگ دینے کے علاوہ معمولی مضامین بھی پڑھانا چاہئے لیکن احتیاط کرنی چاہئے کہ ایسے مضامین نصاب پر اس طرح غالب نہ آجائیں کہ ٹریننگ کے لئے بہت کم وقت رہ جائے۔ نارمل اسکولوں کا مقصد

انجام کار یہ ہونا چاہیئے کہ وہ خالصۃً تربیتی ادارے بن جائیں جن میں تعلیمی نفسیات اور اصول تعلیم کی تعلیم اعلیٰ معیار پر دی جائے اور ساتھ ہی طریقہ تعلیم کی مشق بلحاظ کیفیت (Quality) شدید ہو۔ نارمل اسکول کے نصاب کو آئندہ دو سال پر حاوی ہونا چاہیئے اور جلد سے جلد مدارس تحتانیہ لوکلفنڈ کے مدرسین کے لئے نارمل اسکول کی تربیت لازمی کردی جائے میں نے کسی اور جگہ یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ مستقر اضلاع پر اعادی نصاب کے انتظام کے ساتھ ساتھ تربیتی جماعتوں کی تنظیم بھی عمل میں آنا چاہیئے۔ اس سے مجھے یقین ہے کہ بہت فائدہ ہوگا۔ انعقاد جماعت وغیرہ کے موقع پر میں اضلاع کے مدرسین کو بعض مضامین کی تعلیم کے بارے میں مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔

لڑکیوں کی تعلیم کی نسبت یہ موزوں ہے کہ مجوزہ نئی پانچویں جماعت کے لئے نصاب تیار کیا جائے اس میں پکوان اور امور خانہ داری نیز سوزن کاری اور کشیدہ شامل ہونا چاہیئے۔ محکمہ کو موزوں معلمات کے ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کرنا چاہیئے تاکہ یہ ممکن ہو جائے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو معلمات جن اضلاع سے ان کا تعلق ہے ان میں کام کرنے کے لئے مل جائیں۔ ہر ڈیویژن کے لئے ایک انسپکٹرس کے تقرر کی پالیسی جاری رہنی چاہیئے تاوقتیکہ ہر ڈیویژن میں ایک انسپکٹرس نہ ہو۔

بالک باغ تعلیم کی پوری مدت، تحتانی جماعت اول سے بی۔ اے تک ۱۴ سال پر پھیلی ہوئی ہے۔ ان میں سے پہلے ۱۱ سال بجائے دس سال کے نصاب مدرسہ پر مشتمل ہوں گے۔ اس تقسیم کے اعتبار سے لڑکے کی عمر جو تحتانی جماعت اول میں شریک ہوتا ہے ۶ یا ۷ سال ہونا چاہیئے۔ اس عمر کو پہونچنے سے قبل بچہ نے جو تربیت پائی وہ اس تقسیم سے خارج ہے بالفاظ دیگر بالک باغ (کنڈر گارٹن) یا صغیر جماعت اور ششو گھر، نصاب مدرسہ کا لاینفک جزو نہیں ہیں۔ یہ فرو گزاشت خاص مقصد سے ہوئی ہے۔ کیونکہ آیندہ سے کوئی جماعت ۶ سال سے کم عمر طلبہ کے لئے خواہ وہ کسی نام سے کیوں نہ موسوم ہو انفرادی حیثیت سے یا کسی مدرسہ کے طبقہ تحتانیہ کے ساتھ برقرار رہنے نہ دی جائے گی تاوقتیکہ سررشتہ کے ماہرین اس بات کی منظوری نہ دیں کہ جماعت مذکور

منظورہ اصول کے مطابق چلائی جارہی ہے۔ میں اس کو بڑی اہمیت دیتا ہوں کیونکہ میری یہ رائے ہے کہ بالک باغ جو صحیح اصول پر نہ چلایا جائے، اندیشہ ہے کہ بچوں کے فائدہ کے عوض کہیں زیادہ ان کے نقصان کا موجب نہ ہو۔ اس قدر غلط فہمی اس موضوع سے متعلق پھیلی ہوئی ہے کہ میں کسی قدر تفصیل سے بحث کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

بچہ اپنی پیدائش ہی سے حواس خمسہ کے ذریعہ قدرت کے اپنے مدرسہ میں تعلیم پانا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے جیسے وہ اپنی گرد وپیش کی چیزوں کا علم زیادہ تر ان اشیاء سے دوچار ہوکر اور ماں کی ماممتا سے حوصلہ پاکر حاصل کرتا جاتا ہے۔ اس کی سمجھ سال بہ سال حیرت انگیز سرعت کے ساتھ نمو پاتی جاتی ہے۔ اس ابتدائی نشو ونما کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ اول صحت۔ دوم مسرت۔ کیونکہ اگر ایک لڑکا اچھا تندرست ہو اور آپ اسے خوش رکھیں تو باقی تعلیم دینے کا کام زندگی کے اس ابتدائی دور میں قدرت خود کرے گی لیکن اگر بچہ کو ایسے حالات میں چھوڑ دیا جائے کہ جہاں وہ خوش اور آسودہ نہ ہو تو حالات موافق نشوونما نہ ہوں گے بلکہ وہ اس پھول کی طرح مرجھا جائیگا جسے پانی نہ دیا گیا ہو۔ اس سلسلہ میں میں نے جہاں کہیں لفظ (علم) استعمال کیا ہے اس سے مراد کتابی علم نہیں ہے۔ میں نے دو شرائط کا ذکر کیا ہے یعنے تندرستی اور مسرت کے تحت بچہ احسن طریقہ پر علم حاصل کرتا اور اس پر قدرت پاتا ہے۔ یہ دونوں بہت ضروری ہیں۔ وہ اشیاء کا رنگ اس کی شکل اور جسامت کا علم حاصل کرتا ہے اور آگے چل کر وہ الفاظ سیکھتا ہے جو ان کے لئے مستعمل ہیں۔ بچہ میں قدرت نے فطری توانائی کا ذخیرہ ودیعت کیا ہے۔ جس کو بقول فروبل اور ہمارے معمولی تجربہ کے مطابق مختلف مفید راہوں میں لگایا جاسکتا ہے۔ اس طرح قدرت کی معاونت حصول مقصد یعنے بچوں کے نشو ونما میں کی جاسکتی ہے پس فروبل کے تحفے اور مشاغل اسی اصول کے تحت ہیں۔ اس دور میں کھیل بہ مقابلہ صوری اور باقاعدہ تعلیم کے زیادہ ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کھیل تعلیم ہے کیونکہ یہ قدرتی نشو ونما کا طریقہ ہے۔ بہت آگے چل کر کھیل سنجیدہ کام کے بعد تفریح طبع کا ذریعہ بنتا ہے۔

اگر ہمارے یہ سب مفروضات درست ہیں تو آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ بالک باغ کی اولین ضرورت یہ ہے کہ اس میں بچہ خوش رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ بالک باغ کے کامیابی کی سب سے بڑی کسوٹی یہی ہے۔ جس لمحہ سے بچہ پر بار یا جبر ہو یا باقاعدہ اور تکلیف دہ ضبط اس پر عائد کیا جائے یا بچہ کسی وجہ سے ناخوش ہو تو وہ حصول علم کی صلاحیت کھو بیٹھتا اور بالک باغ کا مقصد فوت ہوتا ہے۔ ان کے اوقات مختصر ہونے چاہئیں۔ کسی قسم کا تکان نہ ہو، بچوں کو آرام اور غذا بھی ملے۔ ان کے مشاغل سبق آموز اور کھیل بلا روک ٹوک، زندہ دلی کے ساتھ اور مل جل کر ہوں۔ بچوں کو صفائی اور پابندی کی عادت ان کی حوصلہ افزائی اور نمونہ پیش کرکے ڈالنی چاہئے۔ ان حالات میں میں سمجھتا ہوں کہ آپ متفق ہوں گے کہ بالک باغ کی عمر ۳ یا ۴ تا ۷ سال کے لئے بہترین معلم عورت ہی ہوسکتی ہے۔ نہ ہی ہر عورت اپنی مزاج کے اعتبار سے لازماً معلمہ کنڈر گارٹن بن سکتی ہے۔ سب سے پہلی اور نہایت ہی اہم قابلیت اس میں یہ ہونا چاہئے کہ وہ بچوں کی شیدائی ہو۔ اس کے علاوہ اگر اس نے نفسیات اطفال اور ہر بارٹ، پستالوزی اور فروبل کے تصانیف کا مطالعہ کرلیا اور دو سالہ عملی تربیت کا تجربہ بھی حاصل کرلیا ہو تو وہ کامیاب معلم کنڈرگارٹن بن سکتی ہے۔ میں یہ سب اس لئے رکھ رہا ہوں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ مڈل ٹرینڈ مدرس ذکور جس کی نگرانی میں عام طور پر صغیر جماعت دی جاتی ہے، کس طرح اس کام کے لئے غیر موزوں ہے۔ اس موضوع کو ختم کرنے سے پیشتر میں یہ چیز واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ فروبل کے نظام کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس میں مدرس کو آزادی حاصل ہے کہ حسب ضرورت اپنے عمل میں تبدیلی کر سکے۔ کیونکہ جب تک فروبل کے اصول پیش نظر ہیں اور انھیں نظرانداز نہیں کیا گیا مدرس اختراع اور جدّت سے کام لے کر نئے نئے کھیل اور مشاغل ایجاد کرسکتا ہے جس سے بچے مسرور اور مصروف رہیں گے اور ساتھ ساتھ غیر شعوری طور پر تعلیم بھی پائیں گے اس سے مدرس کے کام میں تازہ دلچسپی پیدا ہو جائے گی اور اس کی جدت طرازی میں مدد بھی ملے گی۔ بخلاف اس کے میری تاثرات میڈم مانٹی سوری کے متعلق یہ ہیں کہ وہ طبعی مفکر نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہوشیار اور جدت پسند مدرس ہے۔

جس نے اپنی مشقوں کو بلاشبہ فروبل کے اصول پر اختراع کرکے اوران کو وسعت دیکر اتنی دور تک پہونچا دیا کہ جو معلم اکبر کے خیال میں نہ تھا۔ میں اپنی مطلب کی توضیح کے لئے ایک ٹکڑا میڈم مانٹی سوری سے بغیر کسی سلسلہ یا مناسبت کے لیتا ہوں۔

"پہلی مشق بچہ کے لئے مختلف رنگوں کے مقابلہ کی ہے یعنے وہ ملے ہوئے رنگین ٹکڑوں سے دو ٹکڑے ایسے منتخب کرتا ہے جو ہم رنگ ہوں اوران کو پاس پاس رکھ دیتا ہے۔ معلمہ بلاشبہ کل ۱۲۸ ٹکڑوں کا ڈھیر بچہ کے سامنے پیش نہیں کرے گی بلکہ چند گہرے اور چمک دار رنگوں کا انتخاب کرے گی مثلاً سرخ نیلے اور زرد کا اوران ٹکڑوں کے تین چار جوڑ ملا کر رکھ دے گی۔ پھر ایک ٹکڑا غالباً سرخ لے کر بچہ کو بتائے گی کہ وہ اس کا جوڑ ڈھیر سے ڈھونڈ کر نکالے۔

لفظ مشق (Exercise) ملحوظ رہے۔ جو نہی کوئی مشغلہ مشق کی صورت اختیار کرتا ہے اور وہ بھی صبر آزما مشق خصوصاً ایک چھوٹے بچے کے لئے (کیوں کہ ۱۲۸ رنگین ٹکڑوں سے اُسے سابقہ پڑتا ہے) تو ایسی حالت میں بچوں کی خوشی کم بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مفقود ہو جاتی ہے۔ اس میں تکان کی تحریک ہوتی ہے اور یہ باقاعدہ مشق ہے۔ میں ایک واقعہ سے باخبر ہوں کہ مانٹی سوری صاحبہ کی ایک مشق میں جس کے ذریعہ حس لامسہ کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر ترقی دی جاتی ہے، یہ دیکھا گیا کہ بچہ کے آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ یہ سب فروبل اور اس کے بالک باغ کے منشا اور اسپرٹ کے مغائر ہے جس میں میڈم مانٹی سوری کی صبر آزما مشقتیں جھیلنی نہیں پڑتی ہیں اور جو مسرت اور قہقہوں سے معمور ہے۔ اس کے علاوہ گو مانٹی سوری کا سامان اچھا ہے مگر متوسط درجہ کے ہندوستانی مدارس کے لئے قیمتی ہے اور طریقہ کار ایسا سخت ہے کہ مدرس کو اس میں تبدیلی کرنے کا موقع نہیں ہے۔ تاہم میڈم مانٹی سوری کی تعلیم میں بہت سی باتیں اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں اس کی مشقوں میں اس قابل ہیں کہ انھیں اختیار کیا جائے۔ کیونکہ وہ ہمارے نظریہ سے مطابقت رکھتی ہیں۔ فی الحقیقت جرمنی اور دوسری ترقی یافتہ ممالک کا منظورہ طریقہ کار

مالک باغ کے معاملہ میں یہ ہے کہ فروبل کے اصول پر کام ہو اور چند چیزیں میڈم مانٹی سوری کے مشقوں سے بھی اختیار کی جائیں۔" کیا اختیار کیا جائے اور کس قدر" اس طریقہ سے دلچسپی رکھنے والے مدرسین کے لئے ایک بڑا دلچسپ موضوع بحث ہوگا۔ جس پر آئندہ کانفرنس کے ذیلی کمیٹی کے جلسہ میں بحث ہوسکتی ہے۔ میں یہاں فروبل کے پیارے الفاظ دہرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

"ہم کو اپنے بچوں سے سیکھنا چاہیئے۔ ہم کو ان کی زندگی کی معصوم فہمائشوں اور ان کے خاموش نفسی مطالبات پر توجہ کرنی چاہیئے۔"

"ہم کو اپنے بچوں کے ساتھ رہنا چاہیئے تب ہمارے بچوں کی زندگی ہمارے لئے امن وسکون اور مسرت کا پیام لائے گی۔ تب ہی ہم عقل کی باتیں سیکھیں گے اور عقل مند بنیں گے۔"

ثانوی تعلیم مجلس تعلیم ثانوی نے اس موضوع پر کہ "کیا تدابیر اختیار کی جائیں کہ موجودہ نظام تعلیم، جدید نظام تعلیم منظورہ سرکار میں مبدل کیا جاسکے۔" ایک پنج سالہ تجویز کی سفارش کی ہے۔ اس کے مطابق نئی جماعتیں پنجم، ششم اور ہفتم سال رواں کھولی جائیں گی۔ آٹھویں جماعت آیندہ سال اور اسی طرح دوسری جماعتیں یہاں تک کہ یازدہم جماعت سنہ ۵۲ ف سے کھل جائے۔ یہ رفتار ضروری ہے۔ کیونکہ تبدیلی بتدریج ہونی چاہیئے۔ مجوزہ نصاب کے بارے میں جو بہت ہی اہم ہیں، میں معتمد اور صدر بورڈ سے قبل نفاذ بحث کرنا چاہتا ہوں۔ ہماری پالیسی یہ ہونا چاہیئے کہ ثانوی منزل میں مقامی دیسی زبانوں کو رواج دیا جائے۔

فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم گزشتہ سال ایک تجربہ کار فنی ماہر مسٹر ایبٹ جو ۱۴ سال تک ہز مجسٹی کے فنی مدارس کے چیف انسپکٹر تھے، حیدرآباد بلائے گئے۔ انھوں نے ریاست کا دورہ کیا، مقامی حالات دیکھے اور اپنی رپورٹ پیش کی۔ محکمہ تعلیم فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی جانب سے ایک کانفرنس ریاست کے نمائندگان فن پارچہ بافی کی منعقد کی گئی جس میں تنظیم تعلیم فنی پر غور کیا گیا۔ تاکہ اس فن میں تربیت یافتہ اشخاص

کی مطلوبہ تعداد فراہم ہوسکے۔ مسٹر ایبٹ نے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی۔ فنی اور پیشہ ورانہ مدارس کی مشاورتی مجلس اور اس کی ذیلی کمیٹیوں نے ریاست میں عام مسئلہ فنی تعلیم پر غور کرنے کے لئے جلسے منعقد کئے۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی مجلس مختلف سررشتہ جات کارخانوں اور فنی اداروں کی نمائندوں پر مشتمل ہے۔ حال میں ایک وفد جو محکمہ جات فنی و پیشہ ورانہ تعلیم اور تجارت وصنعت و حرفت، شعبہ کیمیا، عثمانیہ یونیورسٹی اور بعض تجارتی افراد کے نمائندوں پر مشتمل تھا میسور گیا تاکہ وہاں کی صنعتی ترقی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا مطالعہ کیا جائے۔ عملاً وہی وفد ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ اور دوسرے صنعتی ادارے دیکھنے کانپور گیا۔ معدن زغال سنگارینی کے حکام اور دوسرے صنعتی اداروں سے تربیت یافتہ اشخاص کی تعداد اور تربیت کی نوعیت کے بارے میں مشورہ کیا گیا۔ ان کانفرنسوں اور کمیٹیوں کے مشترکہ مباحث نہایت قیمتی ہیں۔ جدید محکمہ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے بعض مجوزہ اسکیمات کو، جو ان مباحث کا نتیجہ ہیں، حکومت نے منظور کر لیا ہے اور باقی زیر غور ہیں۔ موجودہ اداروں کی جو محکمہ کے تحت ہیں بشمول عثمانیہ ٹکنیکل کالج، تنظیم عمل میں آرہی ہے اور نئے تربیتی نصاب مدرسہ صنعتی اورنگ آباد اور عثمانیہ ٹکنیکل کالج میں رائج کئے جانے والے ہیں۔ ایک لاکھ بہتر ہزار روپیہ کی متوالی رقم تنظیم اور ترقی کا پروگرام چلانے کے لئے منظور کی گئی ہے اور محکمہ کو چلانے کے لئے قواعد وضوابط بنائے جارہے ہیں۔ ریاست میں کار آموزی کے طریقے (Apprentice system) کو آزمانا مفید ہوگا۔ جس کے ذریعہ اچھے تربیت یافتہ نوجوان مختلف پیشوں اور صنعتوں میں کار آموز کئے جاسکیں گے اور صنعتوں کو منفعت بخش بنانے کا طریقہ بھی گو نفع جزاً ہی سہی مفید ہوگا، تاکہ صنعتی تعلیم کے اخراجات نکل سکیں اور تربیت یافتہ کار آموزوں کی خدمات بھی حاصل ہوجائیں۔

ضبط ختم کرنے سے پیشتر میں ضبط کے موضوع پر کچھ کہوں گا۔ ہندوستان بھر کے تعلیمی اداروں میں ضبط کا فقدان ایک ایسے نازک مرض کی علامت ہے جو ہماری قوم کو مفلوج بنادینے کی دھمکی دے رہی ہے۔ میں دیدہ ودانستہ اس کو مرض کہتا ہوں

کیوں کہ کسی صحیح اور طاقت ور قوم میں ضبط کی عدم موجودگی کا کوئی مقام نہیں ہے اور نہ اس کے بغیر بلند مقاصد اور اعلیٰ امنگیں حاصل ہوسکتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کسی غیر ضبط پرست قوم نے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ عہد حاضر میں جرمنی اور روس دونوں نے جو سیاسی ترازو کے دو مخالف پلڑے ہیں۔ اپنی موجودہ عظمت اور اقتدار کو رعایا پر سخت ضبط عاید کرکے حاصل کیا ہے۔ یاد رکھئے کہ اگر نوجوان ملکی خدمت کے آرزومند ہیں تو وہ اس اعلیٰ نصب العین کے لئے سخت محنت اور خود عائد کردہ ضبط سے ہی اپنے کو اہل بنا سکتے ہیں۔ کوئی قوم ایسے نوجوانوں کو اپنا رہبر نہیں بناتی جن میں ضبط نہ ہو جو آزمودہ کار اور پختہ علم نہ ہوں۔ کاہلی اور بے ضبطی نوجوانوں کے لئے بڑی مہلک کمزوریاں ہیں۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے گمراہ نوجوانوں کے مستقبل کی نسبت سخت فکرمند ہیں جو ہم کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ دروازہ ہمیشہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے اور اُن کا خیر مقدم کھلے بازوُں سے کیا جائے گا۔ ان کو غرض مند اشخاص نے بہکایا اور گمراہ کردیا ہے۔ ہم کو ان کے مستقبل کی نسبت تردد ہے اور ڈر ہے کہ کہیں وہ برباد نہ ہو جائے۔ اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ ماضی کو بھلایا جائے گا اور ان کا خیر مقدم کھلے بازوں سے کیا جائے گا۔ بہر حال فیصلہ کرنا ان کا کام ہے۔

خاتمہ:۔ آخر میں میں اس کانفرنس کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس کی صدارت کا اعزاز مجھے بخشا۔ اس کانفرنس کا بیج میرے عزیز دوست سر سید راس مسعود نواب مسعود جنگ بہادر مرحوم کا بویا ہوا ہے جو ہمارے ایک ممتاز ناظم تعلیمات تھے اور سب ان سے محبت اور ان کا احترام کرتے تھے۔ اس بیج نے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرلی ہے جس کی شاخیں تمام اضلاع ممالک محروسہ سرکار عالی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کی موجودہ سرسبزی موجودہ ناظم صاحب اور مسٹر سید علی اکبر کی انتھک محنتوں کی بدولت ہے جو اس درخت کی نگہداشت کررہے ہیں۔ کانفرنس نے گزشتہ دور میں اساتذہ کو یکجا کرنے اور اپنے پیشہ سے دلچسپی پیدا کرنے میں جو ایک شریف ترین پیشہ ہے اچھا کام انجام دیا ہے۔

میں ان جذبات سے بہت متاثر ہوا جو مسٹر سجاد مرزا نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں میری نسبت ظاہر کئے ہیں ان کو اور دیگر اراکین مجلس استقبالیہ کو موجودہ میقات کی کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ میں اس جیسی سندی کی کوششوں کو بھی بہ نظر استحسان دیکھتا ہوں کہ انہوں نے معلمات کی ایسوسی ایشن بنانے میں کامیابی حاصل کی۔

مترجمہ
محمد عبدالنور صدیقی

سُوئیستان

اور

اس کی دیہاتی زندگی

(تقریر جناب مولوی ہارون خاں صاحب شروانی ایم۔اے (آکسن) پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ)

عالی جناب آنریبل نواب مہدی یار جنگ بہادر۔ خواتین و حضرات!

سب سے پہلے میں آل حیدرآباد ٹیچرز کانفرنس کی مجلس عاملہ اور خصوصاً اپنے دوست جناب ناظم صاحب تعلیمات کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھ کو آپ کے سامنے اپنے چند خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ یقیناً بعض حاضرین کو یہ اچنبھا ہوگا کہ ایک دور افتادہ ملک جیسے سوئیتسان ہے اس سے حیدرآباد والے کیا سبق لے سکتے ہیں لیکن جب ہم کو یہ معلوم ہوگا کہ حیدرآباد اور سوئیتسان میں بہت سے ایسے عناصر ہیں جو دونوں ممالک میں مشترک ہیں اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ سوئیتسان باوجود اپنے قلیل رقبہ اور تھوڑی سی آبادی کے مشہور ترین آزادترین اور ترقی یافتہ ممالک میں شمار کیا جاتا ہے' اس کے حالات یقیناً نہ صرف دلچسپ بلکہ سبق آموز بھی ثابت ہوں گے۔

یہ کچھ عجیب و غریب واقعہ ہے کہ باوجودیکہ سوئیتسان کا ملک ممالک محروسہ

سرکار عالی کے رقبہ سے صرف ایک تہائی ہے لیکن ان دونوں کے رقبہ میں ایک خاص عددی مماثلت پائی جاتی ہے' یعنی جہاں ممالک محروسہ کا رقبہ کم وبیش ۸۲ ہزار میل ہے وہاں سوئیستان کا رقبہ کم وبیش ۲۸ ہزار ہے۔ ممالک محروسہ کی طرح سوئیستان بھی مختلف تمدنوں' مختلف زبانوں اور مختلف مذاہب کا جائے اتصال ہے اور جیسا کہ یہاں جنوبی ہندوستان میں تین بڑی بڑی زبانیں مرہٹی۔ تلنگی اور کنڑی بولی جاتی ہیں اور تمام ملک ہند کی مشترک زبان یعنی اردو (ہندوستانی) ہر حصہ ممالک محروسہ میں سمجھی جاتی ہے اسی طرح سوئیستان میں بھی چار زبانیں بولی جاتی ہیں' یعنی مغربی حصہ میں فرانسیسی' جنوبی حصہ میں اطالوی' شمالی اور وسطی حصہ میں جرمنی اور ایک مشرقی کونے میں ایک زبان رومانش جو سوائے سوئیستان کے اور کہیں نہیں بولی جاتی۔ آپ سوئیستان جائیں تو یہ عجیب واقعہ پیش آئے گا کہ پہاڑ کی کھو میں ریل گھسنے سے پیشتر اسٹیشن پر جرمن ہی جرمن بولی جارہی ہے اور چند سو گز کھو کے عبور کرنے کے بعد جب اسٹیشن آتا ہے وہاں جرمن نہیں سمجھی جاتی بلکہ صرف اطالوی یا صرف فرانسیسی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح سوئیستان والوں کا ایک مذہب نہیں بلکہ ملک میں کئی مذاہب رائج ہیں یعنی سخت قسم کا پروٹسٹنٹ مذہب جس کے گرجاؤں میں نہ بت نظر آتے ہیں نہ تصویریں بلکہ کچھ ہماری مسجدوں کی طرح عمارت بالکل سادہ اور ہر قسم کے بتوں اور تصویروں سے خالی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ رومن کیتھولک گروہ کے دو فرقے سوئیستان میں پائے جاتے ہیں ایک وہ جو پاپائے روما کو اپنا مرکز اور سرگروہ قرار دیتے ہیں اور دوسرا وہ جو عقائد میں رومن کیتھولک گروہ کے ساتھ ہیں۔ لیکن جو پاپائے روما کو اپنا رہنما نہیں سمجھتے جو چیز خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ باوجود لسانی اور مذہبی تنوع کے ہر سوئس خواہ وہ فرانسیسی بولتا ہو یا اطالوی' جرمن یا رومانش' اور مذہباً خواہ وہ کیتھولک ہو یا رومن کیتھولک یا پروٹسٹنٹ اپنے ملک اور اپنی حکومت کے لئے ہر قسم کی مالی' بدنی اور جانی قربانی کرنے کے لئے تیار رہے ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ سوئس لوگوں نے کچھ ایسی سوئس قومیت کی تاسیس کی ہے اور اس کو صدیوں سے قائم رکھا ہے جو جرمن' فرانسیسی اور اطالوی قوموں کے پڑوس کے ان تینوں سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ جب میں حال میں سوئیستان میں تھا تو

اس زمانہ میں چیکوسلوفاکیہ کا مسئلہ درپیش تھا اور ہٹلر طرح طرح کی ترکیبیں باقی ماندہ یورپ کو دے رہا تھا۔ سوئیتان کے متعلق بھی کچھ خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں ہٹلر جرمن سوئیتان پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جس حصہ ملک میں میں رہتا تھا اس کی مادری زبان جرمن تھی اور جرمنی کی جرمن اور سوئیس جرمن بولنے والے کی زبان میں تقریباً کسی قسم کا فرق نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے اپنے ایک سوئیس دوست سے پوچھا کہ ان کے احساسات اس مسئلہ میں کیا ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ ہر فرانسیسی یا اطالوی یا جرمن زبان بولنے والا سوئیس اس وقت تک برابر کسی بیرونی طاقت کے حملہ کی مدافعت کئے جائے گا، خواہ وہ فرانس کی طرف سے ہو یا اٹلی کی طرف سے یا جرمنی کی طرف سے، جب تک ایک ایک سوئیس کی رگوں میں ایک قطرہ خون کا بھی باقی رہے گا۔

جناب والا! یقیناً ایسی مثالوں سے نہ صرف حیدرآباد کے لوگ بلکہ تمام ہندوستان کے باشندے بہت کچھ سبق حاصل کرسکتے ہیں۔

اکثر لوگ جو یورپ جاتے ہیں وہ عام طور سے بڑے بڑے شہروں ہی میں قیام کرتے ہیں۔ حسن اتفاق سے مجھے ایک چھوٹے سے گاؤں میں جس کی آبادی ۱۲سو سے زیادہ نہ تھی کم و بیش ایک مہینہ رہنا پڑا۔ بارہ سو کی آبادی کا گاؤں ہندوستان میں ایک نہایت مبتذل قسم کی آبادی ہوتی ہے جس میں کسی طرح کی ترقی یافتہ کیفیات مشکل سے نظر آتی ہیں۔ اس کے برعکس اس بارہ سو کے گاؤں میں تین ہوٹل، چار رسٹوران اور متعدد دوکانیں تھیں۔ دو دوکانوں میں اسباب خانہ داری ملتا تھا، ایک جنرل مرچنٹ کی دوکان، ایک درزی کی دوکان اور کئی کارخانے جن میں سے ایک کارخانہ ٹوپیوں کا اور ایک میں ہل اور آلات کشاورزی بنتے تھے ایک میں بجلی کے ذریعہ سے آرہ کشی اور سنجاری کا کارخانہ قائم تھا اور ایک جمع تفریق کی مشین بنانے کا تھا۔ جو جنوبی امریکہ سے لے کر چین تک جاتی تھیں۔ میں نے لفظ کارخانہ جو استعمال کیا ہے وہ صرف اس لئے کہ ہمارے ملک میں یا تو محض دستکاری کے ذریعہ سے اشیا بنائی جاتی ہیں ورنہ پھر سینکڑوں ہزاروں روپیہ کی کسی چیز کی صنعت کے واسطے ضرورت پڑتی ہے۔ سوئیتان میں ایک بڑی حد تک صنعت

وحرفت گھریلو قسم کی ہے لیکن گھریلوپن سے یہ مراد نہ لی جائے کہ ایک موچی ہے جس کے تمام اوزار ایک چھوٹے سے پھٹے ہوے تھیلے میں بند ہیں اور وہ دن بھر برابر پھر کر مزدوری کرنے کے بعد مشکل سے چار چھ آنہ روز کما لیتا ہے، یا ایک بڑھئی ہے جسے اگر مہینہ بھر تک سوا روپیہ روزانہ ملتا رہے تو اس دنیا کو اپنی جنت تصور کرنے لگتا ہے یا ایک لوہار ہے جس کی زندگی کا ماحصل یہ ہے کہ چند پیسے لے لے کر دلائتی یا جاپانی ٹوٹی ہوئی اشیاء کی مرمت کیا کرے۔ سوئیٹسان کی صنعتیں زیادہ تر گھریلو ہیں یعنی یا تو وہ ایک شخص واحد کی ملکیت ہوتی ہیں، جو مختلف سرمایہ لگا کر اپنے خاندان والوں کی مدد سے یا تھوڑے بہت باہر کے نوکر رکھ کر ایک چھوٹا سا کارخانہ بنا لیتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ گھریلو صناع جدید ترین ایجادوں، چھوٹی چھوٹی گھریلو کلوں اور بجلی کی قوت سے مدد لیتے ہیں۔ بڑھئی کے گھر جائیے تو آرہ کشی کی چھوٹی سی مشین دیکھیں گے جس سے بڑے بڑے شہتیر کے چند ہی منٹ میں تختے کاٹے جا سکتے ہیں اور جلانے کے لئے لکڑی آنکھ جھپکنے میں تیار کی جا سکتی ہے۔ لوہار کے ہاں جائیے تو یہ نہیں کہ کئی آدمی ایک ہل کے بنانے میں لگے ہوے ہیں بلکہ ایک طرف ایک چھوٹی سے بجلی کی بھٹی ہے دوسری طرف ایک چھوٹی سی پالش کرنے کی مشین اور پھر ہر فرد خاندان، میاں، بیوی، بیٹے، بیٹیاں سب کے سب اس گھر کی اور ملک کی دولت کو بڑھانے میں مصروف ہیں، یہ نہیں کہ جیسا ہمارے ملک میں ایک کماتا ہے تو باقی سب گنواتے ہیں۔ میرا کئی ہمسایہ گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوا اور یہ حیرت ہوتی ہے کہ دس دس بارہ بارہ گھروں کے گاؤں میں بھی کسی نہ کسی چیز کی صنعت ایک مختصر پیمانہ پر ضرور قایم ہے۔ ایک گاؤں میں دودھیا کے صندوق بنتے ہیں، ایک دوسرے میں بوٹ سازی کا کارخانہ ہے جس میں بیس پچیس کاریگر ملازم ہیں، تیسرے میں لکڑی کی تہ ہونے والی چھوٹی چھوٹی کرسیاں بنتی ہیں۔ مجھے تاریخی کانگریس کی شرکت کی غرض سے بار بار سوئیٹسان کے سب سے بڑے شہر زیورخ جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ میرے گاؤں سے زیورخ (۴۰) میل تھا۔ ان چالیس میل کے مختصر سفر میں ایک جگہ سمنٹ کا کارخانہ نظر آتا تھا، ایک گاؤں میں ریل کے دھرے

اور پیسے بنتے تھے، ایک دیا سلائی کی صنعت کا مرکز تھا اور ایک میں سوئیس چاک لیٹ اور مٹھائیاں بنائی جاتی تھیں۔ گاؤں کا ہر ایک گھر خواہ وہ کسی کاشتکار کا ہو یا دستکار کا، دو تین منزل کا ہوتا ہے اور کوئی مکان ایسا نہیں جس کے متعلق ایک چھوٹے سے قطعہ میں پھولوں کے درخت اور ایک دوسرے چھوٹے سے قطعہ میں سیب اور ناشپاتی کے درخت نہ ہوں۔ انگور، خوبانی، سیب اور ناشپاتی اس قدر افراط سے دیکھنے میں آئے کہ بیان سے باہر ہے۔ راستوں پر اور سڑکوں پر جانوروں کے گرائے ہوئے سیب پھکتے پھرتے ہیں۔ اور میں نے اپنے ہوٹل کے باغیچہ سے ایک دن دس گٹھڑیاں سیب آتے ہوئے دیکھے۔ ہمارے ملک میں یقیناً سیب تو اتنے نہیں ہوتے لیکن آموں کی افراط ہوتی ہے، لیکن اگر کسی سال آموں کی بہت زیادہ افراط ہو تو اس کی وجہ سے یا تو بازار نہایت درجہ مدھم ہو جائے گا ورنہ باغوں والے سوچنے لگیں گے کہ اتنے آموں کا کیا کیا جائے۔ سوئیٹان کے گاؤں میں جو ہزاروں بلکہ لاکھوں درخت میوے کے ہوتے ہیں تو ان کی کھپت ایسی ہوتی ہے کہ کچھ میوہ تو تازہ کھا لیا جاتا ہے، کچھ کا جام بنا کر ٹینوں میں بند کر کے برآمد کیا جاتا ہے اور کچھ شیرے میں ڈال کر ڈبوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ غرض مشکل سے ایسے پھل ہوں گے کہ ضائع کر دئے جائیں یا ضائع ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں پھل پیدا ہوتا ہے وہاں پھل کو صحیح مصرف میں لانے اور اس کو محفوظ کرنے کے طریقہ پر بھی فوراً عمل ہونے لگتا ہے۔

شاید دنیا کے کسی ملک میں اتنی کم پولیس کے جوان نہ ہوں گے جتنے سوئیٹان میں۔ چوری، ڈاکہ بدامنی تقریباً مفقود ہے۔ ہر شخص کے پاس کافی دولت ہے لیکن کسی کے پاس اس قدر زیادہ نہیں کہ دوسرے اس پر حرص کی نگاہ ڈالیں نہ صرف گداگری ناجائز ہے بلکہ درحقیقت ملک میں گداگروں کا وجود ہی نہیں۔ سوئیس لوگ اپنے قدرتی وسائل کے صحیح استعمال سے واقف ہو گئے ہیں۔ ہمارے ملک کے پہاڑی حصوں میں جائیے تو آپ بے شمار چشمے ایسے پائیں گے جن کا پانی بس بہا جاتا ہے اور کسی کام

نہیں آتا۔ سوئیٹسان میں ان قدرتی چشموں کو مقید کر لیا جاتا ہے' اس لئے گاؤں گاؤں آپ کھیتوں میں اور سڑکوں پر کھلی ہوئی ٹونٹیاں پائیں گے جن میں سے صاف چشموں کا پانی خدا کی دین بالکل مفت ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانی کی سوئیٹسان میں کوئی قیمت نہیں اور ہریاول اور پھلواری سے ملک بھرا ہوا ہے۔

گاؤں کی سب سے اہم عمارت عام طور پر مدرسہ ہوتا ہے۔ اور اس عمارت کا سب سے ممتاز حصہ وہ ہوتا ہے جس میں گھڑی لگی ہوتی ہے گویا بچوں کو لکھنا پڑھنا ہی نہیں سکھایا جاتا بلکہ وقت کی پابندی کا بھی دھیان کرایا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے پشت پر تھیلے بندھے ہوئے ہاتھ آزاد خوش خوش اپنے اپنے گھروں سے صاف لباس پہنے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کوئی بچہ لڑکا یا لڑکی میں نے نہیں دیکھا جس کے کپڑے صاف ستھرے نہ ہوں کھیتوں پر کام کرنے والے لڑکے اور لڑکیاں بھی جو لباس پہنے ایپرن لگائے ہوئے ہوتی ہیں اس پر بھی دھبہ نظر نہیں آتا۔ گاؤں کے مدرسہ کا ایک اہم حصہ وہ ہوتا ہے جس میں اس گاؤں اور قرب وجوار کے تاریخی نوادر مقامی مصنوعات کے نمونے رکھے ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹا سا نوادر خانہ تقریباً ہر ایک گاؤں میں نظر آتا ہے۔ میرے بارہ سو آبادی والے گاؤں میں جو نوادر خانہ مدرسہ کے متعلق تھا اس میں رومن زمانہ تک کے اشیا رکھی ہوئی تھیں۔ اس گاؤں سے ایک سہ روزہ اخبار بھی نکلتا تھا' جس کے متعلق ایک اعلیٰ درجہ کا چھاپہ خانہ بھی تھا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے لوگ بھی قومی اور مقامی خبروں کے کتنے دل دادہ ہیں۔

غرض یہ ہے کہ اگر ہم غور کریں تو سوئیٹسان جیسے چھوٹے سے ملک سے بھی بڑے بڑے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ صنعت و حرفت کے دائرے میں کوئی وجہ نہیں کہ ہماری گھریلو صنعتوں میں کیوں بجلی کا استعمال نہ ہو اور اس طرح ملک کی دولت میں اضافہ نہ ہو۔ موجودہ زمانہ میں جب پیشوں کو ذلیل اور حقیر سمجھنے کا خیال ملک پر افسوس ناک طور پر غالب ہے وہ خیال ممکن ہے کہ گھریلو صنعتوں میں بجلی کی قوت کو رواج دینے سے مفقود ہو جائے اور سو دو سو کے سرمائے سے افراد خاندانوں

اور ملک کی دولت میں کافی اضافہ ہونے کا امکان ہو جائے۔

ہم بھی، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، تلنگی بولنے والے ہوں یا کنڑی، ہماری مادری زبان اردو ہو یا مرہٹی، کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے بادشاہ کے فرمانبردار اور اپنے ملک کے بہی خواہ اور وفادار اسی طرح سے نہ رہیں جیسے ایک سوئیس خواہ وہ جرمن بولتا ہو یا فرانسیسی یا رومانش، کیتھولک ہو یا رومن کیتھولک یا پروٹسٹنٹ، اپنے ملک کی آزادی کے واسطے اپنی جان اور مال قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

عالی جناب، میں جناب کا اور معزز خواتین وحضرات کا ممنون ہوں کہ آپ نے میرے ان خیالات کو توجہ سے سنا اور اب جناب سے مرخص ہوتا ہوں۔

شعبۂ نسواں

اضلاع میں اقامت خانوں کی ضرورت

از

محترمہ نورالنساء بیگم صاحبہ سپرنٹنڈنٹ مرہٹی ٹریننگ اسکول نسواں اورنگ آباد

اضلاع میں جانے کے بعد پہلی شدید ضرورت جس کا مجھے احساس ہوا وہ اقامت خانہ کا قیام تھا۔ ہماری طرز معاشرت ایسی ہے کہ معلمات یا طالبات ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر بہ آسانی واطمینان اپنی رہائش اور طعام کا انتظام نہیں کر سکتیں۔ یہی ایک بڑی اور واحد وجہ ہے جس کی بنا پر معلمات بلدہ سے اضلاع پر جانے سے قطعی ناراض رہتی ہیں اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں ایک معلمہ کا تقرر یا تبادلہ ضلع پر ہوا کہ انھوں نے رخصت لے لی

اور اپنے گھر بیٹھ رہیں۔ اس کا اثر انتظامی معاملات پر اور تعلیمی حالت پر جیسا کچھ پڑتا ہے ہر صدر مدرسہ اس کا احساس کر سکتی ہیں اور ان کو اس کا تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ مہینے بلکہ سال گزر جاتے ہیں کہ معلماۃ رخصت پر رہتی ہیں اور جب ان سے باز پرس کیجائے تو یہ جواب ملتا ہے کہ میں تنہا ضلع پر جا کر کس طرح رہوں وہاں میرے کوئی عزیز و اقارب نہیں۔

اگر سرکار کی جانب سے ہر ضلع کے مستقر پر یا کم از کم ہر فوقانیہ سے ملحق ایک ایسے اقامت خانہ کا انتظام کیا جا سکے جہاں معلماۃ نیز طالباۃ جو اس فوقانیہ سے مستفید ہونا چاہتی ہیں آکر رہیں تو ہر دو کے لئے بڑی سہولت کا باعث ہوگا۔ جب ان کے قیام وطعام کا معقول انتظام ہو جائے گا تو کارآمد معلماۃ کی دستیابی بہ آسانی ہوگی اور طبقہ فوقانیہ میں طالباۃ کی تعداد میں بھی خاصہ اضافہ ہو سکے گا۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ بفرض محال کوئی معلمہ اگر ضلع پر آنے راضی ہو بھی گئی تو اس کو اپنے بچوں سمیت نئی جگہ رہنے سہنے کا انتظام کرنا پڑتا ہے اور چونکہ وہ ایک نئی جگہ ہوتی ہے نہ وہ کسی کو جانتی ہے نہ کوئی اس کا پرسان حال ہوتا ہے۔ اگر کبھی خدانخواستہ کوئی علالت ہو تو چونکہ وہ ایک اجنبی جگہ ہوتی ہے بیچاری نہایت سراسیمہ ہو جاتی ہے اور اطمینان قلب جو تعلیمی کام کے لئے نہایت ضروری ہے مفقود ہو جاتا ہے۔ نتیجۃً اس کو رخصت لینی پڑتی ہے اور رخصت نہ بھی لیں تو مدرسہ کے فرائض کی انجام دہی دوبھر ہو جاتی ہے جس کا خمیازہ صدر مدرسہ کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اقامت خانوں میں یہ سراسیمگی ہی نہ رہے گی کیونکہ وہ تنہا آن کر رہیں گی اور اپنا مفوضہ کام بغیر کسی طرح کی فکر و تردد کے زیادہ عمدگی سے اور پوری توجہ سے انجام دے سکیں گی۔

طالباۃ کے لئے بھی اقامت خانہ کا وجود نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگا۔ بسا اوقات والدین نے مجھ سے ذکر کیا ہے کہ ہمارے تبادلہ اس قدر جلد جلد ہو جایا کرتے ہیں کہ بچوں کی تعلیم مدرسوں کی تبدیلی کی وجہ سے بہت خراب ہوتی ہے۔ اگر اقامت خانہ ہوتا تو بچوں کو وہاں چھوڑ دینے میں ہم کو بالکل اعتراض نہ ہوتا۔ بعض جگہیں تو ایسی ہیں جہاں مدرسہ ہی نہیں۔ اس صورت میں بچوں کے اوقات محض بیکار جاتے ہیں۔ مدارس

فوقانیہ چند ہی ہیں اور ان میں طالبات کی تعداد کم ہے اس لئے ضروری ہے کہ طالبات کے لئے قیام وطعام کی سہولت بہم پہونچائی جائے تاکہ طبقہ فوقانیہ میں ان کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہو اور جو کثیر رقم سرکار سے تعلیم نسوان کے لئے خرچ کیجاتی ہے اس سے ہر ممکن التعلیم لڑکی مستفید ہو جائے۔

علاوہ ازیں دارالاقامہ ہی ایک ایسی تربیت گاہ ہے جہاں اخلاق وعادات سنوارے جاتے ہیں قاعدہ وضابطہ کے تحت زندگی گذارنے کی عادت ڈالی جاتی ہے ہمدردی وانسانیت کے صفات سے متصف کیا جاتا ہے۔ اقامت خانوں میں بنا کردہ معیار اخلاق ہی پر طالبات کو اپنی آئندہ زندگی بسر کرنے میں سہولت ہوتی ہے اور وہی ان کا نصب العین رہتا ہے۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ جتنے ممکن اقامت خانے قائم کئے جا سکیں بہتر ہے۔ مدارس میں محض تعلیم ہوتی ہے اور تربیت کا زیادہ موقع نہیں ملتا۔ اقامت خانہ ہی ایسی جگہ ہے جہاں تربیت ہو سکتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اقامت خانوں کا قیام کس طرح سے عمل میں لایا جائے۔ سرکار سے کس حد تک مدد مانگی جائے اور پبلک اس کی پابجائی میں کتنی مدد دے۔ میرا خیال ہے کہ اقامت خانہ کو قائم کردینے کے لئے سرکار سے مدد مانگی جائے اور اُس کو چالو رکھنے کے لئے پبلک اور مقیمین مدد دیں یعنی مکان اور فرنیچر سرکاری ہو اور تنخواہیں۔ بجلی۔ نل۔ روزمرہ کے اخراجات۔ ماہانہ اخراجات وغیرہ بالکلیہ مقیمین کے سپرد رہیں۔ یا اگر آپ لوگ کوئی اور تدبیر بتا سکیں یا تجویز پیش کر سکیں تو اس پر غور کیا جائے۔

تدریس جغرافیہ

از

جنابہ فاطمہ الف بیگم صاحبہ اول مددگار مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ

روئے زمین پر انسانی زندگی کا مطالعہ، اس کے ماحول اور حالات کا حقیقی معنوں میں سمجھنا جغرافیہ ہے۔ انسان کو دماغی وجسمانی تربیت کی محض اس لئے ضرورت ہے کہ وہ اس کی مدد سے عالم خارجی یا داخلی میں حسب ضرورت معقول تبدیلی پیدا کرے۔

تعلیم اور معلومات ایک ہی چیز نہیں ہیں تعلیم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جو کچھ ہم نے سیکھا ہے اس کو امتحان کے موقع پر ظاہر کر دیا جائے تعلیم تو اسے نفس کی نشو ونما اور تربیت کا نام ہے۔ اچھی معلمہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرے گی کہ اپنے آپ کو ایک سچی رہنما بنائے اور اس بات کی منتظر رہے کہ شاگرد اپنے آپ کو تعلیم دیں۔ اگر شاگردوں میں یہ بات پیدا نہ ہو تو پھر گویا اس کی محنت اکارت گئی۔ اسی وجہ سے یہ بات لازمی ہے کہ تعلیمی مضامین کو طلبہ کے لئے دلچسپ بنایا جائے اور اس کی احتیاط کی جائے کہ یہ مضامین طلبا کی روزمرہ زندگی سے مختلف نہ ہوں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو چند دنوں بعد مضامین کو اسی طرح بہلا دیا جائے گا جس طرح ایک بوجھ پھینکا جاتا ہے۔ جو لوگ اپنے خیالات کو صاف صاف ادا نہیں کر سکتے وہ واضح طور پر سوچ بھی نہیں سکتے جب ہم اپنے خیالات کے لئے ٹھیک ٹھیک الفاظ ڈھونڈھ لیں اور یہ خیالات دوسروں تک پہنچا دیں اور ہم خود اصلاح وترقی کے میدان میں ایک قدم آگے بڑھ آئیں تو یہ ترقی مفید ثابت ہوگی۔ جغرافیہ وتاریخ ایک دوسرے سے بہت قریبی تعلق رکھتے ہیں اور ان کو ایک دوسرے سے علٰحدہ کرنا مشکل ہے۔ اس لئے ایک مضمون کو دلچسپ بنانے میں دوسرے سے بہت زیادہ مدد مل سکتی ہے جغرافیہ میں مقامی حدود سے شروع کریں اور دنیا کے دیگر مقامات کا حال بتایا جائے۔ مدرسین کو فن تعلیم کے

قدم بہ قدم چلنا چاہیئے اچھا استاد اپنی کلاس کو چند منٹ کے لئے محو کر سکتا ہے۔ استاد استاد میں بھی بڑا فرق ہے۔ ایک وہ استاد ہے جو اپنی کلاس میں سرسری طور پر کتاب میں جو کچھ مضمون ہے پڑھا دیتا ہے۔ اس کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس سبق کا کیا اثر طلبہ پر مرتب ہوا۔ بر خلاف اس کے ایک دوسرا استاد ہے جو سبق کے منشا و مقصد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ سمجھانے میں جان لڑا دیتا ہے اور زندگی کے اعلیٰ صفات کو اپنی آواز، حرکات و سکنات اور قوت بیانیہ کے زور سے شاگردوں کے دلوں پر نقش کر دیتا ہے۔ استاد اپنی قوت بیانیہ سے غبی اور سوتے ہوئے شاگردوں کو بھی چند سکنڈ میں جگا سکتا ہے۔ اگر استاد اپنے اخلاق کا معیار اونچا کر دیں گے تو شاگردوں کا اخلاق بھی خود بخود بڑھ جائے گا۔

جغرافیہ کی تعلیم کے لئے اول ماڈل و کرۂ ارض اور نقشہ جات کا ہونا ضروری ہے۔ ماڈل نوعمروں کو تعلیم دینے کے لئے بے حد مفید ہیں۔ اس کام میں بڑے طلباء سے مدد لینی چاہیئے۔ دستی مشاغل کے اسباق میں اس قسم کے ماڈل تیار کرنا مفید ہو گا کیوں کہ بچے ہمیشہ ایسے کام کے کرنے میں دلچسپی لیا کرتے ہیں۔ معلمہ کو چاہیئے کہ فقط طلبہ کی نگرانی کرے بہتر ہے کہ صحن میں طلباء ریاست حیدرآباد یا ہندوستان کا ماڈل تیار کریں جس سے زمین کا نشیب و فراز و پہاڑوں کی اونچائی وغیرہ مقابلتہً اچھی طرح واضح ہو گی۔

دیواری و توضیحی نقشہ جات جماعت کی دیواروں پر ہرگز آویزاں نہ کئے جائیں وہ دیواروں کی آرائش و زیبائش کے لئے نہیں ہیں اور کھلے رہنے کی وجہ سے گرد و غبار سے آلودہ ہو کر بہت جلد خراب ہو جائیں گے اس لئے ایسے نقشوں کو ہمیشہ لپٹا ہوا رکھنا بہتر ہے۔ ان کو کسی الماری میں رکھنا نہ ہو سکے تو کسی اسٹانڈ پر رکھا جائے تو بہتر ہے۔ نقشہ بارش اور اسی قسم کے دیگر نقشہ جات ہمیشہ کارآمد ہوتے ہیں لیکن عموماً سب سے زیادہ پر اثر وہ نقشہ ہوتا ہے جو عین وقت پر تختہ سیاہ پر بچوں کے روبرو کھینچا جائے اور جس کو طلباء فوراً اپنی کاپیوں میں یاد رکھنے کی غرض سے اتارلیں۔ نقشہ جات کا کاپی میں اتارنا بہت ضروری ہے تاکہ سبق طلباء کے ذہن نشین ہو سکے۔ نقشہ ہمیشہ پیمانہ سے کھینچا جائے اور پانی کا رنگ نیلا اور خشکی کا سرخ ہو نقشہ جات کی تصحیح عمل میں آئے ورنہ غلطی کا امکان ہے۔

جغرافیہ کا کھیل کھیل طلبار کے لئے آئندہ زندگی کی طیاری کا ذریعہ ہے۔ جس سے طلبا میں مساوات کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ بہتر کام کرنے والے کو فوقیت دینے کا تصور راسخ ہوتا ہے۔ وفاداری۔ حب الوطنی۔ قانون کی پابندی۔ ملنساری۔ فیاضی۔ قوت فیصلہ کی تربیت ہوتی ہے۔ جب طلبا بڑی جماعت میں آتے ہیں تو انہیں بہادر چالاک، باہمت، دلیر ہمتیوں سے انس پیدا ہو جاتا ہے۔ جغرافیہ کے مشہور شہر۔ دریا و پہاڑ کے نام و واقعات سے ان کو لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور اسکول کا بہترین کھیلنے والا ان کے لئے مایۂ ناز ہوتا ہے۔ مقابلہ کرنے اور بازی لے جانے کی آرزو ہر دل میں پنہاں ہوتی ہے۔ اگر اس جوہر فطری کو ترقی دی جائے تو نہایت کامیاب نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک استاد یا حاکم کے زیر حکومت کھیلنے اور کام کرنے میں ان کو مزا آنے لگتا ہے۔ ہر لڑکے کے دل میں کامیابی کی تمنا ہوتی ہے کھیل تعلیم سے کسی طرح جدا نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمیں چاہیئے کہ موجودہ صورت میں جسمانی نشو ونما و جسمانی ساخت کی تکمیل کا پورا پورا خیال رکھیں۔

مثلاً پہلے دن بچوں کو ایشیا کے مشہور شہر یاد کرنے کے لئے کہا جائے۔ دوسرے دن صحن میں لیجاکر اس جماعت کی دو پارٹیاں بنائی جائیں۔ درمیان میں ایک لکیر کھینچ کر ایک پارٹی لکیر کے اس طرف اور دوسری دوسری طرف کھڑی کی جائے۔ ایک پارٹی آپس کے مشورہ کے بعد ایک شہر کا نام لکھے۔ فرض کیجئے کہ وہ شہر پیکن ہے۔ جس کا پہلا و آخری حروف پ۔ ن ہے۔ لکیر کے قریب زمین پر اس کو لکھ دیا جائے۔ اور دوسری پارٹی سے اس شہر کا نام بوجھنے کے لئے کہا جائے اگر وہ پارٹی نام بتلا دے تو ادھر کی پارٹی کے دو بچے ادھر لے لئے جائیں۔ اگر وہ نہ بوجھ سکیں تو ان کی پارٹی سے ادھر دو بچے لے لئے جائیں۔ نام بولتے وقت دوڑ کر ایک دوسرے کو پکڑنا چاہیئے اسی طریقہ سے بچوں کو بندرگاہ دریاؤں اور پہاڑوں وغیرہ کے نام آسانی سے سکھائے جا سکتے ہیں۔ بچے اس کھیل میں بہت دلچسپی لیں گے۔

سوزن کاری

از

جنابہ فاطمہ جعفر صاحبہ مددگار مدرسہ فوقانیہ نسوان محبوب علی کمان بلدہ

زمانہ حال میں زندگی کے مختلف شعبوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ فن خیاطی
اہمیت وسوزن کاری کو بھی خاص اہمیت دی گئی ہے۔ممالک یورپ اور امریکہ میں
جہاں معلومات علم کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں اس موضوع پر ماہرین فن نے مستقل
کتابیں لکھی ہیں لیکن اس مضمون پر یہاں اس حیثیت سے غور کرنا ہے کہ وہ ہمارے
مدارس کے نصاب کا جزو ہے۔محکمہ تعلیمات نے اس کے مختلف فوائد کے تحت
یہ ضروری جانا کہ ہماری لڑکیاں اس کو سیکھیں اور اپنی خاندانی زندگی کی مسرتوں میں
اضافہ کریں۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مضمون کے دو اصل
اجزاء دوران تعلیم میں ہماری طالباۃ کے ذہن نشین کئے جائیں .... ایک افادہ
(Utility) دوسرے حسن (Beauty) سوزن کاری کے کسی
اچھے نمونے کو لیجئے تو اس میں آپ ان دونوں اجزار کا ایک دلکش ملاپ پائیں گے۔
جزو اول یعنی افادہ کی اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہمارا ہر کام مفید ہو جو کسی نہ
کسی ضرورت کی تکمیل کرسکے۔اگر یہ خیال ابتداءً ان کے ذہن نشین نہ کرایا جائے تو باوجود
کسی چیز کو حاصل کرنے کے اس کے استعمال سے ناواقف ہوں گے جس سے تعلیم کا حقیقی
مقصد فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے دوسرا جزو یعنی ذوق حسن (Aesthetik taste) کی
تربیت بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔اگر دوران تعلیم میں یہ پہلو تشنہ رہ جائے تو یقیناً
ہماری طالباۃ کے سیون کے نمونے بے جوڑ اور بھدے ہوں گے جس سے ان کی بدذوقی
کا ثبوت ملے گا۔ان اصولوں کے پیش نظر میں نے اپنی ناچیز کوششوں سے چند نمونے تیار

کئے ہیں جو سلسلہ وار پیش کئے جاتے ہیں۔ ان نمونوں میں لباس اور کپڑے کے انتخاب کے ساتھ اس چیز کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ لڑکیوں کو سیون کی مناسبت سے کپڑے منتخب کرنے میں آسانی ہو اور وہ اپنے سیون کا صحیح استعمال کر سکیں۔

اقسام سیون (۱) اب میں یہ بتلاؤں گی کہ سوالات کے ذریعہ لڑکیوں کو سیون کے ٹپے کس طرح ذہن نشین کرائے جائیں۔ مثلاً ہم یہ سوال کریں گے کہ ٹپہ یا لنگر کیا ہے اور کس لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور پھر ہمیں یہ جواب حاصل کرنا چاہیئے کہ سیدھے سیدھے لمبے ٹانکے لنگر یا ٹپہ کہلاتے ہیں۔ کسی لباس کی اصلی سلائی کے قبل ٹپہ ڈالنے سے سیون میں آسانی اور صفائی پیدا ہوتی ہے۔ اس کو ذہن نشین کرانے کے بعد لڑکی کو یہ بتلانا چاہیئے کہ ٹپے سے دیگر خوبصورت نمونے بھی تیار کئے جاسکتے ہیں۔

مثال نمونہ (۱)

ڈرائینگ ملاحظہ ہو ضمیمہ صفحہ (۱)

(۲) بخیہ :۔ سیدھے اور بالکل چھوٹے چھوٹے ٹانکے کو بخیہ کہتے ہیں۔ عام طور پر اسکولوں میں یہ پایا گیا کہ لڑکیاں بخیہ کے ٹانکے اس قدر بڑے کر دیتی ہیں کہ لنگر اور بخیہ میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اس کا صحیح استعمال بتانا سخت ضروری ہے۔

اس موقع پر یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ بخیہ کا استعمال فرنچ سیون یا لڑھاون یا اسی قسم کے دیگر سیون کے ساتھ ہوتا ہے۔ محض بخیہ سے کوئی سیون مکمل نہیں ہوسکتا۔ اس جانب بھی ہمارے مدارس کی لڑکیوں کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے کیونکہ عام طور پر یہ پایا گیا ہے کہ اکثر لڑکیاں صرف بخیہ سے پورا کرتا تیار کرتی ہیں جس سے ایک طرف ان کی کم ذوقی کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ بخیہ کے صحیح استعمال اور اس کے افادے سے ناواقف ہیں۔

مثال نمونہ (۲) کرتا (۳) چڈی

ڈرائینگ ملاحظہ ہو ضمیمہ صفحہ (۲) اور صفحہ (۳)

(۳) بخیہ :- ایسے سیدھے ٹانکوں کا سیون ہے جس میں ہر ٹانکہ دوسرے ٹانکے کے پیچھے سے لیا جاتا ہے۔ اور اس کا ایک رخ تیپچی کی طرح نظر آتا ہے اور دوسرا پھول کی شاخ یا ڈنڈی کے سیون کی طرح۔ اس کا استعمال عام طور پر مضبوط اور موٹے کپڑے پر ہوا کرتا ہے۔ عموماً بخیہ کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ کپڑا کسی مزید سیون کا محتاج نہ رہے۔ اس کو یوں ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ تیپچی بھرنے کے بعد کپڑے کو لڑھانا یا فرنچ سیون سینا لازمی ہو جاتا ہے اور بخیہ میں اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی

(اس پر جو مکھی کے پر ڈالے گئے ہیں

مثال نمونہ (۴) بیاگ- وہ محض خوبصورتی کے خاطر ہیں)

ڈرائینگ ملاحظہ ہو ضمیمہ صفحہ (۴)

(۴) متفرق سیون :- خوب صورت ٹپوں کے مختلف استعمال سے بھی لڑکیوں کو واقف کرانا چاہئے جیسے بچوں کی چادروں۔ ہاتھ پونچھنے کے تولوں باورچی خانہ کی صافیوں وغیرہ پر خوبصورتی کے لئے ٹپے ڈالے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح کاجوں کے لئے اس کا موزوں مقام اور گنڈیوں کے لحاظ سے اس کی سائز (SIZE) قرار دینا یہ سب گو معمولی چیزیں نظر آتی ہیں لیکن یہی ابتدائی چیزیں بتلانے میں بھول ہو جائے تو لڑکیاں ایک ایسے سیون کی عادی ہو جاتی ہیں جس کو ہمیشہ کھول اُدھیڑ کرنا پڑتا ہے۔

پیوند....... اگرچہ یہ سیون معمولی نظر آتا ہے لیکن بعض اوقات یہ پایا گیا ہے کہ لڑکیاں پیوند کے الٹے سیدھے میں امتیاز نہیں کر سکتیں........ اس کا مقصد یہ ہے کہ کپڑے کی مضبوطی کو برقرار رکھا جائے جو دوسرے سیون سے حاصل نہیں ہو سکتا اور اس چیز کی اہمیت سے طالبات کو واقف کرانا ضروری ہے۔

رفو........ ہمارے بعض لباس ایسے ہیں جس کے پھٹ جانے کے بعد کسی سیون سے بجز رفو کے کام نہیں چلتا۔

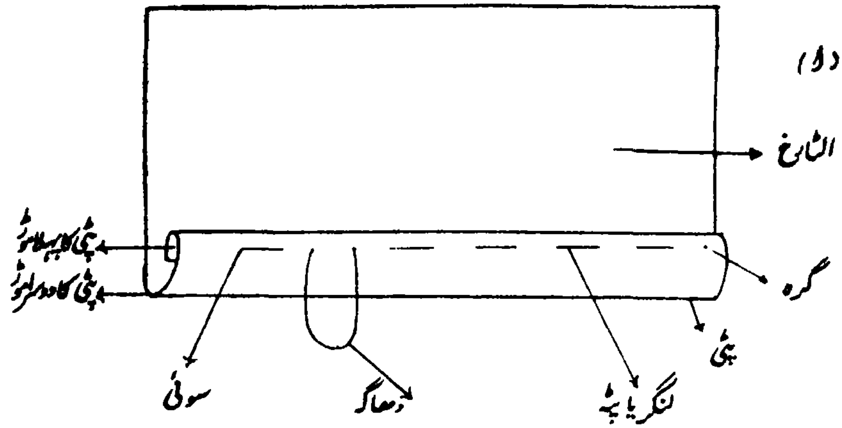
خلاصہ بحث اس تفصیل کے ذریعہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مختلف سیون مختلف قسم کے کپڑوں اور لباس کے لئے مخصوص ہیں اسی طرح ہر کپڑے اور لباس کی مناسبت سے سیون ڈالے جاتے ہیں یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ صحیح ہدایتوں سے لڑکیوں میں افادہ اور ذوق حسن کی تربیت کی جائے مگر اس کے برخلاف ہیں اسکولوں میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ لڑکیوں نے باریک ململ سے غلاف اور تھیلیاں تیار کی ہیں۔ حالانکہ غلاف کا مقصد یہ ہے کہ کثافت تکیہ تک نہ پہونچے جو ململ سے حاصل نہیں ہوسکتا اور غالباً اسی طرح ململ کی تھیلیاں کسی وزن کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ چونکہ ہمارا ملک بہ نسبت دیگر ممالک کے غریب ہے اس لئے ہمیں اس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے کہ بے سود کاموں میں وقت اور روپیہ ضائع نہ ہو۔ صحیح ہدایتوں سے اس کا امکان ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی اور معمولی چیزوں کو سلیقے سے کام میں لاسکیں۔ چنانچہ ہمارے بعض مدارس میں جہاں فرنیچر نہیں ہے بیٹھنے کے لئے ٹاٹ دئے جاتے ہیں۔ ہم ان لڑکیوں سے کام لے کر اسی ٹاٹ کو خوبصورت بنا سکتے ہیں۔

ان تمام امور کو ذہن نشین کراتے وقت اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ لڑکیوں کے پاس ایک کاپی اس لئے مخصوص کی جائے کہ اس میں ان کے سیون کے نمونے ہوں اور ایک کاپی ان کی ڈرائینگ اور ہدایتوں کے لئے ہو تاکہ وہ اپنے سیون کے نقائص سے واقف ہوکر اپنی معلمہ کی ہدایتوں پر کاربند ہوں۔

ضمیمہ

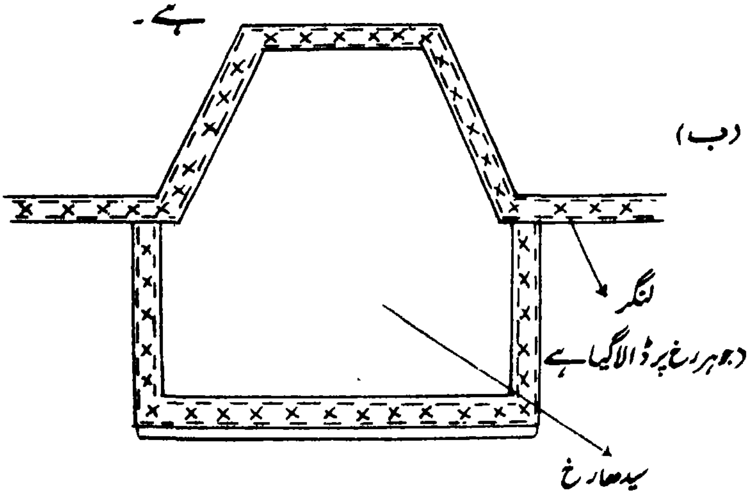
مثال نمونہ (۱)

(ا)



ایپرن جو صرف لنگر یا پٹی سے تیار کیا گیا ہے۔

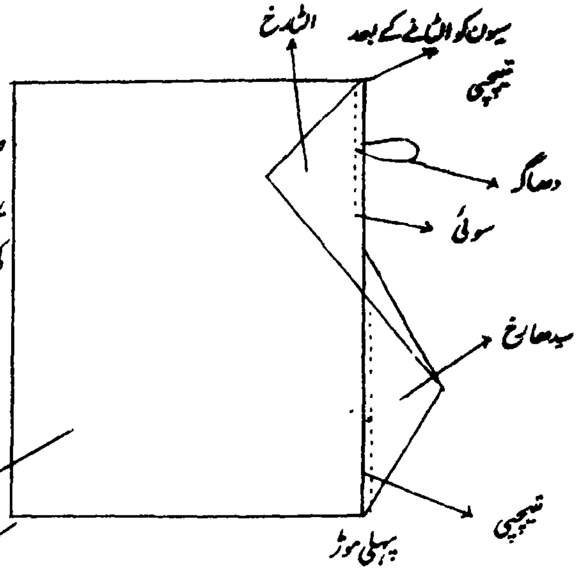
(ب)



مثال نمونہ (۲) کرتا

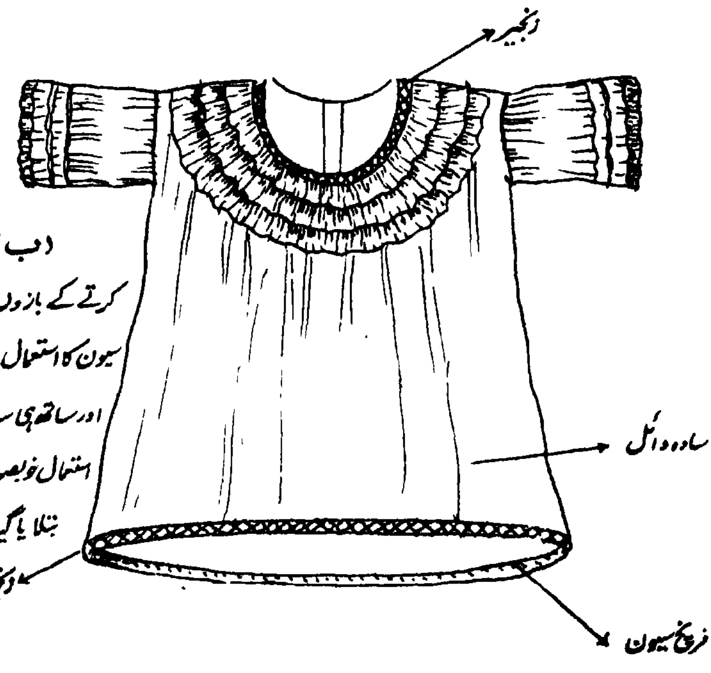
(ا)

صرف سیون بتلایا گیا ہے۔
یہاں تیپچی فرنچ سیون میں استعمال
کی گئی ہے۔

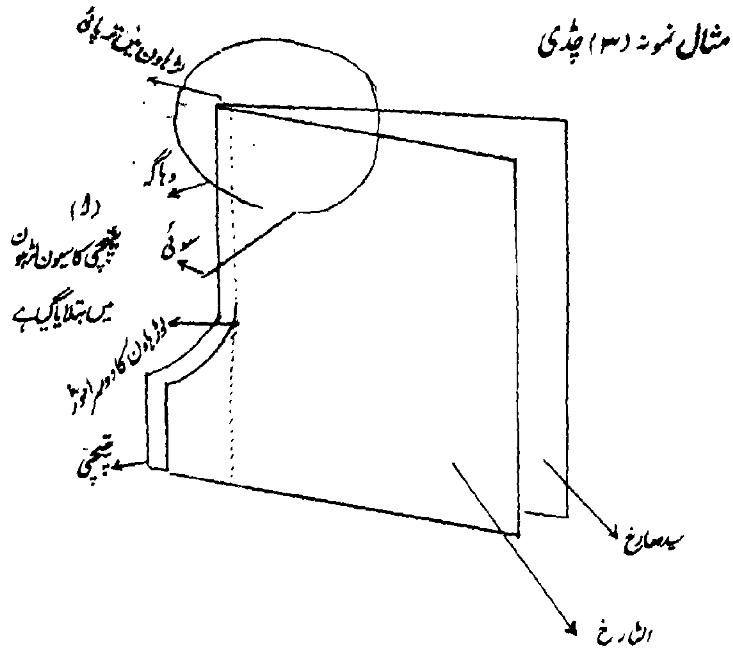


(ب)

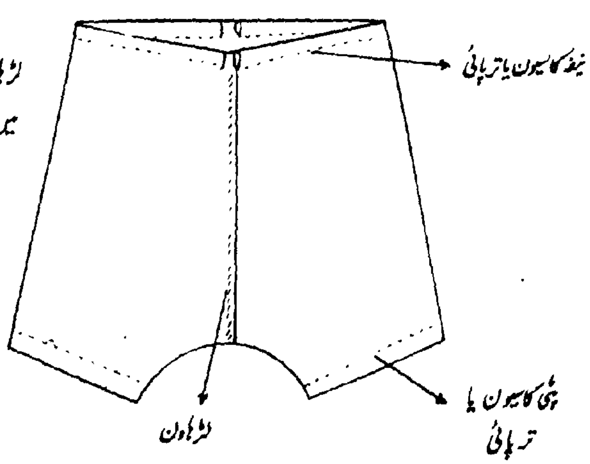
کرتے کے بازوں پر فرنچ
سیون کا استعمال بتلایا گیا ہے۔
اور ساتھ ہی ساتھ زنجیر کا
استعمال خوبصورتی کے لئے
بتلایا گیا ہے۔



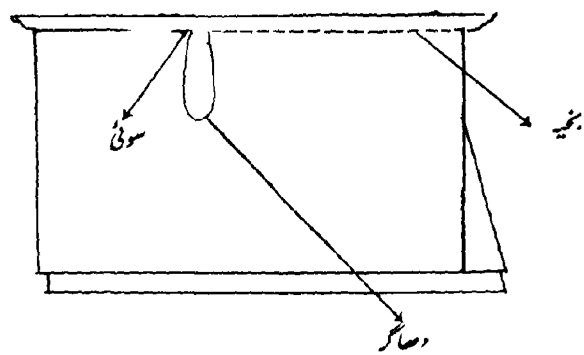
مثال نمونہ (۳) چڈی



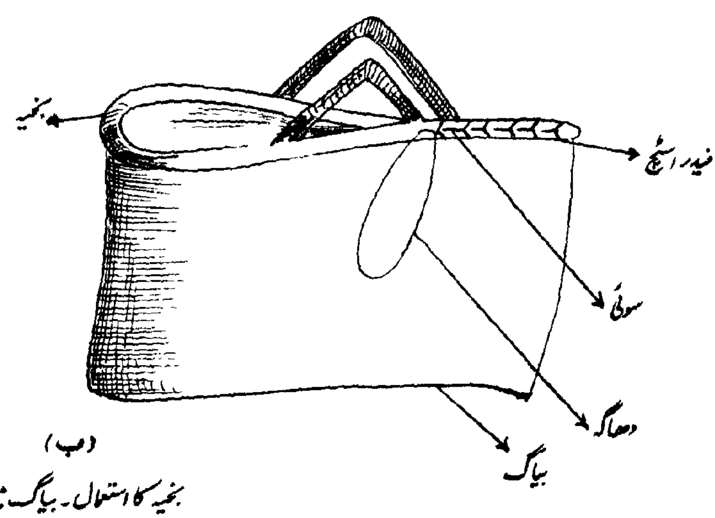
(ب)
لڑہاون کا استعمال چڈی میں۔



مثال نمونہ (۴) بیاگ



(ا)
بخیہ کا سیون



(ب)
بخیہ کا استعمال۔ بیاگ میں
اس لئے کیا گیا ہے کہ کپڑا مڑلے

رُوداد دوسری سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ

ممالک محروسہ سرکار عالی بابتہ ۱۳۴۸ف

مرتبہ

مولوی محمد عبد النور صاحب صدیقی بی۔ اے۔ بی ٹی (علیگ)

کونسل انجمن مذکور کے کونسل کا پہلا اجلاس بابتہ ۱۳۴۸ف بروز پنجشنبہ بتاریخ ۲۰/اسفندار ۱۳۴۸ف زیر صدارت مولوی سید محمد حسین جعفری صاحب بی۔ اے آکسن ناظم تعلیمات منعقد ہوا۔ رسمی امور طے پانے کے بعد کانفرنس میں پیش شدنی تحریکات کا انتخاب عمل میں آیا جو اسی عنوان کے تحت دوسری جگہ ملیں گے۔ سال حال کے لئے اراکین کونسل کا انتخاب کیا گیا اس کی فہرست کسی دوسری جگہ دی گئی ہے۔

کونسل میں طے پایا کہ آیندہ کانفرنس گلبرگہ میں بتواریخ ۲۲، ۲۳ ڈسمبر ۳۹ء منعقد کی جائے اگر غیر معمولی حالات کا اعادہ ہو تو بمقام رائچور منعقد ہو۔ کونسل نے ایک ذیلی کمیٹی پرنسپل صاحب انٹرمیڈیٹ کالج گلبرگہ و صدر مہتمم و مہتمم صاحبان تعلیمات گلبرگہ و مہتمم صاحب تعلیمات رائچور پر مشتمل مقرر کردی تاکہ بروقت ضروری انتظامات عمل میں لائے جاسکیں۔

آیندہ سال کے لئے حسب ذیل ۵ موضوع مقرر کئے گئے جن پر ذیلی کمیٹیاں رپورٹ پیش کرینگی۔ (۱) تحتانی تعلیم بحوالہ (الف) تغذیہ طلبہ (ب) باری دار طریقہ (ج) نصاب جماعت پنجم تحتانیہ۔ (۲) ثانوی تعلیم۔ (۳) تعلیم نسواں۔ (۴) معذور اطفال کی تعلیم (۵) تربیت مدرسین بحوالہ اعادی نصاب۔

نمائش تعلیمی انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی دوسری سالانہ کانفرنس کی تعلیمی نمائش اسٹانلی گرلز ہائی اسکول میں منعقد ہوئی اور بتاریخ ۲۰/اسفندار ۱۳۴۸ف

شام کے پانچ بجے لیڈی حیدری صاحبہ نے افتتاح کیا۔

لیڈی موصوفہ کے ورود پر نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات اور مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری ناظم تعلیمات نے خیر مقدم کیا افتتاح سے قبل ایک گلدستہ پیش کیا گیا۔ فیتہ کو کاٹتے ہوئے لیڈی حیدری صاحبہ نے تالیوں کی گونج میں نمائش کا افتتاح کیا۔ صدر المہام بہادر تعلیمات اور مس نندی صاحبہ مہتمہ کے ساتھ نمائش کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد ساڑھے پانچ بجے لیڈی حیدری صاحبہ واپس تشریف لے گئیں اس موقع پر تعلیمات کے تقریباً تمام مرد و خواتین عہدہ دار موجود تھیں۔ نمائش میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے (۶۷) پرائمری مڈل اور ہائی اسکول کے طلبہ طالبات اور اساتذہ کی بنائی ہوئی (۲۲۲۴) اشیاء شریک تھیں جن کو دس شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا جس کے لئے (۲۰) حکم مقرر تھے۔ (۱۱۱) سرٹیفکٹ بطور انعامات تجویز کئے گئے ہیں سب سے زیادہ انعامات کی فہرست حسب ذیل ہے مدرسہ عالیہ (۲۲) گرلز ہائی اسکول نامپلی (۱۰) دار الشفاء (۱۰) دار العلوم (۸)

افتتاحی اجلاس بتاریخ یکم فروری ۱۳۴۸ف روز جمعہ ۹ تا ۱۱ ½ ساعت زیر صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات و فینانس پہلا اجلاس بمقام سٹی کالج منعقد ہوا۔ ہال پورا بھرا ہوا تھا۔ سررشتہ تعلیمات کے اکثر عہدہ دار و مدرسین مدارس اور نمائندگان اضلاع کانفرنس میں شریک ہوئے۔ عثمانیہ یونیورسٹی اور نظام کالج کے پروفیسر صاحبان معزز خواتین اور بعض سربرآوردہ مہمانوں نے جن میں قابل ذکر مولوی فضل محمد خاں صاحب سابق ناظم تعلیمات و معتمد مدارس فنی و صنعتی اور اڈ الف مائیرس صاحب نمائندہ بیک انگلش ہیں۔ شرکت کی زحمت گوارہ فرمائی۔

جلسہ کا آغاز مولوی سجاد مرزا صاحب ایم۔ اے (کنٹب) سی۔ ٹی (لندن) صدر استقبالیہ کمیٹی کے خطبہ سے ہوا۔ صاحب موصوف نے اپنے خطبہ میں صدر کانفرنس کے تبحر علمی اور علم و عمل تعلیمات کی بے کراں واقفیت کا ذکر کرتے ہوئے انجمن کے ٹھوس کام کو سراہا۔ مدرسین کی موزوں تربیت کو تمام تعلیمی اصلاحات کا

سب سے مشکل عقدہ بتاتے ہوئے "بیسک انگلش" کے ترویج کی پرزور حمایت و تائید کی اور تمام زائد زبانوں کے تدریس کی سفارش اسی طریقہ پر فرمائی جو آرتھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ نے پیش کیا ہے۔ خطبہ استقبالیہ قارئین کے استفادہ کے لئے کہیں اور شائع کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مسٹر کے۔ بی۔ ایر بی۔ اے۔ بی۔ ٹی معتمد عمومی انجمن نے انجمن کی سال بھر کی سرگرمیوں کا خلاصہ پیش کیا جو علیحدہ درج ہے۔

صدر کانفرنس نے ایک عالمانہ اور بصیرت افروز خطبہ انگریزی میں دیا جو علم و عمل تعلیمات کے رموز سے لبریز اور سررشتہ کی ضروریات کا مرقع ہے۔

صاحب ممدوح نے ابتدائی تعلیم عام کی اہمیت اور توسیع کی ضرورت، مالی مشکلات اور تربیت یافتہ مدرسین کی قلت پر روشنی ڈالتے ہوئے اہم اور قابل عمل تجاویز پیش فرمائیں۔ کم سن بچوں کی تربیت اور بالک باغ کی اہمیت پر اچھوتے خیالات ظاہر فرمائے۔ پھر مجلس تعلیم ثانوی اور محکمہ تعلیم فنی اور صنعتی کی اسکیمات کا ذکر کرتے ہوئے مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری اور مولوی سید علی اکبر صاحب اسپیشل انسپکٹنگ تعلیمات کی انجمن سے دلچسپی اور انہماک وغیرہ کی ستائش کی۔

یہ خطبہ من و عن اشاعت ہذا میں علٰحدہ شائع کیا گیا ہے اس کے بعد مسٹر ہارڈنگ بی۔ اے۔ ڈی۔ ای (آکسن) پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے نظام مدارس انگلستان پر تقریر کی۔ مسٹر ایف۔ ویبر۔ ایم۔ اے نے "جماعت مدرسہ میں ورزش جسمانی ڈرل اور اس کی غایت" کے موضوع پر دلچسپ تقریر کی اور ایوان کو ہوشیاری کے ساتھ جماعت مدرسہ میں مبدل کر کے حاضرین محفل کو تختہ مشق بنایا جو حاضرین کے تفریح طبع کا باعث ہوا۔ موصوف نے بتایا کہ طلبائے مدرسہ بیٹھے بیٹھے کیسے اکتا جاتے ہیں اور کس طرح تکان کو دور کرنے کی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ ان تمام امور پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا کہ جماعت میں ڈرل کی ضرورت ہے۔ مدرس دوران تعلیم میں منٹ یا دو منٹ کے لئے بچوں کی سستی کو دور کردے تو طلبہ کی کارکردگی میں ازدیاد کا باعث ہوگا۔

پروفیسر ہارون خاں شیروانی ایم۔ اے (آکسن) نے "سوئزرلینڈ اور اس کی دیہی زندگی" پر پُرجوش تقریر کی۔ اُس کی دیہی تنظیم اور گھریلو صنعتوں کا موثر انداز میں ذکر فرماتے ہوئے یہ چیز بھی واضح کی کہ قدرتی ذرائع کو وہاں کس خوبی سے کام میں لایا جارہا ہے۔

اختتام تقریر پر حسب ذیل دو تحریکات پر مباحثہ ہوا۔ جو بغلبہ آرا منظور ہوئیں۔

تحریکات (۱) اس کانفرنس کی رائے ہے کہ جن مقامات میں مدارس سرکاری کے طلباء کے لئے طبی معائنہ کا انتظام کیا گیا ہے وہاں مدارس امدادی و مسلمہ سرکار کے طلباء کے لئے بھی اس قسم کا انتظام کیا جانا مناسب ہے۔

(۲) انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی سفارش کرتی ہے کہ متوفی مدرسین صاحبان کی اولاد کو آوارگی سے بچانے اور ان کو سوسائٹی کا ایک قابل اور کارآمد رکن بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مثل سررشتہ پولیس ایک ادارے کے ذریعہ ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے تاکہ قوم و ملک کی خدمت کرنے والی کی نسل کا وجود بھی اپنے ملک و مالک کے لئے مفید ثابت ہو۔

لنچ۔ صدر استقبالیہ کمیٹی مولوی سجاد مرزا صاحب نے اس مرتبہ مہمانوں وغیرہ کے لئے دوپہر میں کھانے کا انتظام بھی کیا تھا۔ کھانوں کے انتخاب میں بڑی جدت سے کام لیا گیا۔ دعوت کیا تھی گویا "متوازن و غیر متوازن غذاؤں کا دلچسپ مظاہرہ تھا فہرست طعام کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ہر چیز سادہ اور کثیر الغذا تھی۔ حتیٰ کہ چاول بغیر کُٹے ہوئے تھے تاکہ ویٹامن ڈی سے استفادہ کیا جا سکے۔ پپئی نے میوہ کی جگہ لی تھی جو بلاشبہ بہ لحاظ کلورک ویلیو سب سے بازتھی۔ بجائے نیپکن دیسی کاغذ خوش نمائی کے ساتھ رکھا گیا تھا جس پر دیسی کاغذ کے استعمال کی ہدایات دی گئی تھیں۔ میٹھا جو کنتری پڈنگ کے نام سے موسوم تھا جوار کے دلیہ دودھ اور گڑ پر مشتمل تھا۔ ہر شخص نے اس میٹھے کی داد دی۔ بعض حضرات نے بعد میں شکایت کی کہ اس کے ہضم کرنے کے لئے کنتری معدہ کی ضرورت تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مقدار کے معاملہ میں

توازن برقرار نہیں رکھا گیا۔ بہرحال دو دن صاف ستھری سادہ مگر کثیر الغذا سائنٹفک پکوان سے خوب خوب استفادہ کیا گیا۔ اُمید ہے کہ پیش کردہ دعوتِ شیراز کا نمونہ سب کے لئے قابل تقلید ہو گا۔

دوسرا اجلاس

ذیلی کمیٹی تعلیم بالغان

بتاریخ یکم فروردی ۱۳۴۸ف ۲ تا ۳ ساعت زیر صدارت مولوی احمد حسین خاں صاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات بلدہ ذیلی کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ مولوی نور الحسن صاحب بی۔ اے ڈپ۔ ایڈ (گلاسگو) صدر فوقانیہ دار الشفا و معتمد ذیلی کمیٹی نے مبسوط رپورٹ پڑھی۔ قابل صدر نشین اجلاس نے ایوان کو رفع شک اور ترمیمات پیش کرنے کے لئے مدعو کیا۔ مولوی شیخ ابو الحسن صاحب بی۔ اے، ال۔ ٹی صدر مہتمم تعلیمات ورنگل نے بعض ترمیمات پیش کیں مگر صدر محترم نے ان کی تشفی کر دی لہذا بجز ایک ترمیم کے کہ مذہبی تعلیم کی بجائے دینیات و اخلاقیات کے الفاظ رکھے جائیں ایوان نے منظور کی باقی تمام ترمیمات محرک نے واپس لیں۔ بعد ازاں مولوی شمس الدین صاحب بی۔ اے۔ ال۔ ٹی صدر فوقانیہ جالنہ نے مذہبی تعلیم کو ضروری بتاتے ہوئے تحریک کی کہ تعلیم بالغان مذہبی تعلیم کے ذریعہ دی جائے، چونکہ اس کی تائید کسی نے نہیں کی لہذا یہ ترمیم مسترد ہوئی۔

عالی جناب مولوی سید علی اکبر صاحب نے سفارش نشان (۳) کے آخری جزو میں حسب ذیل الفاظ بڑھانے کے لئے تحریک پیش کی

"جو مدارس بالغان خاص فرقہ کے لئے قائم ہیں اُن میں بحصول اجازت دینیات اور اخلاقیات کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔"

چونکہ مندرجہ بالا عبارت طباعت میں متروک ہو گئی تھی لہذا حسبہ تصحیح کر لی گئی۔

جناب میر احمد علی خاں صاحب ایم۔ ایڈ لکچرار ٹریننگ کالج نے یہ تحریک

پیش کی کہ "ایک مرکزی بورڈ قائم کیا جائے جو پبلک، سررشتہ تعلیمات اور دیگر سررشتہ جات کے نمائندوں پر مشتمل ہو اور اس کی شاخیں اضلاع میں قائم کی جائیں تاکہ تعلیم بالغان کے اہم کام کو خاطر خواہ طور پر چلایا جاسکے"۔ اس تحریک کو ایوان نے پسند کیا چنانچہ سفارشات میں اس کا اضافہ کرلیا گیا۔

عالی جناب مولوی سید علی اکبر صاحب نے موثر الفاظ میں رپورٹ کی تعریف کرتے ہوئے صدر اور کمیٹی کو مبارک بادوی اور منظوری رپورٹ کی تحریک پیش فرمائی جس کی تائید مولوی سید خیرات علی صاحب مددگار صدر مہتمم تعلیمات بلدہ نے کی۔ رپورٹ مذکورہ بالا ترمیمات کے ساتھ منظور کی گئی جس کی سفارشات اشاعت ہذا میں دوسری جگہ درج ہیں۔

ذیلی کمیٹی زائد نصاب مصروفیات

اس کمیٹی کا اجلاس ۳ تا ۴ ساعت زیر صدارت ریورنڈ سی۔ ای۔ ڈبلیو ہلنگھم رکن گریمر اسکول منعقد ہوا۔ مسٹر پار بھتا سارتھی ایم۔ اے معتمد ذیلی کمیٹی نے رپورٹ پڑھی۔ بعد ازاں بحث و تمحیص کے لئے ایوان کو مدعو کیا گیا۔ مسٹر بھانا مورتی۔ مددگار ٹریننگ اسکول ہنمکنڈہ نے تحریک پیش کی کہ دیہی اور شہری مدارس کے لئے علحدہ علحدہ مصروفیات کی صراحت کردینا چاہیے۔ مولوی عبد السلام صاحب ذکی مددگار مدرسہ فوقانیہ دار الشفا نے سفارش کی کہ طبقہ تحتانیہ، وسطانیہ اور فوقانیہ کے لئے بھی مصروفیات کی صراحت اور تعیین ضروری ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ بعض مصروفیات نصاب میں داخل ہوگئی ہیں لہذا اس کا امتیاز ہونا چاہیے کہ کونسی مصروفیات نصابی اور کونسی غیر نصابی ہیں محترم صدر اور مسٹر جگ موہن لعل چترویدی، رکن ذیلی کمیٹی نے شکوک دور فرمائے۔ کمیٹی کی نویں سفارش کی ترمیم مولوی سید علی اکبر صاحب نے پیش فرمائی جو منظور ہوئی۔ ترمیم حسب ذیل ہے۔

کمیٹی سررشتہ تعلیمات سے سفارش کرتی ہے کہ بلدہ میں تیراکی کے حوض کی

تعمیر کے لئے جلد تدابیر اختیار کی جائیں اور اسی قسم کے حوض جہاں کہیں ضرورت ہو اضلاع میں بھی تعمیر کئے جائیں۔

ایوان نے پوری رپورٹ مندرجہ بالا ترمیم کے ساتھ منظور کرلی۔

ذیلی کمیٹی تعلیم نسواں جب کہ ذیلی کمیٹی زائد نصاب مصروفیات سٹی کالج میں ہو رہی تھی اوسی وقت تعلیم نسواں کی ذیلی کمیٹی زیر صدارت مس جیسی ننذی صاحبہ ایم۔اے۔ ٹی۔ ڈی صدر مہتمہ مدارس نسواں بہ مقام مدرسہ وسطانیہ نسواں حسینی محلہ منعقد کی گئی۔ اس کا پروگرام ایسا تیار کیا گیا تھا کہ ہر قسم کی معلمات جو شریک جلسہ تھیں مباحث میں حصہ لے سکیں۔ اس ذیلی کمیٹی کی صورت عام اجلاس کی رہی پھر مختلف جماعتیں مباحثہ کے لحاظ سے بن گئیں اور اس کے بعد اسباق نمونہ ہوے اور پھر جلسہ عام کی صورت میں سب یکجا ہو گئے۔ جلسہ عام میں مسز جبار نے بہ عنوان "مدارس نسواں میں کارکردگی کا فقدان" اور نور النسا بیگم صاحبہ نے "اضلاع میں اقامت خانوں کی ضرورت" اور مس کرک پٹرک نے "تعلیم مدرسہ سے قبل بچہ اور شِشُو گھر" جیسے اہم موضوعات پر بحث کا سلسلہ آغاز کیا۔ مسز جبار نے کارکردگی میں کمی کے مختلف اسباب بیان کئے مگر مدرسہ اور اولیائے طالبات کے اتحادِ عمل پر بڑی دلچسپی ایوان میں پیدا ہو گئی۔ اضلاع میں بہ مقابلہ بلدہ کے اتحادِ عمل زیادہ ہے اس کے اسباب پر خوب بحثیں ہوئیں۔

اضلاع میں اقامت خانوں کی ضرورت پر پُرجوش تقریریں ہوئیں معلمات کو اضلاع میں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب دینا صدر معلمات کے لئے بے حد دشوار ثابت ہو رہا ہے۔ کوئی معلمہ جو بلدہ سے بدل کر ضلع پر بھیجی جائے تو وہ طویل رخصت لے لیتی ہے اور ضلع پر جانے سے اس لئے انکار کرتی ہے کہ وہ آرام سے نہیں رہ سکتی۔ نور النسا بیگم صاحبہ نے یہ مشورہ دیا کہ ہر مدرسہ فوقانیہ نسواں کے ساتھ ایک اقامت خانہ بھی ملحق ہونا چاہئے اور سرکار عمارت اور فرنیچر کا انتظام کردے باقی متوالی اخراجات کی سبیل معلمات اور طالبات نکالیں۔ مسز کرک پیٹرک نے

ایک ساتھ رہنے سہنے (Chummeries) کا مشورہ دیا جس سے نہ معلمات پر بار پڑے گا اور نہ سرکار پر۔ اگر سرکار معلمات کی رہائش کا کوئی سستا آرام دہ اور محفوظ انتظام کا حل تلاش کرنے میں عملی قدم اٹھائے تو تعلیم یافتہ معلمات کو اضلاع پر بھیجنے میں جو مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ اس میں بہت کچھ تخفیف ہو جائے گی۔

تیسرے موضوع کا آغاز مس کرک پیٹرک نے کیا۔ششو گھر کے بارے میں مس فراسٹ نے چند ممکن العمل مشورے دے۔ مس موصوفہ نے کہا کہ ایک صاف ستھرا کمرہ جس میں کوئی فرنیچر نہ ہو کافی ہے اس میں ہمدردی کے ساتھ بچوں میں اچھی عادتیں پیدا کی جائیں اور آداب محفل سکھائے جائیں غیر تربیت معلمہ سے بھی۔ مگر یہ بدرجہا بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ وہ گندہ اور کثیف رہیں اور کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو اور وہ اخلاقی وجسمانی اعتبار سے معرض خطر میں ہوں۔

جماعت واری جلسوں اور اسباق نمونہ میں نظام ششو گھر کا مظاہرہ بچوں' آلات تعلیمی اور تصاویر کے ساتھ ہوا اور صحیح ماحول پیدا کیا گیا۔ اس کا انتظام مس ٹیلرسن نے کیا تھا جو بڑی کفایت شعاری کے ساتھ ایک ششو گھر چلا رہی ہیں۔ یقین ہے کہ مس موصوفہ کے کارآمد مشورے ایسے امدادی مدارس کی معلمات کے لئے جن میں ایک معلمہ یا دو معلمہ کام کرتی ہیں بصیرت افروز ہوں گے۔

مدارس تحتانیہ کے سوزن کاری کے نصاب کی تشریح اور اس کا عملی طور پر مظاہرہ مس جعفر نے کیا اور اس میں اچھا خاصہ مباحثہ بھی ہوا۔ سنٹرل ٹریننگ اسکول کی ایک طالبہ نے تنقیدی سبق دیا اور ویسلین نارمل اسکول کی ایک طالبہ نے تلنگی میں بھی نمونہ کا سبق دیا جو بہت دلچسپ تھا۔

اس کے بعد زیر سماں اجتماع ہوا۔ مس شا نے مناسب اور موزوں کھیلوں کے بارے میں اور انھیں کس طرح مقامی حالات کے حسب حال بنایا جائے تقریر کی اس کے بعد مختلف کھیلوں کا عملی مظاہرہ ہوا۔

ذیلی کمیٹی تعلیم نسوان کے جلسے کامیاب رہے۔ ورنگل' گلبرگہ' اورنگ آباد'

اور بیدر سے نمائندگان کانفرنس نے شرکت کی زحمت گوارہ فرمائی مس سندی صاحبہ صدر مہتممہ مدارس نسوان قابل مبارکباد ہیں کہ ان کی مساعی مشکور ہوئیں امید ہے کہ تعلیم نسوان سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے اتحاد عمل سے نمایاں ترقی ہوگی اور پبلک میں عام بیداری اور ایثار کی روح کارفرما ہوگی۔

تیسرا اجلاس

ذیلی کمیٹی تعلیم ثانوی اس ذیلی کمیٹی کا اجلاس بروز شنبہ بتاریخ ۲ر فروری ۱۹۴۵ء زیر صدارت عالی جناب مولوی سید علی اکبر صاحب منعقد ہوا۔ صدر محترم نے جلسہ کا افتتاح فرماتے ہوئے کسی قدر تفصیل کے ساتھ رپورٹ کی نوعیت اور سفارشات مجلس تعلیم ثانوی بیان فرمائے۔ ہر طبقہ کی مدت تعلیم اور ہائرسکنڈری اور ہائرسکنڈری منزل کے بعد علاوہ ادبی تعلیم کے کتنے قسم کے نصاب کا طلبہ کے لئے انتظام ہوگا اور ان کی مدت کیا ہوگی بیان کی اور نقشہ کی مدد سے مختلف نصاب کی وضاحت فرمائی۔ بعدازاں مسٹر کے۔ بی۔ ایر بی۔ اے۔ بی ٹی معتمد کشنر امتحانات ومعتمد کمیٹی نے رپورٹ اور سفارشات کا خلاصہ پیش کیا اس کے بعد صدر جلسہ نے بعض شکوک لورسکنڈری مدارس کے داخلہ اور سرکاری ملازمت کے لئے سندی قابلیت کے بارے میں دور کئے۔

مدارس میں تعلیم سائنس مولوی آفتاب حسن صاحب بی۔ ایس۔ سی (لندن) مہتمم تعلیم سائنس نے دلچسپ تقریر سے اس کی ابتداء کی اور موجودہ تعلیم سائنس کے نقائص اور اُن کے ارتفاع کی تدابیر پیش کیں۔ صاحب موصوف نے کہا کہ بچہ کی معلومات عامہ میں جس قدر بھی اضافہ ممکن ہو کرنا چاہئے۔ سائنسی معلومات کا ذخیرہ دلچسپ پیرایہ میں اور تجربوں وغیرہ کے ذریعہ فراہم کیا جائے تاکہ بچہ میں خاص ذوق پیدا ہو اور وہ سائنس میں دلچسپی لینی شروع کردے۔ ہر مدرسہ میں ایک سائنس کا کمرہ آلات تصاویر اور نقشوں وغیرہ سے آراستہ رہنا چاہئے۔ تاکہ خاص سائنسی ماحول پیدا ہوسکے۔ طلباء سائنٹفک مشاغل مثلاً مختلف پتھروں، سیپیوں، گھونگھے، پرندوں کے انڈے وغیرہ جمع کرنے میں مصروف رکھیں جائیں۔

مولوی احمد حسین خاں صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و اطراف بلدہ نے فرمایا کہ اساتذہ کی امتحانی مصروفیتوں کی وجہ سے یہ کام زیادہ ترجامعہ کا ہے کہ وہ ایک ایسا مناسب نصاب تجویز کرے جس سے تعلیم بسہولت اچھی ہو سکے۔ ڈاکٹر شنڈارکر نے مدرسین سائنس کی عملی دقتوں کو ظاہر کرتے ہوئے عمدہ معمل اور تجربہ خانوں کی سفارش کی اور فرمایا کہ سائنس کی تعلیم کے لئے زیادہ وقت دیا جاے اور ہر ہفتہ ایک ساعت روزمرہ کی سائنس پر بحث مباحثہ میں صرف کیا جائے۔ مسٹر بھانا مورتی نے مدرسین سائنس پر جو دعملی حکومت ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے نتیجۃً اس کا اظہار کیا کہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان زیادہ پہونچا ہے۔ دوسرے صاحب نے اعتراض کیا کہ سائنس کی عملی جماعتیں اساتذہ کے تجربوں کا مظاہرہ ہوتی ہیں۔ آخر پر مولوی آفتاب حسن صاحب نے اعتراضات کا جواب دیتے ہوے فرمایا کہ کافی رقوم کی منظوری کی سفارش کی گئی ہے اور نیا نصاب عنقریب نافذ ہو جائے گا۔

مدارس میں تعلیم انگریزی مولوی سالم بن سعید صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی، ایم۔ ایڈ (لیڈس) لکچرار ٹریننگ کالج نے مباحثہ کا آغاز انگریزی زبان میں بڑی سلاست کے ساتھ فرمایا۔ آپ نے مدارس عثمانیہ میں انگریزی کا معیار پست ہونے کے ۴ اسباب بیان کئے۔

(۱) جامعہ عثمانیہ کی تاسیس کے بعد سے اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دے کر انگریزی کو ثانوی حیثیت دے دی گئی ہے اور اس کی تدریس کے لئے سال تمام میں مشکل سے ۱۶۰ ساعات یا ۷۰ دن ملتے ہیں۔

(۲) ٹرانسلیشن اور ڈائرکٹ میتھڈ کے استعمال میں غیر معمولی انتشار اور الجھن پیدا کر دی گئی ہے۔

(۳) قواعد کی تعلیم کی جانب ناکافی توجہ۔

(۴) انگریزی پڑھانے والے اہل مدرسین کی کمی۔

مسٹر خواجہ یوسف الدین ایم۔ اے (لندن) لکچرار ٹریننگ کالج نے بیان

کیا کہ اردو ذریعہ تعلیم ہونے سے معیار انگریزی پست نہیں ہے بلکہ پستی کی وجہ طریقہ تعلیم میں ترجمہ کا جا و بیجا استعمال ہے۔ قواعد انگریزی کی تعلیم میں آپ نے متنبہ کیا کہ کہیں حد سے تجاوز نہ ہو۔ مسٹر سید محمد علی بلگرامی بی۔ اے، بی۔ ٹی مہتمم تعلیمات گلبرگہ نے بیان کیا کہ تعلیم انگریزی کا کیا مقصد و مدعا ہے۔ یہ متعین نہیں ہوا اس لئے اظہار مطالب کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی جارہی ہے۔ ریورنڈ جی سندرم ایم۔ اے نے کتب خانہ کے استعمال پر زور دیا اور بتایا کہ کیسے کتب خانہ سے بہترین طریقہ پر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ دیگر مقررین نے بیرون مدرسہ اور مدرسہ میں ماحول نہ ہونے اور مادری زبان پر قادر نہ ہونے نیز غیر تربیت یافتہ مدرسین کے متعلق شکوہ کیا۔ مولوی احمد حسین خاں صاحب نے فرمایا کہ ذریعہ تعلیم کو انگریزی کے اعلیٰ میعار کے حصول میں حائل نہ ہونا چاہیئے۔ آپ نے اس غلط تصور کی مذمت کی کہ انگریزی پڑھانے والے اساتذہ کا ایک خاص وقار ہوتا ہے اور یہ کہ صدر مدرسین اور ان کے اعلیٰ مددگاروں ہی کو بلالحاظ دلچسپی اور قابلیت انگریزی پڑھانی چاہیئے۔ آپ نے یہ رائے ظاہر کی کہ ترجمہ اور راست طریقہ تعلیم ہر دو کی ایک خاص حیثیت و اہمیت ہے اور یہ کہ موجودہ افسوس ناک حالت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اساتذہ اور طلباء کو مطالعہ سے دلچسپی نہیں رہی ہے۔ مسٹر اڈ الف مائیرس نے بیان کیا کہ دوران مباحثہ میں بہت سے غیر متعلقہ اعتراضات کئے گئے حالانکہ بچوں کے سامنے مناسب مواد کی عدم پیشکشی اس کا نمایاں جز تھا آپ نے بڑے دعوے اور شد و مد سے کہا کہ بنیادی انگریزی ان تمام خرابیوں کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

اختتامی اجلاس

زیر صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات و فینانس بتاریخ مذکور ۲ ½ تا ۵ ساعت منعقد ہوا۔ مس لنڈی صاحبہ نے نمائش کمیٹی کی رپورٹ پڑھی۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کے ۶۷ مدارس نے حصہ لیا اور ۲۲۲۴ اشیاء نمائش

شریک تھیں جنھیں ۱۰ شعبوں میں منقسم کیا گیا تھا۔ انعامات کے لئے ۲۰ حکم مقرر کئے گئے تھے جنھوں نے ۱۱۱ انعامات تجویز کئے۔

ہر سہ ذیلی کمیٹی کے معتمدین نے کمیٹی کے سفارشات پڑھ کر سنائے اس کے بعد بعنوان "مدارس میں تعلیم تاریخ کے تجدید کی ضرورت" ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی مددگار پروفیسر تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی نے تقریر کی۔ صاحب مجوز نے فرمایا کہ اساتذہ کا یہ مقصد ہونا چاہئے کہ وہ طلباء کو اس کا واضح تصور دلائیں کہ کس طرح انسان نے بربریت کے منازل طے کرتے ہوئے یہ متمدنہ زندگی اختیار کی ہے۔ اور یہ کہ بادشاہوں اور حکومتوں کی تعمیری حکمت عملی اور اس کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ انھیں یہ بھی بتلایا جائے کہ فرقہ بندی اور قوموں کی تقسیم نے کس طرح دنیا میں جنگ وجدال برپا کر کے ترقی کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔ اس کے بعد حسب ذیل تین قراردادوں پر بحث مباحثہ ہوا جو بغلبہ آرا منظور ہوئیں۔

تحریکات

(۱) تحریک کی جاتی ہے کہ مدرسین کی اولاد بالخصوص لڑکیوں کی ثانویہ مدارس کی فیس میں مزید رعایت کی جائے۔

(۲) تحریک کی جاتی ہے کہ کم مدتی اعادی نصاب کے لئے سررشتہ تعلیمات جلد انتظام کرے۔

(۳) تحریک کی جاتی ہے کہ ملازمین سرکار کی ایک سے زیادہ لڑکیاں جب کسی مدرسہ میں زیر تعلیم ہوں تو سوائے ایک کے باقی سب سے خرچ سواری نصف لیا جائے۔

اڈ ایف مائرس کی تقریر کے بعد جس میں انہوں نے بیسک انگلش کے معانی ومطالب کی توضیح کی اور یہ بتلایا کہ کس طرح یہ بہترین بین الاقوامی تبادلہ خیالات کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ صدر محترم نے ابتداءً مذاحیہ طریقہ پہ فرمایا کہ۔

اختتامی تقریر صدر کانفرنس

میرے خطبہ کا ایک جز و بنیادی انگریزی میں (بیک انگلش) جو ڑوان بہن کی طرح معلوم ہو رہا ہے جو اپنی بہن سے زیادہ خوبصورت ہے۔ جناب ممدوح نے بنیادی انگریزی کی سفارش نوجوانوں کے لئے کی۔ کیونکہ وہ تمام الفاظ جن کی ضرورت عملاً زندگی میں پڑتی ہے ان کو کم کر کے محدود دائرے میں لایا گیا ہے۔ اور زبان کے سیکھنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے اس میں بھی تخفیف کی گئی ہے اس ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے جو بنیادی اردو کے تعلیم کے مسئلہ کی چھان بین کرے گی۔

کانفرنس کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ کامیاب رہی اور ذیلی کمیٹی کی رپورٹیں اور تقریریں دلچسپ اور مفید تھیں تعلیم بالغان کی رپورٹ میں قیمتی مشورے دیئے گئے ہیں جن سے عوام کی تعلیم کے مسئلہ کو حل کرنے میں مدد ملے گی۔ آپ نے اس خیال کو پسند کیا کہ مدرسین زیر ٹریننگ کو نارمل اسکولوں میں جماعت تعلیم بالغان قایم کر کے اس کی تربیت بھی دینا چاہئے۔ صدر المہام بہادر نے ایک بڑی اچھی تجویز یہ پیش کی کہ جیسے مہاتما گاندھی نے کانگریس کی رکنیت کے لئے سوت کاتنے کی شرط عاید کی ہے اسی طرح انجمن کی رکنیت انھیں مدرسین کے لئے کھلی رہے جو سال میں (۵) بالغان کو تعلیم دیں۔ اس طرح مدرسین بڑی حد تک بالغان کی جہالت کے مسئلہ کو حل کرنے میں مدد دیں گے۔

نمائش تعلیمی کا ذکر کرتے ہوے فرمایا کہ ہر شعبہ کی اشیار نمائش میں ترقی ہوئی ہے۔ اور بعض اشخاص کے اس شک وشبہ کو کہ یہ کام حقیقت میں طلبا، کا ہے بھی یا نہیں۔ اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ انعام پانے والے طلبا، کو نمائش میں بلایا جائے تاکہ وہ اپنے کام کا مظاہرہ کرسکیں۔ اس انتظام سے قابل اور ہوشیار طلبا کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ان کے آمد ورفت کے اخراجات بہ آسانی کانفرنس سے ادا کئے جاسکتے ہیں۔

اس کے بعد یہ تنقید فرمائی کہ صغیر سن بچوں کی تعلیم کے لئے صحیح اصول پر

بالک باغ (کنڈر گارٹن) نہ ہوں تو گھر بہترین بدل ہے۔ مدرسین کے لیے اعادی نصاب کی جو تحریک پیش ہوئی اس کی ستائش فرمائی اور کہا کہ اعادی نصاب کی جماعتیں ہر مستقر ضلع پر قائم کی جائیں اور یہ توقع ظاہر کی کہ طریقہ تعلیم اور خاص کر طریقہ تعلیم بالک باغ کے مباحث میں صدر ممدوح خود حصہ لیں گے۔

آخر میں فاضل صدر نے مندوبین کانفرنس کو پر جوش ترغیب دلائی کہ وہ پوری طرح محسوس کریں کہ ان کا پیشہ گو مالی اعتبار سے بدترین مگر حد درجہ شریف اور مقدس ہے۔ مدرس کے لئے فخر و مباہات کا مقام ہے اور اس کا شاندار فریضہ ہے کہ اس کے ذمہ آنے والی قوم کی تعمیر ہے۔ جن چیزوں سے اُسے سابقہ پڑتا ہے، وہ بے جان نہیں ہیں بلکہ نازک اور نمو پانے والے بچے ہیں جن سے ملک کی امیدیں وابستہ ہیں۔ سالانہ کانفرنسوں کی قدر و قیمت کے بارے میں صدر نے یہ رائے ظاہر کی کہ ان سے مدرسین کے پیشہ میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ اگر مدرس کو اپنے کام سے محبت ہے اور وہ اپنے پیشہ میں دلچسپی لیتا ہے تو وہ اپنی کم تنخواہ کو بھول جاتا ہے اور سماج کی بیش بہا خدمت انجام دیتا ہے۔

تمام مندوبین کانفرنس صدر المہام بہادر کے اس خلوص سے متاثر ہوے جب آپ نے یہ فرمایا کہ میں مدرسین کو ان کے پیشہ میں مشورہ دینے اور رہبری کے لئے تیار ہوں اور وعدہ کیا کہ جس کسی مدرسہ کو میرے خدمات کی ضرورت ہے میں اس مدرسہ کو جانے کے لئے تیار ہوں۔

اس کے بعد منتظمین کانفرنس کو مبارکباد دی کہ کانفرنس بے حد کامیاب رہی۔ یہ سب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری ناظم تعلیمات کی فرائض شناسی اور مولوی سید علی اکبر صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے۔ پھر مولوی سجاد مرزا صاحب صدر استقبالیہ کمیٹی کے بہتر انتظامات اور مس جیسی نندی صاحبہ کی کامیاب ساعی دربارۂ تشکیل انجمن معلمات کی ستائش کی۔

شکریہ:۔ جناب مولوی سید محی الدین صاحب ایم۔ اے (کنٹب) بیرسٹرایٹ لا

پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد نے صدر عالی قدر کا شکریہ مناسب اور موزوں الفاظ میں ادا فرمایا مس نندی صاحبہ صدر نمائش کمیٹی، صدر معلمہ صاحبہ اسٹانی گرلس ہائی اسکول، صدر استقبالیہ کمیٹی مولوی سجاد مرزا صاحب، مختلف مقررین کانفرنس اور دوسرے حضرات کا جنہوں نے کانفرنس کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا شکریہ ادا کیا۔

عصرانہ :- اس کے بعد مندوبین کانفرنس، مہمانوں اور اساتذہ صاحبان کو پرتکلف عصرانہ دیا گیا اور یہ عظیم الشان اجتماع منتشر ہوا۔

سفارشات

(۱)

ذیلی کمیٹی زائد نصاب مصروفیات

(۱) زائد نصاب مصروفیات میں والدین کے سرگرم اشتراک عمل اور دلچسپی حاصل کرنے کے لئے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کئے جائیں۔ اس مطلب کے لئے مدرسین کا والدین کے ساتھ شخصی تعلق بہت اہمیت رکھتا ہے۔

(۲) ایک ہی مقام کے دو یا دو سے زیادہ مدارس کے طلبہ کی ٹولیوں کا تفریحی سیاحت میں شریک ہونا۔ بہت ہی کار آمد ثابت ہوگا۔

صدر مدرس صاحبان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس قسم کے تفریحی سفر کا پروگرام مرتب کرنے کا انتظام کریں گے۔

(۳) کسی مدرسہ میں مخصوص مصروفیات کو رائج کرنے سے بیشتر (الف) عملۂ مدرسہ کے رجحانات و تفریحی مشاغل (Hobbies)۔ (ب) نیز مقامی حالات اور سہولتوں پر غور کرلینا چاہئے۔

(۴) بیرون مدرسہ دیسی کھیلوں کے فوائد کے مدنظر ان پر زیادہ توجہ کی جائے۔

بالخصوص ایسے مدارس میں جہاں بڑی بازی گاہیں میسر نہ ہوں۔

(۵) ہر ایک مدرس کو کسی نہ کسی تفریحی مشغلہ میں دلچسپی لینی چاہیئے۔ اس قسم کی دلچسپی اس کے لئے بھی فائدہ مند ہوگی۔ اور طلبہ کو بھی اس سے مدد مل سکیگی۔

(۶) ہر ایک مدرس کو جو اپنے پیشہ کا وقار قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اپنا فرض سمجھنا چاہیئے کہ وہ طلبہ میں کسی زائد نصاب مصروفیت کو فروغ دینے میں اپنے فرصت کے اوقات کا کچھ حصہ صرف کرے۔

(۷) صدر مدرس صاحبان سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ دیہی اور شہری مدارس کے طلبہ کی ٹولیوں کے مابین چند روزہ تبادلہ کے امکانات کی چھان بین کریں۔

(۸) ڈومنین مقابلوں کو رائج کرنے کے خیال سے ابتدائً مستقر صوبہ میں بین المدارس مباحثے اور تیراکی کے مقابلوں کو رواج دینا مناسب ہوگا۔

(۹) سررشتہ تعلیمات سے ادباً التجا کی جاتی ہے کہ بلدیہ کے اشتراک عمل سے بلدۂ حیدر آباد میں مدرسہ کے بچوں کے لئے ایک بڑے پیرنے کے حوض کی تعمیر کے امکانات پر غور کرے۔

(۱۰) فوری تحفظ کے اصول اور فوری امداد کی تعلیم زائد نصاب مصروفیات کے پروگرام کا ایک جزو قرار دی جائے۔

---

(۲)

ذیلی کمیٹی تعلیم بالغان

(۱) مدارس بالغان جنہیں ہم قائم کرنا چاہتے ہیں دو قسم کے ہوں۔

الف ۔ ابتدائی مدارس بالغان ۔

ب ۔ اعلی مدارس بالغان۔

(۲) اول الذکر مدارس میں مدت تعلیم چھ مہینے ہو اور ثانی الذکر میں ڈیڑھ سال

جس کے دو حصے ہوں گے۔ پہلی میقات چھ مہینے کی۔ دوسری ایک سال کی۔

(۳) ان مدارس کا اولین مقصد لکھنا پڑھنا اور حساب کے ذریعہ تعلیم کی اشاعت ہونی چاہئے۔ پہلی قسم کے مدارس میں نوشت وخواند کے لئے خاص کتابیں تیار کی جائیں گی۔ حساب کی حد تک ایک لاکھ تک ہندسوں کا لکھنا چار بنیادی قاعدوں پر سادہ سوالات کا حل کرنا (۱۰×۱۰) تک پہاڑے۔

اعلیٰ مدارس بالغان میں خاص کتب کے ذریعہ نوشت وخواند اور کسی قدر زیادہ حساب۔ کتب ایسے موضوعات پر ہوں گی جن سے بالغوں کو دلچسپی ہو۔ اور ان میں ایسی معلومات مہیا کی جائیں گی جن سے ناخواندہ شخص کو بہتر زندگی بسر کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ دینیات نصاب سے خارج ہوگی۔

(۴) جہالت کی طرف عود کرنے سے بچانے کے لئے کتب خانہ اور دارالمطالعہ کی تنظیم ہونی چاہئے۔ سینما۔ ریڈیو اور طلسمی فانوس سے بھی امداد لی جائے گی۔

(۵) محکمۂ تعلیمات۔ غیر سرکاری ذرائع کی امداد اور تعاون سے ان مدارس کو قائم کریگا تعلیم بالغان کی اشاعت کے لئے تعلقوں اور اضلاع میں کمیٹیاں قائم کی جائیں گی۔

(۶) مدرسہ کی عمارت یا دفتر، گاؤں کی چاوڑی میں تعلیم بالغان کا انتظام کیا جائے گا۔

(۷) تعلیم مدرسوں کے عام اساتذہ یا ایسے مدرسین دیں گے جن کا خاص طور پر تقرر ہو عموماً شام کے وقت تعلیم دی جائے گی۔ ایسے مدرسین کو ہر مدرسہ کے لئے جس میں (۲۰ تا ۵۰) بالغ ہوں (۵ سے) روپیہ بہ شمول اتفاقی اخراجات بطور الونس دئے جائیں گے۔

(۸) حیدرآباد کے نسوانی کانفرنس کے اتحاد عمل سے اس نہج کے مدارس بالغان نسوانی قائم کئے جائیں جیسے ذکور کے لئے قائم ہوں گے۔

(۹) دو قسم کے اسناد خواندگی عطا کئے جائیں۔ ایک ششماہی نصاب تعلیم کی تکمیل پر دوسرا دو سالہ نصاب کی تکمیل کے بعد۔

(۱۰) پوری اسکیم کو ایک معین منصوبہ اور ایک معینہ مدت میں روبہ عمل لایا جائے۔

عہدداران و اراکین انتظامی کمیٹی

انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی بابت ۱۳۴۸ف

سرپرست — عالی جناب نواب مہدی یار جنگ بہادر ایم۔اے (آکسن) صدرالمہام تعلیمات

میر مجلس — جناب مولوی سید محمد حسین جعفری صاحب بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات۔

نائب میر مجلس (۱) جناب مولوی سید محمد اعظم صاحب ایم۔اے (کنٹب) پرنسپل سٹی انٹرمیڈیٹ کالج بلدہ

(۲) ″ ″ سجاد مرزا صاحب ایم۔اے (کنٹب) سی۔ٹی (لندن) پرنسپل ٹریننگ کالج بلدہ

(۳) ″ ″ سید علی اکبر صاحب ایم۔اے (کنٹب) اسپیشل انسپکٹنگ آفیسر و معتمد مجلس تعلیم ثانوی

(۴) جنابہ مس جے۔بندی صاحبہ ایم۔اے۔ڈپ۔ایڈ (لنڈن) صدر مہتمم مدارس نسوان

معتمد عمومی و خازن جناب کے۔بی۔ایر صاحب بی۔اے بی۔ٹی معتمد کمشنر امتحانات و مددگار معتمد مجلس تعلیم ثانوی

مددگار معتمد عمومی (۱) جناب مولوی سید مجتبیٰ حسین نقوی صاحب بی۔اے۔ڈپ۔ایڈ (گلاسگو) ایم۔ایڈ (لیڈس) صدر فوقانیہ نامپلی

(۲) ″ ″ سید خیرات علی صاحب مددگار صدر مہتمم تعلیمات بلدہ۔

اراکین (۱) ″ ″ احمد حسین خاں صاحب بی۔اے صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و اطراف بلدہ

انجمن ہائے (۲) ″ ″ فیض الدین صاحب ایم۔اے کنٹب بیرسٹرایٹ لا صدر مہتمم تعلیمات صوبہ میدک

بلدہ (۳) ″ ″ غلام ربانی صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی پرنسپل ہائی اسکول چادرگھاٹ

(۴) ″ ″ عبدالستار سبحانی صاحب بی۔اے، ال۔ٹی پرنسپل دارالعلوم بلدہ

(۵) ″ جی۔ایس۔پرکاش راؤ صاحب ایم۔اے، ال۔ٹی وائس پرنسپل ہائی اسکول چادرگھاٹ

(۶) ″ مسز تہنیت اکرم صاحبہ ایم۔اے۔ڈپ۔ایڈ سپرنٹنڈنٹ تعلیم المعلمات اردو بلدہ

اراکین (۱) ″ مولوی سید محی الدین صاحب ایم۔اے (کنٹب) بیرسٹرایٹ لا پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد

انجمن ہائے (۲) ″ ″ ذوالفقار علی حقانی صاحب بی۔اے، بی۔ٹی پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج گلبرگہ

اضلاع (۳) ″ ″ حفیظ اللہ صاحب بی۔اے، ال۔ٹی ″ ″ ″ ″ ورنگل

(۴) ″ ″ شیخ ابوالحسن صاحب بی۔اے، ال۔ٹی صدر مہتمم تعلیمات ورنگل

(۵) جناب مولوی محمد عثمان صاحب بی ۔ اے، بی ۔ ٹی، ٹی ۔ ڈی (لندن)
صدر مہتمم تعلیمات اورنگ آباد ۔

(٦) " شمبھو پرشاد صاحب بی ۔ اے صدر مہتمم تعلیمات گلبرگہ ۔

(۷) جنابہ نور النسا بیگم صاحبہ بی ۔ اے صدر معلمہ فوقانیہ نسواں چیلی پورہ اورنگ آباد ۔

شذرات

روئداد جلسۂ سالانہ مدرسۂ تحتانیہ سانگڑی تعلقہ عادل آباد بتاریخ ۲٦ آذر ۱۳۴۸ ف بہ صدارت جناب گویند راؤ صاحب دیسپانڈیہ جلسہ سالانہ کا انعقاد عمل میں آیا ۔ تمام رعایا برایا مدعوتھی مدرسہ کے کمپونڈ میں سلامی اتاری گئی اور شبیہ مبارک کی گلپوشی کے بعد خوش الحانی سے ترانہ پڑھا گیا ۔ طلباء نے اردو مرہٹی اور تلنگی میں علم و دولت، عقل و طاقت کے متعلق تقریریں کیں ۔ مسٹر سیتا رام صدر مدرس و دیگر حضرات کی تقاریر کے بعد جناب صدر نے تقریر کی اور علم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے رعایا کو ترغیب دلائی کہ وہ اپنے بچوں کو مدرسہ بھجوائیں ۔ انعامات کی تقسیم کے بعد سات بجے جلسہ برخاست ہوا ۔

روئداد جلسہ تقسیم اسناد و انعامات صحافی مدرسہ فوقانیہ دارالشفا بلدہ بتاریخ ۱٦ فروردی ۱۳۴۸ ف جلسہ کا آغاز طلباء کے کار صحافی کے مظاہرے سے ہوا ۔ بعد عصرانہ مولوی سید نور الحسن صاحب بی ۔ اے بی ۔ ٹی کی صدارت سے جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا طلباء نے قومی ترانہ پڑھا ۔ معتمد صاحب صحافی نے سالانہ رپورٹ سنائی جس میں امتحان صحافی کے نتائج کو ظاہر کرتے

ہوئے مدرسہ میں کارصحافی کی ترقی کا ذکر کیا تقسیم اسناد و انعامات کے بعد جناب صدر نشین صاحب نے معلم صحافی کی کارگزاری پر اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے طلباء کو ان کی کامیابی پر مبارک باد دی بعد دعائے سلامتی حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی جلسہ برخاست ہوا۔

روئداد جلسہ تعلیمی مدرسہ شبینہ تعلیم بالغان قصبہ یلگانور تعلقہ سندھنور ضلع رائچور

۲۴ اسفندار ۱۳۴۸ ف بوقت ۲ ساعت بدوکان مولوی محمد ابوالحسن صاحب۔ جناب راجہ وینکٹ راؤ صاحب کی صدارت سے جلسہ تعلیمی منعقد ہوا۔ بعد قرارت ترانہ خوش الحانی سے پڑھا گیا۔ طلباء نے تعلیم و تربیت، پابندی وقت اور استحادِ عمل پر اردو اور کنٹری میں تقریریں کیں۔ صدر مدرس اور دیگر حضرات نے اپنی تقریر میں علم کی اہمیت کے ساتھ تعلیم بالغان کی ضرورت پر زیادہ زور دیا بعد ازاں جناب صدر نشین صاحب نے مقاصد تعلیم پر ایک دلچسپ تقریر کی اور مدرسہ کی امداد کا وعدہ فرمایا۔ بعد دعائے سلامتی حضرت بندگان اقدس مدظلہ العالی ۵ بجے جلسہ برخاست ہوا اور ۷½ بجے مدرسہ شبینہ بالغان کا افتتاح کیا گیا۔

تنقید و تبصرہ

ملٹن کا رسالۂ تعلیم مترجمہ ملا سید فخر الحسن صاحب بی۔اے، بی۔ٹی (علیگ) لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ۔ مطبوعہ کریمی پریس حیدری کوشک حیدرآباد دکن کراؤن سائز حجم ۱۰۴ صفحات قیمت مجلد عہ ملنے کا پتہ دفتر المعلم حیدرآباد دکن۔

یہ کتاب سترھویں صدی کی معرکتہ الآرا تعلیمی تصنیفوں میں سے خیال کی جاتی ہے۔ اس کا مصنف انگریزی زبان کا مشہور ادیب اور بلند پایہ شاعر جان ملٹن ہے۔ جس کی رزمیہ نظم "فردوس گم شدہ" انگریزی ادب کے لئے مایۂ ناز ہے۔ ملٹن کی نظمیں تو خیر دشوار ہی ہیں مگر اس کی نثر کم دشوار نہیں۔ الفاظ کی غرابت، بندشوں کی پیچیدگی اور بے ترتیبی تلمیحات اور استعارات کی دور اُفتادگی۔ یہ ایسی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ملٹن کی نثر کا مطالعہ آسان نہیں اور اچھی قابلیت کے انگریزی دانوں کو ان کے مطالعہ میں دشواری پیش آتی ہے اور وہ انمول موتی جو ملٹن کی نگارش کے بحر زخار میں بھرے پڑے ہیں۔ ان کا رولنا جُوئے شیر لانے سے کم حوصلہ شکن نہیں مگر مُلّا فخر الحسن صاحب نے بڑی قابلیت کے ساتھ اس کتاب کو اس طرح سلجھا کر اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے کہ اب طفل مکتب بھی بآسانی مطالعہ و استفادہ کرسکتا ہے۔ اس قیمتی کتاب کی فائدہ رسانی کو بڑھانے کی خاطر فاضل مترجم نے بے شمار حاشیے چڑھائے اور ایک بسیط مقدمہ کا اضافہ کرکے اپنی تبحر علمی کا ثبوت دیا ہے۔

ان خصوصیات کے باعث ترجمہ اصل کتاب سے بھی بہتر ہوگیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب تدریسیاتی اور ادبی دونوں اعتبار سے اعلیٰ پایہ کی کتاب ہے۔ جو لوگ انگریزی کم یا بالکل نہیں جانتے ان کے لئے تو نعمت غیر مترقبہ ہے۔

حاجی گائڈ:۔ یہ کتاب نام سے رہنمائے حج یا رفیق الحجاج کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے

مگر دراصل اس میں حجاز کی روزمرہ بول چال کا بیان ہے۔ بہت سے ہندوستانی جو عربی پڑھ لیتے ہیں وہ نہ تو عربی بول سکتے ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ عرب اپنی زبان کس طرح بولتے ہیں۔ اس وجہ سے عام طور پر یہ خیال ذہن نشین ہوگیا ہے کہ عربی زبان بہت مشکل زبان ہے اور اگر محنت شاقہ برداشت کرکے اس کے پڑھنے کی قدرت حاصل کر لی جائے تو بھی اس کا بولنا بہت دشوار ہے۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ مشرق قریب کے کروڑوں باشندے اپنے خیالات کا تبادلہ اسی زبان میں کرتے ہیں۔ اور اپنے سارے کام اپنی زبان کے ذریعہ نکالتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہندوستانی اردو سے اور انگریز انگریزی سے کام لیتے ہیں۔

یہ مختصر کتاب بیسک عربی کی بیاض ہے جس میں روزمرہ ضرورت کے تمام الفاظ دئے گئے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے چند روز میں لڑکوں کو جدید عربی میں بات چیت کرنا آجاتا ہے۔ یہ کتاب مدارس، مدرسین اور طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔ جو لوگ ممالک اسلامیہ کا سفر کر رہے ہوں یا جن کو خدا حج کی توفیق دے ان کے لئے بھی بے حد نفع بخش ہے۔

"حاجی گائڈ" ملک معظم سلطان ابن سعود کے فرزندوں کے اتالیق مولانا پروفیسر احمد مومن صاحب بی۔ اے کی تصنیف ہے۔ لکھائی چھپائی نفیس۔ قیمت (۱۲؍) کلدار مگر پروفیسر موصوف نے عام افادہ کے خاطر اس کی قیمت گھٹا کر صرف (۸؍) کر دی ہے۔

ملنے کا پتہ:۔ حیدرآباد۔ مکتبہ ابراہیمیہ۔

بمبئی - پروفیسر احمد مومن بی۔ اے۔ بتوسط شرف الدین بھنڈی بازار

خضر منزل یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ۔ قیمت (۱۰؍) مؤلف کے پتہ پر دستیاب ہوسکتی ہے۔

اس میں مولوی محمد عبدالشکور خاں صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی مددگار فوقانیہ لاتور ضلع عثمان آباد (دکن) نے اپنی سیاحت کشمیر۔ بنگلور۔ اور دکن کے حالات سلیس پیرایہ میں قلمبند کئے ہیں۔ جگہ جگہ ضروری تصاویر مہیا کرکے کتاب کی دلچسپی میں اضافہ کیا ہے۔

یہ کتاب وسطانی جماعتوں کے طلباء کے لئے ازدیاد معلومات کا دلچسپ ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔

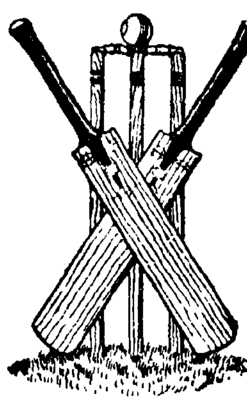
نئے ماڈل

نئے ڈیزائن - اور اپ ٹوڈیٹ ٹینس ریاکٹ

کا

بہترین

تازہ اسٹاک انگلینڈ اور اسٹریلیا کی مشہور
فرموں ڈنلاپ سلازنجرس - اور
اسپالڈنگ برادرس وغیرہ کا خاص کر
حیدرآباد کی پبلک کے واسطے مہیا
کیا گیا ہے۔
ہمارے شوروم میں تشریف
لاکر حسب پسند ریاکٹ خرید فرماکر
ہماری حوصلہ افزائی فرمائیے۔



REGISTERED

"DREADNOUGHT"

TRADE MARK.

نرخ بالکل واجبی

گٹ کی گیارنٹی

دیگر سامان اسپورٹس مطابق ضروریات کالج - اسکول اور کلب بروقت دستیاب ہوسکتا ہے۔

نوٹ:- اضلاع کے آرڈروں کی تعمیل کا خاص فوری انتظام ہے

المشتہر

سیچدیو اینڈ کو - اسپورٹس اوٹ فٹرز - جیمس اسٹریٹ سکندرآباد

افتتاحیہ

دوسری سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ کل حیدرآباد

کانفرنس اساتذہ کے دوسرے سالانہ جلسہ میں نواب مہدی یار جنگ بہادر ایم۔ اے (آکسن) صدرالمہام تعلیمات و فینانس و صدر کانفرنس نے ایک بصیرت افروز خطبہ دیا جو باوجود اختصار اس قدر جامع ہے کہ علم و عمل تعلیمات کے تقریباً تمام اہم امور کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور ایسے متعدد اشارات کا حامل ہے جو حلقۂ اساتذہ میں غور و فکر کے مستحق ہیں۔

صدر محترم نے حالات حاضرہ کا ذکر فرماتے ہوئے تعلیم عامہ کے مسئلہ کو "وقت کا سب سے بڑا مسئلہ" تسلیم فرمایا اور بتایا کہ یہ تعلیم اس طرح دی جانی چاہیئے جو عوام کی سماجی۔ اقتصادی اور تعلیمی ضروریات کے لئے موزوں ہو ابتدائی تعلیم کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ اب جبکہ دستوری اصلاحات کا عین قریب اعلان کیا جانے والا ہے ان کی کامیابی کے لئے ابتدائی تعلیم کی توسیع پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہو گئی ہے۔ تعلیم عامہ پر صدر عالی قدر کا تبصرہ اور امید افزا خاکہ ہمارے لئے فال نیک ہے اور بہ منزلہ اعلان پالیسی ہے۔ مالی تحدید طلبہ کی کثرت اور جبری تعلیم کے امتناعی مصارف کا ذکر فرماتے ہوئے صدر محترم نے واردھا اسکیم کو بایں الفاظ مسترد فرمایا کہ یہ ممکن نہیں کہ طلبا بیک وقت تعلیم پائیں اور روٹی بھی کما سکیں۔ بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ تمام مشکلات کا نچوڑ پیش کر دیا گیا ہے بلاشبہ مالی رکاوٹیں بڑی ہیں مگر جو حل تجویز فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ۔

"فی الحال قابل عمل بات یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ ہم عام ابتدائی تعلیم کی منزل مقصود تک جبر سے قبل رضاکارانہ اساس پر کس حد تک آگے بڑھ سکتے ہیں مسٹر میتھوجن کی خدمات اس ریاست نے تیس (۳۰) سال قبل مستعار لی تھیں، ایک پروگرام بنایا تھا جس کے مطابق اگر کام لیا جاتا تو پانچ سو باشندوں کے ہر قصبہ میں ایک تحتانی مدرسہ قائم ہونا چاہیئے تھا۔ ان کے پروگرام کو اختیار نہ کرنے کی وجہ غالباً اس زمانہ کا یہ میلان تھا کہ تحتانی مدارس سے زیادہ ثانوی مدارس پر دقت اور روپیہ صرف کیا جائے۔"

صدر محترم کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ کوئی وسیع اور امید افزا لائحہ عمل آپ کے پیش نظر ہے جس کا نقشہ جاری کیا ہے ثانوی تعلیم کا خاکہ بھی نظر نواز ہے۔ محترم صدر نے اس کے تعلیمی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے جدید

اسکیم سے پبلک کو روشناس کرایا ہماری تعلیم کا مقصد تا حال یہ رہا ہے کہ طلباء کو بلالحاظ رجحانات اور میلانات جامعاتی تعلیم کے لئے تیار کیا جائے۔ تحتانی، وسطانی اور فوقانی تعلیم درحقیقت جامعاتی تعلیم کی کڑیاں تھیں اور ہر منزل کا واحد مقصد ادبی تعلیم تھا۔ مگر زمانے نے کروٹ بدلی اور بدیہی طور پر محسوس کیا جانے لگا کہ ہر منزل کے اختتام پر ادبی تعلیم کے علاوہ مختلف راہیں طلبہ کے میلانات کے اعتبار سے کھول دی جائیں تاکہ طلباء اپنے اپنے مذاق کے مطابق کوئی ایک راہ اختیار کر کے سماج کے مفید رکن بن سکیں ایک دوسرا فائدہ جو ضمناً اس سے حاصل ہوگا وہ یہ ہے کہ جامعی تعلیم وہی طلباء پاسکیں گے جو حقیقت میں ادبی تعلیم کی اہلیت رکھتے ہوں۔

بہر حال عالی جناب نواب مہدی یار جنگ بہادر کا عالمانہ اور بصیرت افروز خطبۂ صدارت نہ تھا بلکہ حکومت کی آیندہ پالیسی کا بلیغ اعلان، علم و عمل تعلیمات کا نکھرا ہوا نچوڑ اور مفکرین کے لئے غور و فکر کا سرچشمہ تھا۔

کانفرنس کی خصوصیت اس مرتبہ یہ رہی کہ تعلیم نسوان کی ذیلی کمیٹی الگ کردی گئی۔ تاکہ وہ اپنے طور پر مکمل کر بحث و مباحث کر سکیں لڑکیوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے اور ان کا کیا نصاب ہونا چاہئے۔ اس کا تصفیہ تنہا مردوں کا حق تھا۔ مگر کانفرنس نے نہایت ہی مبارک اور مستحسن قدم اٹھایا کہ ان کی کمیٹی الگ کردی اور معلمات کو موقع دیا کہ وہ اپنی ضروریات پر آپ غور کریں۔ چنانچہ باتباع منشور خسروی ویمنس ایجوکیشن کمیٹی کی تشکیل بھی عمل میں آچکی ہے۔ جس کی صدر محترمہ لیڈی حیدری صاحبہ ہیں۔ کانفرنس کی ذیلی کمیٹی تعلیم نسوان کی صدر مس جیسی نندی صاحبہ صدر مہتممہ مدارس نسوان قابل مبارک باد ہیں کہ کمیٹی کے جلسے کامیاب رہے اور معلمات نے مباحث میں سرگرم حصہ لیا۔

کانفرنس کے ضمن میں نمائش کا بھی انتظام تھا جو باوجود تنگی وقت مس جیسی نندی صاحبہ کی انتھک کوشش سے بہت کامیاب رہی۔ نمائشی چیزیں بلحاظ تعداد، جدت اور اپج قابل داد تھیں۔ زائد نصابی مصروفیات اور تعلیم بالغان کی ذیلی کمیٹیوں نے جن کے صدر علی الترتیب مسٹر ملنگھم رکٹر گرامر اسکول اور مولوی احمد حسین خاں صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ تھے مبسوط، دلچسپ اور کار آمد رپورٹیں پیش کیں ہیں۔

مولوی سجاد مرزا صاحب ایم۔ اے (کنیٹب) صدر استقبالیہ کمیٹی بھی قابل مبارک باد ہیں کہ صاحب موصوف نے کانفرنس کے انتظامات میں خوش سلیقگی اور جدت سے کام لے کر کانفرنس کی کامیابی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ مندوبین کانفرنس کے لئے علاوہ عصرانہ کے لنچ کا بھی انتظام فرماکر مہمان نوازی اور جدت طبع کا عملی ثبوت دیا۔

آئندہ کانفرنس بمقام گلبرگہ منعقد ہوگی۔ انتظامات کے لئے جن افراد کا انتخاب عمل میں آیا ہے ان کی شخصیت ہمیں یقین ہے کہ کانفرنس کی کامیابی کی ضامن ہوگی۔

the results with those obtained with normal English. The Hyderabad Education Department has therefore decided to get a certain number of teachers trained in Basic English by Mr. Myers and then to introduce it as an experimental measure in selected Secondary Schools. We have no doubt that the results of this experiment will be watched with great interest.

Three reports prepared by special Sub-Committees were adopted by the Conference, viz., those on Adult Education, Extra-Curricular Activities and Secondary Education. The discussions on these reports at the sectional meetings were very interesting. The report of the Secondary Education Committee, extracts from which appear elsewhere, dealt mainly with the new scheme for the reorganisation of Secondary Education. We have also published in this issue a summary of the recommendations contained in the reports of the other two committees. Further extracts from these reports will appear in our next issue. A special feature of the Conference was the holding of a separate sectional meeting for Women's Education in which only women took part.

The Conference and the Educational Exhibition organised along with it, were an unqualified success, for which great credit is due to Mr. Sajjad Mirza, Chairman of the Reception Committee and Miss Jessie Nundy, President of Exhibition Committee.

Basic English.

We have published elsewhere a Basic English version of the first three pages of the Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur's presidential address. Our readers will find it interesting to compare this with the original. During his two visits to Hyderabad, Mr. Adolph Myers, Basic English Representative, has succeeded in arousing the interest of the public in general, and of teachers in particular, in Basic English. The advantages of this system for adults to whom English is a foreign language are widely recognised. But there is a Basic course for schools also. This is so devised as to last for 2 or 3 years, on the completion of which the students are expected to learn normal English. It is claimed that the adoption of Basic English results in much better English in much less time. As a preliminary step towards normal English, it is worth while to try Basic English in our schools and compare

Editorial

The Second All-Hyderabad Teachers' Conference.

This number of the *Hyderabad Teacher* is devoted mainly to the proceedings of the Second Annual Conference of The All-Hyderabad Teachers' Association which was held at Hyderabad Deccan last February under the distinguished presidentship of the Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, Member for Education and Finance. On several previous occasions, the Hon'ble Education Member has given unmistakable proofs of his thorough grasp of the educational needs of our State and of his desire to enhance the usefulness and prestige of the teaching profession. This time he stressed the need for a rapid spread of Primary education and also drew special attention to the imperative need for better discipline in our educational institutions. While pointing out the difficulties in the ways of making Primary education universal and compulsory all at once, he made certain practical suggestions regarding the ways and means of opening a Primary school in every village with a population of at least 1,000. His conception of the requirements of the curriculum of primary schools; his masterly exposition of what a Kindergarten should be; and his observations on the proposed scheme of educational reorganisation—all these show how carefully he has applied his mind to the present educational problems and how ably he has tried to tackle them.

In his Welcome Address Mr. Sajjad Mirza pleaded for the proper training and equipment of teachers and for Refresher courses for their benefit. We agree with him that for the promotion of a better understanding between the various communities, it is necessary that they should learn each other's language. With this end in view, he made an impassioned plea for the scientific teaching of languages in our schools and for the formulation of Basic languages by Government as a first step towards devising a common script for all the indigenous languages of the State.

have control over District Board or Local Fund schools. This has in fact always been done in the Hyderabad State. Some time after that suggestion was made the Governments in all the Congress Provinces also made a decision that all Primary Education would have to be State-controlled. This general rule is in force in most countries where there is any education at all.

In view of this fact it has always seemed to me that a right division of money and work between the Diwani and Local Funds would be on these lines: the Local Fund education tax of 3 pies in the rupee, which comes to about Rs 4 lakhs and 75 thousand a year, would be used in future for the building of Primary Schools of which there is a great need and for the things necessary to the buildings. Government, on their side, might be made responsible for all other payments such as those to the teachers etc. For this Government would have to give about 5 lakhs of rupees a year, but with that they would make it possible for every place with more than 1,000 persons living in it to have a good Primary School building in a certain number of years. A common design has been worked out for these buildings to which we have now given our approval. From this design it is clear that it is possible to have a Primary School building in the smaller places for as little as Rs 800, though at the head-quarters of districts or tahsils it may go up to Rs 5,000 or so. It is my hope that it may be possible to have the designs for these buildings, which are quite good-looking in addition to being on common sense lines, on view at the coming Educational Conference.

There is not enough money for us to put every child in school. If we had an Act with that end in view it would be possible to put it into force only in small parts of the State at the same time, and even that would make it necessary to have a special tax on the public.

So common sense says: Let us first get as great a number of children into school as is possible without using government powers, before we make an attempt to do any forcing. When Mr. Mayhew came here for a time, nearly thirty years back, he put forward the idea of one Primary School for every place which had more than 500 persons living in it. His idea was not taken up, probably because there was a tendency at that time to give more time and money to Higher than to Primary Schools. But it is always possible to take a new step, and now we have to see what may be done to make up for this loss of time, and how far the money we *have* got will take us towards the end we have in view.

There is an idea in some quarters that it is possible to make Primary Education self-supporting. That is a foolish idea and one we may quickly put aside. Learning things for knowledge and making things for money do not go hand in hand, at least not in schools for young children. The children might do the one; they might do the other; but it is not possible for them to do the two at the same time. Much money will always be needed for Primary Education, from the State and from Local Funds. But it might be wise to get agreement as to what division of money and workers between these two—Government and Local Bodies—would be of greatest value.

The Vernacular Education Committee of Central Advisory Board of Education with the Government of India made a suggestion in 1937 to the effect that all powers such as, for example, for taking on, sending away, changing over and punishment of vernacular teachers might be taken away from Local Bodies and given to Government officers, or, in other words, that it would be a good thing for Government to

President's Opening Talk

GIVEN BY

The Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, M. A., (Oxon).

Member for Finance & Education.

(Rendered into Basic English by Mr. Adolph Myers)

One of the greatest questions of the day is that of mass education. In India, till quite a short time back, the authorities did not give as much thought to this question as they have to others which are really less important. In fact the tendency has been to give most attention to higher education and least attention to the education of the masses.

To see how far this statement is true we have only to make a comparison between the money given for the one and that given for the other. But it is not my idea to take up your time with facts of this sort. The number of those with a knowledge of reading and writing are not the same in all Provinces and States in India, but there is general agreement that nowhere in India is such knowledge as common as in other countries at the same stage of development.

Today, however, things are different; there is now an increasing belief that the education of the masses has the first and possibly the highest right to the attention of those responsible for the government of any country, and that this education has to be in line with the needs of the country.

This is a great and difficult undertaking. What makes it so difficult? First, the great number of children who till now have had no education. Second, the small amount of money free for this purpose. Third, there are not enough teachers trained to give a knowledge of anything more than the three 'R's', such as is needed, for example, for a trade or business or making things with the hands.

Madrassa-i-Niswan Imdadi Chowrahi Ginsi (Balda) for mat-weaving.

I should like to take this opportunity of thanking all those who helped to make the Exhibition a success, especially the judges, the Principal and Staff of the Stanley Girls' School, the Superintendent and staff of the Madrassa-i-Aliya Primary Department, Mr. Ziauddin Beg and his assistants and the members of the Exhibition Committee.

I should also like to suggest that the Exhibition Committee for the next Conference should be formed as soon as this Conference is over. This will give its members time to meet early in the year and to send out notices for required exhibits to the schools at least six months before the Exihibition. The schools will then have the opportunity of showing work that has been done in class during part at least of the academic year.

attention should be paid to accurately made joints. The clothes airer was given a special prize for originality.

In the Middle Section the clay modelling is not of a very high standard except for the head which is exceptionally good. The weaving exhibits, especially from rural schools, were good, and one exhibit done by a girl with only one hand deserves special mention. The woodwork in general is of a poor standard except the two articles awarded prizes which are good. Canework is hardly represented at all in the middle section.

The absence of exhibits from the Government Industrial schools was conspicuous and their participation in the Exhibition would have greatly added to its educational value.

Canework, woodwork, and leather work from the Industrial Schools is of a high class but almost entirely from one institution, The Anjuman Khadimul Musalimeen. Presumably, the work is carried out under the guidance of skilled workmen, and it is difficult to believe that the leather suitcase, which was awarded the first prize, could be done exclusively by one student without the aid of the instructor. However if this has been done by a student, the boy and the institution deserve a special prize."

It was decided this year that certificates should be awarded to the winners of prizes. The following schools won the largest number :—

	First	Second	Special	Total.
Madrassa-i-Aliya.	10	7	5	22
Darushaffa High School.	3	4	3	10
Girls' High School Nampally.	2	3	5	10

The following two-teacher aided schools for girls' deserve special mention for winning first prizes in handwork :—

Madrassa-i-Niswan Imdadi Shah Bazaar, Gulbarga for tape-weaving.

classification and arrangement of articles. This careful and strict selection is of great value as it will help year by year to raise the standard of work in our schools. The chief aim of an Educational Exhibition should be to become a source of future inspiration and guidance to teachers and pupils rather than to be a mere representation of their present efforts.

The judges were thorough and we hope that the schools paid special attention to their remarks about the work exhibited. Here are a few quotations from some of their criticisms:

In the Teachers' Aid Section the first prize was awarded to the model on the Life of the Eskimos for "neatness, clarity, vividness and perfection of detail." Object number 120 received the first prize in the art section because it showed "good sense of design and composition, and a feeling for texture and because there was depth in the picture and weight in the objects."

A mat of palm leaves was given a prize for individual work because "the material is suitable, the finish good and the work serves a very useful practical purpose." With regard to the Middle School Section of Group Handwork exhibits, the same judge remarks, "I do not feel justified in recommending any of these models for a prize. Where the workmanship is good, the model does not illustrate the subjects set, and the two best models are executed by individual children and therefore cannot be judged in this group." Similarly a great many of the articles exhibited in the Lower Primary Needlework Section were found to be "absolutely useless and in bad taste, e. g. beadwork on velvet, dolls dressed in beads etc. The making of such things is a sheer waste of time."

The following is the remark about the Vocational Section :—

"In the Vocational-work High Section the number of carpentry exhibits is disappointingly small. More careful

4. The usefulness of Indian out-door games requires more consideration, particularly in schools which do not possess large playing-fields.

5. Every teacher is urged to interest himself in some hobby, both for his own sake and with a view to helping his pupils.

6. Every teacher who is worthy of his profession should consider it his privilege and duty to devote some of his spare time to the encouraging of some extra-curricular activity among some of the boys.

7. Headmasters of individual schools are requested to explore the possibilities of short exchanges of boys between rural and urban schools.

8. Inter-School contests in Debating and Swimming could well be arranged by Subah Headquarters, with a view to the introduction of Dominion competitions later on.

9. The Education Department is requested to provide a swimming bath for school children in Hyderabad and similar baths in the mofussils where necessary and possible.

10. Instruction in Safety First principles and First Aid should form a part of every extra-curricular programme.

The Educational Exhibition

BY

Miss J. Nundy, M. A., Dip. Ed. (London.)

President, Exhibition Committee.

The Educational Exhibition in connection with the All-Hyderabad Teachers' Conference was opened by Lady Hydari on 2nd February, 1939 at the Stanley Girls' High School.

The work exhibited was of a very fair standard. It was also representative of the Dominions. Members of the Sub-Committee took a great deal of trouble over the selection,

6. Each School should be housed either in an ordinary school building or in a public office or a village "chaudi".

7. The teaching should be done either by ordinary school teachers, or specially appointed teachers, usually in the evening, such teachers getting Rs. 15/- per school of 30 to 50 adults by way of allowance and for other incidental expenses.

8. Adult Schools for Women should be organized with the co-operation of the Hyderabad Women's Association on lines more or less similar to the schools for Men.

9. Literacy certificates of two kinds should be given—one after the completion of the first six months' course and the other after the completion of the full two years' course.

10. The whole scheme should be carried out according to a definite plan, within a definite period of time.

Recommendations of the Sub-Committee

ON

Extra-Curricular Activities, 1348 F.

1. All possible means should be used to obtain the active co-operation and interest of the parents in extra-curricular activities. To this end, personal contact between the teachers and parents is of great importance.

2. Joint excursions of parties of boys from two or more schools in a locality would serve a very useful purpose, and Headmasters are asked to take the initiative in arranging such outings.

3. It is necessary to take into consideration (*a*) the interests and hobbies of the staff, and (*b*) local conditions and facilities, in deciding what particular activities should be started in any particular school.

Summary of Recommendations of the Sub-Committee

ON

Adult Education.

1. Adult Schools to be organized should be of two types:-

   (*a*) Primary Adult Schools.

   (*b*) Advanced Adult Schools.

2. The course of studies in the first should cover a period of 6 months, while in the second it should extend over a period of a year and a half divided into two periods of six months and one year.

3. The aim of these schools should primarily be the attainment of literacy by teaching the three Rs. The course of studies in the first kind schools should consist of Reading and Writing by means of a specially prepared Reader and in Arithmetic, learning figures up to a lac and doing simple questions involving the four fundamental rules with multiplication tables up to 10 × 10. In the more advanced schools in addition to reading and writing through special readers, a little more Arithmetic. In the readers prepared for this part of the course, the lessons would be on topics of interest for the adults. These would also provide all the necessary information that the masses need to live a better life. Where-ever necessary and possible provision may be made for religious instruction with the sanction of the Department.

4. To prevent relapse into illiteracy, a network of Libraries and Reading Rooms to be organized. The Cinema, the Radio and the Magic Lantern to be used as further aids.

5. These schools should be organised by the Education Department with the help and co-operation of non-official agencies in the form of Taluq and District Committees for the advancement of Adult Education.

Classes	V, VI, and VII	should be	opened in	1348 F.
„	VIII	„	„	1349 F.
„	IX	„	„	1350 F.
„	X	„	„	1351 F.
„	XI	„	„	1352 F.

A careful examination of the proposals read out now will make it clear to you how an attempt has been made in the new scheme to remedy the well-known defects existing in the present system of education.

1. The new scheme divides the course of study into four regular stages, each stage having a well-defined aim.

2. The distinctive needs of Rural and Urban population have been given due recognition by differentiating the curricula.

3. Provision is made for judging the aptitudes of pupils at every stage and for diverting them to the courses for which they are best fitted. Uniformity has been done away with and the courses have been diversified.

4. The number of non-examination subjects has been increased and the number of examination subjects decreased in order to reduce the strain on the minds of pupils.

5. Courses of studies for boys and girls have been differentiated and Domestic Science has been introduced as an additional subject for girls.

The Board has set to work in earnest and has appointed various committees to frame courses of study and to attend to a variety of other details connected with the introduction of the new scheme.

2. English should not be made compulsory either as an examination or as a non-examination subject; but in the interests of such girls as are capable of joining a Higher Secondary School in future, it should be taught as an Examination subject in the Urban Lower Secondary Schools and as a non-examination subject in the Rural Lower Secondary Schools.

3. The syllabus of the Higher Secondary Schools should be divided into four parts: (1) Arts, (2) Mathematics and Science, (3) Biology, and (4) Domestic Science.

Vocational Education for Girls

4. At the end of Class VIII i.e. after the Lower Secondary Certificate Examination, there should be the following schools :—

(*a*) Women Teachers' Training Schools with a two years' course.

(*b*) Vocational High Schools for Girls for needle work etc. with a two years' course.

5. At the end of Class XI, i.e. after the Higher Secondary Certificate Examination, there should be the following schools :—

a. Women Teachers' Training Schools, with a two years course.

b. Training School for children's Nurses, with a two years' course.

c. Training School for Nurses for the sick, with a two years' course.

d. Art and Craft School for Girls, with a two years' course.

Introduction of the New Scheme.

It has been recommended by the Board that steps should be taken to introduce the new scheme gradually as suggested below :—

Courses of Study in Secondary Schools.

1. The Higher Secondary stage has been divided into three parts: 1. Arts, 2. Mathematics and Science and 3. Biology. The work in Class IX will be a continuation of general education imparted in Class VIII. Specialization shall commence in Class X. Special plans should be adopted to determine carefully the aptitude of students and appropriately to predispose them towards the next two years' course of study. The subjects have been divided into two classes: examination subjects and non-examination subjects.

In Class XI the aim should be that the standard attained in examination subjects is that of the present first year or Junior Intermediate Class and in non-examination subjects that of the present Class X (Matric).

Manual training will be a non-examination but a compulsory subject for all students.

2. As recommended in the Mackenzie Report, the Lower Secondary Schools have been divided into Schools in Urban Areas and Schools in Rural Areas. The curricula of these schools include examination and non-examination subjects. Manual training will be provided in Urban schools, while gardening will be taught in Rural Schools. In Rural Schools English will be taught as a non-examination subject, but a student passing the Lower Secondary Examination from a Rural School may be admitted to Class IX in a Higher Secondary School, provided that he passes in the English paper in the Lower Secondary Examination. Where necessary, a preparatory class may be opened in Rural Secondary Schools to prepare pupils for the English paper in the Lower-Secondary Certificate Examination.

Girls' Education.

1. Beside those subjects that are prescribed as examination subjects for boys, Domestic Science should form an additional examination subject in the Lower Secondary Schools for Girls.

1. Vocational High Schools.—The course should extend over 3 years, at the end of which the Vocational High School Certificate should be awarded.

2. Teachers' Training Schools—Two years' course.

3. Agricultural Schools—Two years' course.

After the Higher Secondary Certificate Examination i. e. Class XI, the following Technical and Vocational Schools should be established :—

1. Commercial Schools with a 2 years' course.

2. Osmania Technical College with a two or three years' course according to Department.

3. Medical Schools with a 2 years' course.

4. Teachers' Training Schools with a 2 years' course.

5. Agricultural Schools with a 2 years' course.

As recommended by Mr. Abbott, there should also be a Central School of Arts and Crafts with two types of courses, a lower course for pupils who have passed the Lower Secondary Examination and a Higher course for pupils who have passed the Higher Secondary Examination.

The High School Certificate will lead to the following courses :—

1. B. Com., 2. B. E., 3. B. A., 4. B. Sc., 5. B. Ag., 6. Bachelor of Theology., 7. Bachelor of Medicine and Surgery.

Note.—As under the new scheme, the Intermediate Examination will be abolished, and the standard of the Higher Secondary Certificate examination would be too low for admission to courses 1, 2, 4 and 5 above, it has been proposed that students taking up these courses should study one year in the Arts College for course No. 1, and one year in the Science College for the other courses.

Extracts from the Report of the Secretary, Secondary Education Committee

The following is a summary of the recommendations of the Board of Secondary Education.

Stages of Instruction.

1. The total length of the period of education from Class I to the end of the degree stage should not exceed 14 years.

2. That the period of the course in the Primary stage should extend over 4 year ; but at least one extra year should be provided for pupils who either drop off at this stage or are not likely to proceed to a Secondary School.

3. That the Lower Secondary course should extend over a period of 4 years, i. e., from Class V to Class VIII.

4. That the Higher Secondary course should extend over a period of 3 years, i. e., from Class IX to Class XI.

5. That the University degree course for B. A. or B. Sc. should extend over a period of 3 years.

Examinations.

The first public examination should be held at the end of Class VIII, and the second at the end of Class XI, and that they should be known as the Lower Secondary Certificate Examination and the Higher Secondary Certificate Examination, respectively.

Industrial and Vocational Education.

Industrial schools should be established at the end of the Primary stage, parallel to the Lower Secondary Schools, and that the course in such institutions should extend over a period of at least 2 years, Class V being the minimum qualification for those seeking admission into an Industrial School.

Provision should be made for different courses as below at the end of Class VIII (i.e. after the Lower Secondary Certificate Examination) :—

As for the rebellious boys or the breaker of discipline, he can usually be set right with a legitimate outlet for his stored up energies under which he naturally chafes for expression. The One Minute Drill comes to his rescue and to the rescue of his class room teacher as well. Experience has shown that the One Minute Class Room Drill enhances discipline because it satisfies the Physical urge to do something. On the other hand, it rouses the physically sluggish and mentally dull boy.

So far as physiological benefit is concerned, we know that long continued sitting with the trunk bent forward slows up the action of the circulatory system—heart, vessels, blood flow—and also reduces the lung area and oxygen intake to the blood for its purification and revitalisation.

If a school system, having hygienic seats and playgrounds, of 22,000 class-room teachers and 8 lakhs of pupils of both sexes, feel they need the Class Room One Minute Physical Exercise Drill, then we in Hyderabad Dominions without hygienic seats and few school playgrounds, should feel we need it even more so. What is more, our boys are practically unanimous for it. They like it and why should they not, when it is properly taught and led ? They are living and growing and need the physiological stimulus to break the monotony of confinement, to relieve their surging pent up energies in a legitimate manner, and also to counteract bad postural habits of sitting.

The Class Room
One Minute Physical Exercise Drill

BY

F. Weber, M. A., B. P. E.

Principal, College of Physical Education and Chief Inspector of Physical Education.

As nature abhors a vacuum so growing life abhors stagnation. Yet when we confine growing boys to a few square feet of sitting space for 40 or 50 continuous minutes, we wonder why it is that they sometimes get physically and mentally rebellious and break discipline. On the other hand, the dictum "As the sapling is inclined, so grows the tree", suggests the confined boy who wilts and becomes physically sluggish and mentally dull.

Worse than this confinement to a specified and limited space is the fact of the conditions involved. The boy must remain seated and his seat may be the floor or a backless bench, neither one giving any back support. Here truly, under the monotonous, unhygienic sitting, the sapling inclines to develop into a future tree of a similar inclination, the trunk wrongly bent or twisted. In one Hyderabad City school of all three sections 704 boys were given a careful physical examination. Of the 704 boys examined only 14 had good postures, the remaining 690 boys required one or another kind of posture Corrective Exercise to remedy a wrong or defective inclination. This strongly suggests the dictum that "A school should not only train a boy the way he should go, but also the way he should grow". If for no other benefit than that of posture improvement alone, the place of the One Minute Physical Exercise Drill in the class room can justify itself to those with a thought of the future and the man of tomorrow.

Referring to the Exhibition, the Hon'ble Member observed that the improvement in the quality of the exhibits was remarkable to a degree that might arouse suspicion with regard to their genuineness. He suggested that it would add to the value of the Exhibition if the prize-winners were asked to attend the Exhibition and give a practical demonstration of their work. This would also be a source of encouragement to pupils of merit and the Department could meet their travelling expenses.

He welcomed the resolution on Refresher Courses for teachers and urged that they should be held at all district headquarters. He hoped to be able to take part in the discussions on teaching methods, and specially on Kindergarten.

He considered the Association and its annual conference a great factor in stimulating and sustaining the interest of teachers in their profession and exhorted the teachers to love their work and their pupils and thus render sincere and useful service to society. He said that he was always ready to offer help and guidance.

In conclusion, he congratulated the organizers of the Conference and the Exhibition on their success and remarked that great credit was due to the Director of Public Instruction and Mr. Syed Ali Akbar for their energetic work and devotion to duty. He congratulated Mr. Sajjad Mirza, Chairman of the Reception Committee, on the excellent arrangements made by him, and Miss J. Nundy on her successful work in organizing the Women Teachers' Association.

On behalf of the Conference, Mr. Syed Mohiuddin, Principal, Intermediate College, Aurangabad, tendered respectful thanks to Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur and Lady Hydari. He also thanked the Principals of the City College and of Stanley Girls High School for lending their buildings for the conference and the Exhibition, respectively, as well as the various speakers and others who had contributed to the success of the Conference.

III. This Conference recommends that, as in the United Provinces, an institution should be founded to look after the education of the children of deceased teachers, so that they may be rescued from bad ways and trained to become useful members of society.

Proposed and seconded by Mr. Shamsuddin and Mr. Kareem Ahmad Khan, respectively.

IV. That this Conference suggests to the Education Department that arrangements for short-period refresher courses be made as early as possible.

Proposed and seconded by Dr. Shendarkar and Mr. Salim Bin Sayeed, respectively.

V. That in the opinion of this Conference, when a Government servant has more than one daughter attending a school, only one girl should be charged full rate and the rest half rate for conveyance.

Proposed and seconded by Mr. Ahmed Ali Khan and Mr. Naqvi, respectively.

Concluding remarks of the President.—At the outset the President humorously remarked that the Basic rendering of a part of his Address looked like the younger sister of the original and more beautiful. He commended the study of Basic English for the young as it brought the vocabulary required for all practical purposes within a small compass and as it could be more easily learnt. He mentioned in this connection that a Committee had been appointed to study the problem of Basic Urdu.

The President next observed that the Conference was a great success and that the reports of the Sub-Committees and also the lectures were interesting and useful. He remarked that the report on Adult Education contained valuable suggestions that would materially help to solve the problem of Mass Education and he was specially taken up with the recommendation that teachers under training should be trained to teach adults as well. He suggested that every member of the Association should undertake to educate annually at least five adults in the same way as every true Congress member undertakes to spin yarn every day.

Closing Session of the Conference.—The closing session began with the reading of the Exhibition report by Miss J. Nundy, President of the Exhibition Committee. This was followed by the reports of the various Sectional Meetings which were read by the Secretaries of the respective Sub-Committees.

Then came the lecture on 'The need for re-orientation in the Teaching of History in Schools' by Dr. Yusuf Husain Khan of Osmania University. He observed that teacher should aim at giving pupils a clear conception of how man progressed gradually from chaos to civilization. To this end the constructive policies of rulers and Governments and the principles that underlay them should be brought home to the pupils and the differences between races, nations and creeds which brought about disputes, persecutions and wars should be treated as follies that hampered progress.

Mr. Adolph Myers then spoke on "Basic English". He explained what Basic English meant and pointed out how it could serve as the best international medium for exchange of thoughts and ideas and how it would give an easy and excellent grounding in English. He concluded by expressing the hope that Basic English would be adopted in the schools of Hyderabad before long.

Resolutions.—Five resolutions were moved and all of them were passed, with slight amendments in three of them. The resolutions that were passed are as follows:—

I. That in the opinion of this Conference wherever arrangements have been made for the medical inspection of Government Schools, it would be proper to make similar arrangements in the case of Aided and Recognized Institutions also.

Proposed and seconded by Rev. G. Sundaram and Mr. Nurul Hassan, respectively.

II. This Conference recommends that further concession in the matter of fees in Secondary Schools should be granted to the children, particularly daughters, of teachers.

Proposed and seconded by Mr. Khaja Yusufuddin and Mr. Abdul Aziz, respectively.

They were :—

1. the retention of the English standard at the same high level even after the adoption of Urdu as the medium of instruction ;
2. a too strict adherence to the Translation or the Direct Method of teaching English ;
3. inadequate teaching of grammar ;
4. paucity of really competent teachers of English.

Mr. Khaja Yusufuddin considered that the medium of instruction ought to make no difference to the standard of English if proper methods were followed. The low standard, in his opinion, was due to the inordinate use of the translation method. He sounded a note of warning against overdoing the formal teaching of Grammar. Mr. Bilgrami remarked that the aim of teaching English was not properly defined with the result that undue importance was being attached to "Expression." Rev. G. Sundaram laid emphasis on library work and explained how it could best be availed of. The absence of a congenial atmosphere within and outside the school and the lack of properly qualified teachers were the reasons given by other speakers for the existing low standard of English.

Mr. Ahmad Husain Khan pleaded for an opportunity to be given for a discussion on Basic English. He observed that the medium of instruction need not be a bar to the attainment of a high standard of English, and said that the wrong notion that the teachers of English have a special prestige and that headmasters should handle English irrespective of their ability and interest in it, should go. He was of opinion that the Translation and the Direct Method have each its own place. He deplored the lack of love of reading on the part of the teachers and the pupils.

Mr. Adolph Myers, Basic English representative, expressed the view that the pre-eminent factor was the lack of proper material to be placed before the youngsters. This, he said, was exactly what Basic English supplied.

and non-communal, besides being sympathetic. Thirdly, we must provide sufficient activity for the students both in the class-room and outside the class-room. Fourthly, teachers should try to enlist and secure the co-operation of parents. Fifthly, they should keep in close touch with the students and try to cultivate friendly relations with them so as to be able to exercise the right kind of influence over them."

The report of the Sub-Committee on Secondary Education and a *summary of the recommendations of the Board of* Secondary Education were then read out.

A few questions raised regarding the admission of boys into the Lower Secondary Schools and the minimum qualifications which would be required for entertainment into Government service after the introduction of the new scheme were answered by the Chairman.

Teaching of Science in Secondary Schools.

Mr. Aftab Hassan, Inspector of Science, opened the discussion on the Teaching of Science in Secondary Schools, pointing out certain existing defects and suggesting remedies for them. * A discussion followed. Among those who took part in the discussion were Mr. Ahmed Husain Khan and Dr. Shendarkar. Improvement in the course of study in science, the allotment of a separate period every week for general discussion on Everyday Science, the provision of a well equipped laboratory and the institution of a general Science Course in the University were some of the suggestions offered. One speaker expressed the view that the dual government over science teachers did harm to science teaching instead of improving it. Another contended that the so-called practical classes meant only a demonstration of experiments by teachers.

Discussion on the Teaching of English

Mr. Salim Bin Sayeed, Lecturer, Training College, opened the discussion on the Teaching of English and in the course of his speech he gave four main reasons for the low standard of English in Osmania Schools.

* A Summary of Mr. Aftab Hassan's speech will be published in our next issue.—*Ed.*

In his opening speech, after explaining the new scheme for the reorganisation of Secondary Education, Mr. Ali Akbar said:

"It must be remembered that our scheme for educational reorganisation is not going to solve the problem of Secondary Education in the State any more than the Wardha Scheme is going to solve the problem of Primary Education in British India or wherever its adoption is under contemplation. It is easy to adopt a scheme for the reorganisation of the educational framework, but to make it a success several conditions have to be fulfilled. There is an imperative need for improving the quality of Secondary Education and for this you want not so much new classifications and new syllabuses as adequate buildings, furniture and teaching appliances and sufficient and properly qualified teaching staffs. These are administrative questions into which I need not enter here. I shall, however, be disclosing no official secret when I say that the Education Department is keenly alive to these needs and is trying to satisfy them as far as the funds at its disposal permit. 'As far as funds permit' is generally a convenient official phrase, but I have not used it in that sense. Government have recently sanctioned a grant of Rs. 3 lacs for the construction of school buildings, and in addition to this, the Director of Public Instruction has been following the policy of setting apart the annual savings of the Department for this purpose. The Department also hopes to be able to supply the crying need for furniture out of these savings, while the major portion of the recurring grant of Rs. 3 lacs which Government have sanctioned for this triennium is going to be devoted to improving the teaching staffs of the Middle and High Schools. Nor has the Department neglected the question of text-books. The Committees which have been appointed to prepare text-books in various subjects have been very active and it is hoped that within a year or so the text-books in at least some of the important subjects will be ready.

"Before I conclude, please permit me to say that in view of the recent events, no question has greater claim on our attention than that of discipline. I am sure that every one present here will endorse the remarks which Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur made yesterday in his Presidential Address on this subject. Nothing could be more unfortunate than the tendency to indiscipline on the part of our students. The causes of this indiscipline are too well known to be mentioned. The external influences which have been at work have made it difficult for the authorities to bring the situation under control. I am sure you will agree with me when I say that no greater disservice could be done to students than to incite them to acts of indiscipline. It is high time that we took steps to prevent political and communal leaders from exploiting the youth of the State. First of all, all teachers must themselves have the conviction that students, especially school boys, are too young to understand politics. Secondly, it is necessary that the teachers should be absolutely impartial

mendation of the Sub-Committee "requesting the Department to approach the Municipality to consider the possibility of building a swimming bath for school children in Hyderabad" gave rise to lively discussion. Mr. Bhanumurti, Assistant, Teachers' Training School, Hanumkonda, protested against the suggested partial treatment to the City and pleaded for similar facilities being extended to the Districts. Mr. Shaikh Abul Hassan supported him and added that Municipalities existed even in districts. The President and Mr. Jag Mohanlal explained that it was not the object of the Committee to exclude other places. Its object was simply to give Hyderabad a facility which districts, they thought, generally enjoyed. Mr. Syed Ali Akbar suggested the deletion of the portion "to approach the municipality" and this was agreed to. The recommendation as adopted reads as follows :

> "The Education Department be requested to provide a swimming bath for school children in Hyderabad, and similar baths in mofussils where necessary and possible."

Mr. Md. Sultan stressed the value of an annual programme prepared by the Headmaster in consultation with his staff in the light of local conditions, environments and the ability and inclination of the teachers and the taught. Mr. Bilgrami, Inspector of schools, Gulbarga, who spoke next, urged for the appointment of a sub-committee to consider the activities useful for pupils in Primary schools. The report was then adopted.

Sectional Meeting on Women's Education.—The Sectional Meeting on Women's Education was held at the Girls' Middle School, Hussaini Mohalla. It was open only to women and a report of it is published elsewhere.

Sectional Meeting on Secondary Education.—On Saturday the 4th February the Sectional Meeting on *Secondary Education* was held in the forenoon at the City College. Mr. Ali Akbar, Chairman of the sub-committee presided.

drafted an elaborate and comprehensive report in English on that subject. A translation of the report in Urdu was read by the Secretary Mr. Nurul Hassan. Then followed a discussion on the report. To begin with, the discussion centred round the question as to whether religious instruction should be included on a compulsory basis in Adult Schools. The chairman explained the practical difficulties in the way and referred the delegates to the detailed report. It was resolved that Religion should generally be excluded from the curriculum for Adult Schools; but where special arrangements could be made it may be introduced.

Mr. Abul Hassan, Divisional Inspector of Schools, drew upon his experience and moved for certain verbal changes which were accepted. He laid emphasis on the teaching of oral arithmetic and questions on bazar transactions. The Chairman pointed out that due importance had been given to this in the report and that a book in Arithmetic for Adult Schools was under preparation.

Then Mr. Mir Ahmed Ali Khan, Vice-Principal, Teachers' Training College, seconded by Mr. Naqvi moved the following resolution:

> "This Conference is strongly of opinion that a Central Board of Adult Education consisting of Officers of the Educational, Co-operative and Revenue Departments and of the members of the Public be formed in Hyderabad with Branches in the Districts."

The resolution was unanimously adopted.

Mr. Syed Ali Akbar moved the adoption of the report with the amendments and additions made at the meeting. The motion was carried unanimously.

Sectional Meeting on Extra-Curricular Activities.—The Sectional Meeting on Extra-Curricular Activities was presided over by Mr. Bellingham, the Chairman of the Sub-Committee. Mr. Parthasarathi, the Secretary, read the report of the Committee, which was followed by a discussion. The recom-

Committee. He referred to the democratic constitution of the Association, and suggested the formulation of Basic Vernaculars on the lines suggested by the Orthological Institute at Cambridge. Then followed the General Secretary's report on the work of the Association for the year 1347—48.

In his inspiring Presidential Address, the Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur dwelt upon the importance of Mass Education and of the consequent need for the expansion of Primary Education and pointed out how financial difficulties and paucity of trained and efficient teachers stood in the way of compulsory Primary Education. He added that the opening of classes or schools for children below six needed great caution as a Kindergarten not conducted on right lines was likely to do far more harm than good to a child. The schemes formulated by the Board of Scondary Education and the Department of Technical and Vocational Education were then briefly touched upon. He also complimented Mr. Mohamed Husain Jaferi, the Director of Public Instruction and Mr. Syed Ali Akbar, the Special Inspecting Officer, upon the valuable services they have rendered to the Association.

Three instructive lectures were delivered; the first on "English School system" was delivered by Prof. F. J. Harding of Osmania University, the second on "Class-Room Physical Exercise Drill and Its Purpose" by Mr. F. Webber, Principal, College of Physical Education and the third on "Switzerland and Its Rural Life" by Mr. Haroon Khan Sherwani, Professor, Osmania University. Mr. Webber ingeniously converted the Conference into a class and demonstrated the value and efficacy of physical jerks and limb movements to the teacher delegates and it came as a welcome relief to the audience from the weariness of a long sitting.

Sectional Meeting on Adult Education.—The Sectional Meeting on Adult Education was presided over by Mr. Ahmad Husain Khan, the Divisional Inspector of Schools, Balda. He was also the Chairman of the Sub-Committee which

Proceedings of the Second All-Hyderabad Teachers' Conference.

BY

K. B. Aiyer, B. A., B. T.

A meeting of the Council of the All-Hyderabad Teachers' Association was held on Thursday, the 2nd February 1939, at 10 A. M. at the office of the Director of Public Instruction. On the same day the Educational Exhibition, which had been organised in connection with the Conference at the Stanley Girls' High School, was opened by Lady Hydari. A report of the Exhibition appears elsewhere.

The plenary sessions of the Conference as well as the Sectional Meetings on Adult Education, Secondary Education and Extra-curricular Activities, were held at the City College on Friday and Saturday, the 3rd and 4th February respectively, while the Sectional Meeting on Women's Education, which was open to women only, was held at the Government Girls' Middle School, Hussaini Mohalla on the 3rd February.

The Conference opened its session at 9 A. M. on Friday, with Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, the Hon'ble Member for Education and Finance, in the chair. The hall was packed to the full. Most of the officers of the Department and many teachers from the City and the Districts attended the conference as delegates. Some of the Professors of Osmania University and of the Nizam College and many other guests, including a number of ladies, were present. Among the guests, special mention may be made of Mr. Azhar Hasan, Home Secretary, Mr. Fazl Mohamad Khan, Organising Commissioner, and Mr. Adolph Myers, the Basic English Representative.

The proceedings began with the reading of the Welcome Address by Mr. Sajjad Mirza, the Chairman of the Reception

The President then made his concluding remarks, which were to the following effect:

"Mr. Salim Bin Sayeed's paper was short and interesting which must be translated in Urdu and published in 'The Hyderabad Teacher'. The buildings of Aided Schools at the Head-Quarters are all good. The system of Medical Inspection of Schools is not satisfactory. The inspection card is not preserved and pupils are not given treatment after the inspection is over, since Government have not made any arrangment for it. In Europe a clinic is attached to some schools. It will be good if we copy the same here. The question of diet to pupils is important. Poor boys are physically unfit owing to malnutrition. The Department is revising the Grant-in-Aid Code and it will also be instituting a Provident Fund. It is also preparing a scale of fees. The Report on 'New Education' was too long. It should have been practical." In the end he expressed his thanks to the organisers for the honour they had done him.

Mr. Ahmed Husain Khan thanked the president and others who had contributed to the success of the Conference. He said that no efforts would be spared to make the Conference more interesting next year.

The Director of Public Instruction proposed three cheers to H. E. H. the Nizam. With three cheers to the Director of Public Instruction, the Conference came to a close.

Simultaneously with the English lessons were given three lessons in Geography. The one for the Middle Section was given by Mr. Abdus Sattar Subhani, Principal, Darul Uloom High School; the lesson for the Primary Section by Mr. Gulam Dastagir, Assistant, Nampalli High School. The class for High School boys was conducted by Mr. Abdul Gafoor, Assistant, Nampalli High School. Each lesson was interesting and successful in its own way. There were some discussions also. It would be a better arrangement if in future sufficient time is allotted for criticism immediately after each lesson is over.

After all these lessons were over, Mr. Aftab Hasan, Inspector of Science, gave a lesson to VIII class on 'Water Purification and the Several Ways of Supplying Purified Water'. It was his maiden attempt at giving a demonstration lesson. But he was methodical, and succeeded in keeping the boys alert and interested from beginning to end.

Final Session.—The second plenary session began at 2 P. M., under the presidency of Mr. Syed Mohamed Husain Jaferi. Two resolutions were adopted. The one relating to the exemption of school fees for the children of officers of the Educational Department was moved by Mr. G. A. Chandavarkar, Headmaster, Sultan Bazaar Middle School, and seconded by Mr. Mohamed Sultan of Nampalli High School. The resolution pleading for the institution of a Provident Fund for the benefit of teachers in all Aided and Private schools was moved by Mr. A. S. Rao, and seconded by Mr. V. V. Hardikar, Headmaster, Vivek Vardhini High School.

Then Mrs. Nurul Hasan, President of the Exhibition Committee, read her neat little report, which said that some of the exhibits received this year were of a high quality and showed originality.

This was followed by the distribution of prizes won at the exhibition, and the adoption of the report on New Education.

and when he failed to get any response even after changing the wording of his question (though this procedure may not commend itself to over-particular students of pedagogy) that he launched his explanation. The next step was to get from the students the meaning of each stanza in the form of a continuous narrative and ask them to point out the figures of speech found in the poem. The last step was to make the boys say whether they liked the poem, whether they thought that it was a good poem, and what made them consider the poem beautiful.

I have given a fairly accurate account of how the lesson was conducted. I may be pardoned for venturing an opinion or two which are shared by others as well. The spirit of sportsmanship displayed by the Divisional Inspector of Schools in coming forward to give the lesson was appreciated by one and all. It must be conceded that other methods could have been adopted which would have been attended with equally good results. For, the first thing which Educational Psychology teaches a student under training is that "*there is a method even in madness.*" The method of teaching followed in this lesson was in several respects markedly different from the one preferred by the gentleman who gave a lesson earlier in the day. The Divisional Inspector said that he was *untrained* and that in his own opinion it was not such a big success as he wished to make it. The readiness with which the boys give answers to questions put to them is no fair test of a teacher's talents or his adherence to the principles and methods of teaching. For it is common knowledge that good results at examinations are, more often than not, the outcome of spoon-feeding by the teachers, and a sure indication that pupils and teachers had conspired together to set at naught all principles of Educational Psychology and methods of teaching. The doctrine 'that the end justifies the means' may be good ethics in politics or commerce but it is by no means good academic morality. Judged by any standard, this lesson must be voted a great success.

and Osmania Matric students this year. A rather indifferently typed copy containing the 40 lines of the poem was handed over to every boy. The time taken was just one hour.

THE LESSON.

Introduction.—The teacher began by testing the apperceptive basis of the boys. But when he found that their knowledge of the difference between prose and poetry was not up to the mark, he obviously changed his plan of compaign and started throwing considerable light on the point he raised. After a good struggle, he succeeded in eliciting from the boys that they could look forward to 'measured language' and 'beautiful thoughts' in a good poem. But they had not even heard of the name of the poet, Keats. This led to a digression--the telling of the story of the 'grocer and Keats'. Then followed an explanation of the word 'Ode', and the difficult words met with in the poem e.g. Commune, Elysian, slumber etc. But the boys sprang a surprise on the teacher now and then, by their ignorance of the meaning of such simple words as *bards*, *lawn* etc. If he had been handling that class, he could have formed a better estimate of their stock of knowledge. As it was, the preliminary adjustments took up 15 minutes.

The Aim.—Admittedly the aim of the teacher was to enable the boys to *appreciate* the poem. Expressed in unpedagogic language, the aim was to direct the attention of the boys to the beauty of language and the beauty of thoughts in the poem, and incidentally to enable them to understand its meaning. But no fuss was made either of the aim or of the Notes of Lessons.

Development of the lesson.—The teacher gave a model reading of the poem and then asked a number of boys to read it again. He then started questioning them as to the meaning of certain lines and often succeeded in getting the correct answers. To do the class justice, it contained 5 or 6 really smart boys. It is only when even these boys looked blank,

grounds for children, he said that the money was there but the real difficulty came in only in selecting and securing the grounds. He invited the teachers to help him in his endeavours in this direction. About communal harmony he repeated his observations in the morning. Owing to stress of time he could not favour the teachers with his views on 'examinations'. In the end he complimented the members of the committee upon the great labour they had put forth to produce that voluminous report which took up about 35 pages of typed matter.

After this there was an illuminating lecture in Urdu on 'School Tone' by Mr. Mir Ahmed Ali Khan, Lecturer, Osmania Training College. He pointed out the importance of School Tradition and closer contact of pupils and teacher. There was also a Mushaira that night at the All Saints' High School.

Special Classes for Teachers.

The forenoon of the second day was devoted exclusively to demonstration classes for the benefit of teachers. Teacher-pupils from the Osmania Training College were also present. Three lessons in English were given. The first lesson was for Form III. Mr. Syed Nurul Hasan, Headmaster, Durus Shifa High School, who gave the lesson, chose the poem, *Casabianca.* The second lesson was given by Mrs. Garden for boys of Standard I. Mrs. Garden is a popular figure in all our Conferences and it requires no one to say that her lesson was exceedingly interesting and a thorough success. The third lesson was for boys of Form V. It was given by Mr. Ahmed Husain Khan, Divisional Inspector of Schools, Head-Quarters. I claim the privilege of the occasion to notice this lesson at some length.

The boys belonged to the Nampalli High School. They had no previous acquaintance with the *teacher* who gave the lesson. The poem selected was, "Ode on the Poets", by Keats, a difficult piece which is prescribed for the H. S. L. C.

comments of the Chairman, 'the opinions of a *lay*, untrained man', as he characterised them, 'to be taken for what they were worth'. He deprecated the tendency to make the size of a Report to be read at a Conference unduly bulky. He said that to talk of the needs of *societies*, when nothing was particularly meant by 'society'. did not take us anywhere. He asked what was meant by bringing the environment of the child into the school premises. In our villages, a child's natural environment consisted of filth, ignorance, poverty, and sickness. 'Were all these to be imported into the school, or was the school to teach him to live a cleaner and healthier life?' he asked. Regarding the reference in the report to the teacher of the past as a stern 'taskmaster', he made the remark that if only we modelled ourselves on the gurus of old, we would be truly good, noble and efficient. This remark was received with a well-merited acclamation. He pointed out that vocational education could not be introduced in schools meant to give general education but it was possible to give a vocational bias to general education. We must think of separate schools only for giving vocational education, as has been pointed out in Mr. Abbot's Report. He said that in a school where thousand and odd students were reading it was impossible to adopt the Dalton Plan, the Project Method or the Gary system, about which few had any clear notion. He pointed out further that even in the West, with their resources and overwhelming number of thoroughly efficient teachers, only a few select schools adopted any of these methods. He observed that the members of the Committee would have done well if they had taken stock of the actual conditions in our schools and suggested ways of improving them, instead of writing out an elaborate and learned thesis, only meant for publication. He agreed that punishments should be only sparingly resorted to. He narrated what he did when he was the Headmaster of the Aurangabad School and showed that the grant of some sort of *self-government* to boys to manage the school affairs themselves, would create in them self-reliance, responsibility and discipline. About the lack of play

and the Club attached to it, and the transfer of Mr. Faizuddin, M. A., Bar-at-law, as Divisional Inspector, Medak, and the appointment of Mr. Ahmed Husain Khan, as Divisional Inspector, Head-Quarters. Mr. Salim Bin Sayeed, Lecturer, Osmania Training College, read a brief and interesting paper in English on 'Practical Occupations.' It merits a translation into Urdu and publication in our Educational journal, so that even non-English knowing persons may profit by the suggestions made therein.

After this, resolutions were taken up. The first, stressing the need for medical examination of pupils in Aided Schools also, was moved by Rev. G. Sundaram, Principal, Methodist Boys' High School, and seconded by Mr. A. S. Rao, Headmaster, Mufid-ul-Anam High School. The second, suggesting that Grants should be based on the efficiency of schools, was moved by Rev. Brother Paul, Rector, All Saints' High School, and seconded by Rev. G. Sundaram. With this the first plenary session concluded.

At 2-30 P. M. two sectional meetings were simultaneously held to discuss the Report on the "New Education". Mr. Syed Mujtaba Husain Nakavi, Headmaster, Nampalli High School, who was also the chairman of the Committee which drew up the report, presided over the Urdu Sectional Meeting.

Mr. Ahmed Husain Khan occupied the chair in the English Sectional meeting till the arrival of the President of the Conference. The report was read by Mr. Dinker Narayan, a member of the Committee. There was not time for a full dress debate but it was suggested by a speaker that in future, failing a true copy, a synopsis of such reports should be made available to teachers in every school some days before the conference so as to enable them to study it and come prepared to make some useful contribution. The D. I. asked the secretary to make clear one or two statements in the report which were rather vague. What made this sectional meeting very lively were the original and refreshing

His is the responsibility for the moulding of the character of the coming generation. He should interest himself in other activities, besides teaching, which are for the public weal. A change is coming over our social, economical and political life and every one of us should intelligently see how far it is to the good of our country.

"I like the old teaching ways of the guru. Education was then free, and pupils had a thirst for knowledge and true love for their guru. The education of our schools has been a failure and it will be a good thing to close them down and divert the saving so effected to some other useful purpose. The teacher has no satisfaction of mind, and the pupils have no control over their mind. To give complete freedom to a child is to give him a charter to be impertinent in after life. Nowadays pupils do not salute a teacher outside the school. Teachers must keep themselves away from the present agitation that is going on in our country and, while keeping their pupils also away from irresponsible and illiterate persons, should develop in them a true sense of nationality.

"Now strikes have become very common in our schools for trivial reasons. This was not so 20 or 25 years ago. The present state of affairs is owing to the defective training given in our schools. The teacher's personality and his personal contact with his pupils can do much to eradicate the evil. It is unfortunate that a struggle is going on between the Muslims and the Hindus in our country. As religion has come to the forefront, the nation has receded to the rear! The inhabitants of India are all Indians. If both the communities bear this in mind, the trouble will easily vanish. People think that by entering politics they could become leaders and famous men. There are several things which claim our urgent attention. Every one could attend to rural uplift."

Then Mr. Ziauddin Beg, General Secretary, read his report, in which he mentioned the activities of the Association

other important considerations, the omission to have invited the usual galaxy of guests will have to be assessed properly. Even as it was, the *shamiana* was packed to its utmost capacity.

There was the usual Educational exhibition which was held this time in the Methodist Boys' High School auditorium. It was opened on the afternoon of 8th December by the President of the Conference. At 7 P. M. the same day, there was a lecture on 'Safety First' at the All Saints' High School by Mr. Holmes, Inspector of Police, Hyderabad. The lecturer dwelt at length on the various rules of the road and explained to the audience the steps taken by the Government to ensure the safety of the pedestrians and concluded by saying that a strict observance of these rules would bring down the number of accidents which attend modern traffic.

The first plenary session of the Conference opened at 9-15 A. M. on Friday, 9th December. Mr. Ahmed Husain Khan, Divisional Inspector of Schools, Head-Quarters, and President of the Association, in an off-hand English speech welcomed the distinguished officers of the Department who responded to his invitation and requested Mr. Syed Mohamed Husain Jaferi, D. P. I., to preside over the Conference. He also explained his reasons for having changed the place of the Conference from the magnificent hall of the City College to a *shamiana* on the Nampalli ground, and for having broken away from tradition in certain other particulars as well.

The President gave an inspiring preliminary talk, which was remarkably outspoken and direct. The following is a summary of his speech :

"I have spoken to you on several occasions before, and my present difficulty is, 'what shall I say ?' In this Conference you will discuss principles of teaching and other educational problems. The duty of a teacher is not merely to enable the pupils to pass their examinations but to make of them good and useful citizens, and to enrich their lives.

A Review of the Proceedings of the Eleventh Annual Conference of the Hyderabad Teachers' Association.

BY

T. A. Lingam, B. A., L. T.

* This year's Conference was held under the presidency of Mr. Syed Mohamed Husain Jaferi, Director of Public Instruction. It lasted for two days, beginning on Friday the 9th December. Consequent upon the formation of the All-Hyderabad Teachers' Association in February of **last year, there were certain notable departures this time. The conference itself was held in a beautiful *shamiana*, specially erected for the purpose, in the spacious compound of the Government High School, Nampalli. A brief but inspiring extempore speech in Urdu by the President replaced the customary printed address in English. There was neither a Reception Committee nor a Welcome Address. This breaking away from convention had resulted in a greater output and quicker dispatch of work. For the first time after several years some resolutions were passed, each of special interest to the teaching profession. This was by itself a record. Another point which merits special mention was the giving of a demonstration lesson in English by a Divisional Inspector of Schools, "*to turn away the charge*," as he humorously put it, "*that is usually made that the higher officers of the Department fight shy of giving a lesson.*" The Science Inspector also gave a lesson. The formation of a separate † Association for Women Teachers a year ago has made our Association more individualistic. There has been a growing desire among our teachers to have a fuller opportunity of discussing some of the practical problems that face them. In the light of these and

* 1938. ** 1937. † This was formed in 1937.

consciences can be aroused to the needs of the children; the provision of a simple room with no furniture except mats on which the children may lie for their rest need not be costly; a sympathetic leading of the children in clean habits and social behaviour should not be beyond the power of even an untrained teacher who has never heard the word 'psychology' and regular times for food and rest will be of inestimable value to so many children who suffer from lack of proper rest. A clean and disciplined environment, however simple, will be much better for the children than allowing them to remain dirty and uncared for, often in moral as well as physical danger, forming habits which will probably influence them during the rest of their lives.

Much attention is being given to the "problem" or "difficult" child, much is being spent on higher education, but a great deal of money which is being spent on remedial work in clinics, hospitals, and special schools could be better used in preventative work amongst pre-school children. We deal too much with the full grown plant. Let us pay more attention to the seed-time.

going on all over the world to find out those conditions which help or hinder the growth of mind, body and personality during the early, impressionable years.

The Nursery School, though still in its experimental stage, is the only place where an attempt is being made to provide those conditions which have been found to be necessary for all-growth. In the Nursery Schools already founded in progressive areas children are given sound physical care by the provision of food, sleep, opportunities for vigorous play in the open air, and facilities for washing. Their intellectual growth is stimulated by listening to stories, rhymes, and music, and by working with sense-training apparatus. At the same time by the contact with other children and with the guidance of the teacher they are forming correct social attitudes.

Unfortunately this work is reaching very few children. Young children cannot travel great distances, so such a school can only serve the children in its immediate neighbourhood. This makes it comparatively costly to run. In England an attempt to solve this problem is to attach a Nursery School in connection with the Primary Department of each State School. If we advocate the adoption of such a scheme in Hyderabad we pre-suppose the existence of a sufficient number of suitable Primary Schools, and a large number of people suitable for Nursery School work, and the knowledge that this is far from being true tempts us to abandon the scheme of caring for the pre-school child as impossible. But to all who really care for the future of the nation, to all who really love children, and especially to all teachers, the apparent hopelessness of the situation should be a challenge. Let us recognise that much of value can be done in a simple way if we organise our resources. We may not have a supply of trained Nursery School teachers who have studied child psychology, or well-equipped buildings with shady compounds attached, or large government grants to spend on food or furniture. But we know that we have people about us whose

and those who are awake in their efforts to be quiet, learn the beginnings of thoughtfulness for others which makes for so much happiness in later life. When all are awake the Teacher can tell a story or teach a new song. Encourage the child to learn something that he can take home and share with his parents.

When a day that has been crowded with interest comes to a close, the child changes into his own clothes and goes home happy and content.

This is just a brief survey of the main items that go to make a day in a Nursery School. There are many others that can be added. I would again remind you that the chief purpose of the Nursery School is to lay right foundations for health, and character and to give the child opportunity to develop and so live the complete life that God ordained for us all.

* The Pre-School Child

BY

Miss M. A. Frost, B. A.,

Ag. Head-Mistress, St. George Girls' School.

It is now recognised that the foundations of physical, mental and moral health are laid during the very early years of child-hood, certainly before the age at which most children enter primary schools, and failure to understand the importance of this period of a child's life may lead to serious and regrettable consequences. It is during this period of rapid physical and mental growth that the child acquires his attitude to life in general, and that the main lines of his character are formed, but it is only recently that a definite system of education has been evolved for the pre-school child. During the last few years a great deal of research has been

* Summary of a talk given at the Women's Sectional Meeting.

and from the beginning the child should not be denied this spiritual satisfaction.

Exercises.—Following this comes a period of exercises, then games, vigorous running ones that bring into play all parts of the body. These are directed by the Teacher and should be in the open, whenever possible.

Quiet Indoor Games Based on number and writing.—After organised games a quiet period should follow, writing or a game on number. If through games and apparatus numbers 1-10 are thoroughly learnt during these years, much of the haziness that surrounds Arithmetic in later years in our schools at present will probably disappear. Remember, this should be done by games, never taught as a lesson. Give chalk to the smallest child and provide slates as large as possible.

Free Play.—Then plan a time for free play when each child does exactly as he likes and for this period plenty of suitable toys should be provided. This is not a period when the teacher can relax, for it is during this time that children are most revealing and the Teachers can observe tendencies, some that need encouraging, others that may need to be checked. These should be noted in the Record Book of each child that is kept by the Teacher.

Rest.—Sleep is important though a child does not recognise this and will go on playing often until he is too tired to sleep. Then usually he is "difficult". So in the midst of the day's activities plan a period of rest. It is surprising how quickly the child acquires this habit. Mats and covers will be required in the school's equipment list. Let the children put these out and fold and put them away after use.

Quiet Occupation.—After the rest period plan some quiet occupation such as stringing beads, looking at books and provide plenty of these, at least one for each child. This ensures that those who waken early will not disturb the others

usually appalling, so do not get discouraged. Cross, dirty, badly trained and untrained children do not settle easily and all at once into the larger life of the school community, but even the most obstinate can be won eventually under the guidance of a firm and wise teacher.

Suggested Time-Table.—The underlying principles of all Nursery schools are the same, but the programme will differ according to the locality in which your school is placed. I am speaking now of schools amongst the poorer classes where facilities for bathing are practically nil. The day's programme begins with bathing. One of the principles underlying all the school activities is to help the child to do and discover things for himself, and here you can begin even with the smallest child. Give him the soap and let him do some of the rubbing—it will take you longer, but remember you are helping the child to discover the joy of doing and not merely bathing him. The bath over, a clean garment should be put on. If the parents can provide this well and good, if not, have some simple well made school clothes ready. Teach the child to fold his own garment and place it in his own bag ready for when he goes home. Provide combs for each child, and by some distinguishing mark let him keep his own. Let him experience the joy of possession. This applies to his towel also.

Latrine.—Another important duty is to train in personal control and cleanliness, and at regular times the children should be sent to the latrine. As the general happiness of the school depends upon the right functioning of the body the Teacher will watch that suitable arrangements for the small child are made and that he is trained in regular clock-work habits.

Assembly.—When the child is clean and comfortable he is ready for School Assembly. Through this reverance and the right fear of God is inculcated. Worship plays an integral part in the life of us all whatever community we belong to

France. Here in India, Madras was the pioneer in this branch of Education and the first Training centre for Nursery school Teachers has recently been opened there. A number of these schools have been established in Mysore. A great deal has been writtern on the need for Nursery schools. There is no need to deal with this at length now, except to say that it is becoming more and more widely recognised by those engaged in educational work that these schools are of vital importance in laying the right foundations of health and character and later school life.

Teachers.—For these schools the importance of the right type of teacher cannot be over emphasised. She will need vision to see the possibilities that lie dormant in even the most difficult child and infinite patience in awakening these latent powers into life by means of the school's activities. Powers of observation, a quiet manner, yet firm in demanding strict obedience, these are some of the qualifications necessary.

The School Building.—There is no necessity to wait until we can get an ideal building before starting a school, although our efforts to obtain this should never relax. Two of the greatest needs of the child are *Light* and *Air* and neither of these are taxed. So wherever possible hold your classes out of doors. If shady trees are not available then get some extra windows knocked into your existing building, have it whitewashed and kept scrupulously clean. It is easy to make any room look cheerful with brightly coloured charts. Remember all children love colour. It is tremendously important that the atmosphere of the school should be happy. Make your school a place that the children love coming to. Whatever they do they should thoroughly enjoy and with little ones this is comparatively easy, for once they have come to see that it is much more fun to play happily together, to share toys, to give as well as take, crying and disharmony will vanish. It requires firmness and reasoning until this state is arrived at, but it does come. Then your work is much easier. The first two weeks of a Term in a Nursery school are

This was followed by practical lessons on the various types of games.

We had delegates from Warangal, Gulbarga, Aurangabad and Bidar. We greatly appreciate the effort they made to come. We also appreciate the interest Miss Nundy takes in Women's Education and hope that things will improve with the co-operation of every one concerned and that there will be an awakening of a spirit of service for the cause of Women's Education.

* Nursery Schools

BY

Miss Taylerson

It is not many years since Nursery Schools came into being. For long it was thought that any kind, motherly person would do to look after the very young child. So long as he was kept reasonably quiet and from being a nuisance to anyone, little else was required. It was a woman educationist, Margaret Macmillan, who became a pioneer against the inadequacy of this idea. In her study of children she came to realise the vital importance of the formative period of the first years of a child's life and that it is during this time that the foundations are laid upon which the future is built. If the powers that are latent in all children, even the most unpromising, are given opportunities to develop and are rightly guided, later on there need not be the waste of time in correcting habits that wrong treatment produces and the children will have greater chances of developing into strong, helpful citizens of whom a country can be rightly proud. Before the advent of Nursery schools there were Orches, Baby Welfare Centres and Clinics. These have done and are doing good work, but it should be remembered that Nursery Schools are quite distinct from these. It was not until 1918 that Nursery schools were placed on the Statute Book in England as part of the Educational System. They are widely recognised in

* Summary of a talk given at the Women's Sectional Meeting.

should have a hostel attached to it and that the Government should provide buildings and furniture. The recurring expenses should be met by the teachers and the high school students, if any. Miss Kirkpatrick suggested chummeries, which will mean a saving both to the teachers and the Department. It was very strongly felt that the difficulties the Department experiences in inducing suitably qualified women teachers to work in the Districts would be greatly reduced if some practical solution could be arrived at to house them in a cheap, convenient and safe manner.

The third topic "The Pre-school Child and Nursery Schools" was opened by Miss Kirkpatrick. Miss Frost gave very good practical suggestions for a Nursery School. She suggested a simple room with no furniture except mats and said that 'a sympathetic leading of the children in clean habits and social behaviour by even an untrained teacher will be much better for them than allowing them to remain dirty and uncared for, often in moral as well as physical danger.'

In the group meeting and model lessons we had a practical demonstration on the Nursery School System with children, apparatus, and pictures to create the right atmosphere. This was conducted by Miss Taylerson who is running a Nursery School on very inexpensive lines. We hope that all the small one and two-teacher aided school teachers have been inspired by her helpful suggestions.

The needlework curriculum for primary school was explained and demonstrated by Miss Jaffar and there was a discussion about suitable and unsuitable materials, stiches etc. A criticism lesson was given by one of the students of the Central Training School and a model lesson in Telugu by a student of the Wesleyan Normal School. The latter was very interesting.

Then there was a general meeting out of doors. Miss Shaw gave a short talk on the need for the knowledge of suitable games and on how to adapt them to local conditions.

PROCEEDINGS OF THE SECTIONAL MEETING ON WOMEN'S EDUCATION.

BY

Mrs. T. Akram, B. A., B. T.,

Head-Mistress, Central Training School for Women and Secretary, Women's Education Sub-Committee.

The Women's Sectional Meeting was held at the Hussaini Mohalla Middle School yesterday from 2 to 5 p. m. With the permission of the authorities concerned we adapted the programme of our meeting to the different types of teachers present amongst us. It consisted of a general session, group meetings and model lessons, and again a general meeting.

In the General Session there were discussions on the following subjects previously approved of by the Committee:—

Discussions on "The Lack of Efficiency in Girls' Schools", "The Need of Hostels in the Districts", and "The Pre-school Child and Nursery Schools" were opened by Mrs. Jabbar, Noorunissa Begum Sahiba and Miss Kirkpatrick, respectively.

Mrs. Jabbar gave various reasons for the lack of efficiency in the education of girls and the point which raised the greatest interest was the question of mutual co-operation between parents and school authorities. The Districts seem to have better co-operation in this respect than Balda, and the reasons for this aroused a good deal of interest.

The Districts took up the subject of "The Need of Hostels in the Districts" with great enthusiasm. The heads of schools in the Districts find it very difficult to induce teachers to stay in the Districts. A teacher who is transferred from Balda to a District takes long leave and refuses to return there because she cannot make arrangements to live comfortably. Noorunissa Begum Sahiba suggested that each high school

In the early nineteenth century considerable efforts were made to increase the facilities for education among all classes. First of all, efforts were voluntary and charitable, undertaken largely for religious or sectarian motives. Later on the State began to take a more active part and after the Compulsory Education Act of 1870 the main burden was borne by the Local Governments, that is, by the Country and Municipal authorities.

This system has developed very rapidly and today the Elementary and Secondary Schools are inferior to none both in their staffing and equipment. Nevertheless, while the present structure of society continues, there is no likelihood of these schools replacing the public schools.

* The English School System

BY

F. A. Harding, M. A., (Oxon.)

Professor of English, Osmania University.

England has no real school system in the sense in which one exists, for instance, in France. Education has been influenced in England by the same process of development as has affected all our institutions. Hence we find frequent anomalies and even absurdities. Nevertheless the system works and has proved one of the most successful the world has known.

The details of the English system are fairly simple. There are, in effect, two kinds of education available—the preparatory Schools and Public Schools, leading to Oxford and Cambridge; the Elementary Schools and Secondary Schools, leading to the Provincial Universities. The former section exists without State aid and depends on fees and endowments; the latter is almost exclusively financed by the State, mainly through the local authorities. Very little money is provided by the Central Government for education.

The history of the Public Schools is interesting. Originally every one of the ancient Public Schools was intended to give a free education to poor and deserving boys. In the case of Eton, for instance, Henry VI founded it as a school for a fixed number of 'poor scholars' and to this day the King's Scholars of Eton may come from any class of society. Gradually, however, the original intention of the pious founders of these schools was lost sight of and, as the value of the endowments increased with time, they tended to cater more and more exclusively for the wealthier sections of the community.

---

* **Summary of a speech delivered at the 2nd Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association.**

English in our schools. The tendency throughout has been to entrust English to any member of the staff irrespective of his training and qualifications. Now this attitude in regard to the teachers of English has done immeasurable harm in keeping down the standard of English at a very low ebb in our schools. All our efforts to improve the standard of English by introducing suitable text-books, reasonable examination syllabuses, efficient methods of teaching etc., will be of little avail if the most important factor, viz. the teacher himself, is ignored. If we could decide as to the qualifications desired in a teacher of English and then select only such people as come up to the requisite standard, the rest will be easy. The English teacher in addition to possessing a good command of the language, must have an inherent love of and affinity for good literature. His reading should be wide and varied so that he may handle the subject with full confidence. Next comes the consideration of what we may call his tools, the instruments by means of which he gives shape to his material for presentation. Chief among these tools is his voice. A naturally clear loud voice is of inestimable value to the teacher. Natural defects, however, may to a certain extent be cured by careful training, and there is no voice which cannot be strengthened and improved by this process. Elocution lessons should form part of the training of every English teacher. He should cultivate the arts of recitation and reading aloud to the very highest possible degree, for nothing else can serve him in his teaching as they can. The teacher should practise graphic description and vivid narration, and should attend very carefully to the modulation of his voice. In addition to this, it is necessary that his pronunciation should be good; in this matter he must serve as a model to his pupils, as no amount of precept will counteract the influence of a bad example. Such in brief is the type of teacher who could be relied upon to teach English efficiently; the standard of English, which has deteriorated, would automatically rise, even though other factors, necessary to raise the standard, remain unchanged.

and unless steps are taken to put a stop to this prevailing confusion, the standard of English in our schools is bound to suffer.

We now come to the question of *grammar*, a subject which has been sadly neglected during all these years with the consequence that the standard of correct English has fallen deplorably. In most school time tables grammar finds no place, and where it is included it is treated in a haphazard way. The plea that is usually put forward is that it is unnecessary to teach grammar as correct speech is acquired irrespective of the fact whether or not a boy knows grammar. Now this may be true in the case of a boy whose mother tongue is English, but even in his case it is now recognized that a knowledge of grammar is essential, not so much to enable him to speak English correctly as to understand it. The reaction in favour of grammar has definitely set in, and the subject is given sufficient prominence in the school time-table. If grammar has been reinstated in schools in England it is all the more necessary that it should be revived in our schools where English is taught as a foreign language. But in reinstating grammar in the school curriculum a word of caution is necessary. We should be careful to avoid the mistakes of the past which had made grammar teaching a bugbear to the students. It must be recognized in the first place that most of the objections brought against the teaching of grammar are remedial, for they are due not to the inherent limitations of grammar as a school subject, but rather to poorly organized courses of study and faulty methods of teaching. We must look, therefore, to a liberal reduction in the requirements of courses in formal grammar, and to the introduction of methods of teaching which emphasize the function rather than the form. Then and only then will grammar come into its own and the standard of correct English in our schools will rise.

Last but by no means least is the teacher himself It is recognized by all that there is a paucity of really efficient teachers who could be safely entrusted with the teaching of

words and phrases without any reference to grammatical construction and peculiarities of the language, an understanding of which is an essential factor if translation method is to bear any fruit.

Secondly, there is the group of teachers who being imbued with the latest fads of methodology cling to the Direct method without taking into consideration its limitations. The theoretical arguments in favour of the Direct method are so convincing that it is difficult to resist the temptation of using it wholesale. But it is more in practice than in theory that the weakness of the method becomes apparent, especially when it is employed by a teacher whose command of the English language is not all what it should be. It is in the hands of such teachers that the Direct method becomes a source of weakness rather than of strength. It cannot, however, be denied that the Direct method is a potent means of teaching a foreign language in the hands of a really efficient teacher. But with teachers of the type we have included in the second category, with a few exceptions, the Direct method has not been the success that one would wish it to be. It is with such teachers that an idea has gained ground that the use of the Direct method precludes translation altogether, and that even an occasional use of it ought not to be countenanced. This notion has been responsible for creating undue difficulties for the students in their process of understanding and assimilating English to the fullest possible extent. It must be admitted that there occur innumerable occasions when a resort to translation is by far the wisest course for a teacher to adopt, if he wishes his teaching to produce good results without much loss of time and energy, which a too slavish use of the Direct method usually involves. Translation, it must be recognized, has a definite place in the Direct method, and a judicious use of it must always be made. In short, the teaching in our schools has been affected not a little by this confusion in the use of the two methods. The extremists on both sides are responsible for lowering the standard,

a student is not justifiable when we know that he has read English only for 1600 hours during his whole school career, while the rest of the instruction he received through the medium of Urdu. What seems to be the first requisite in improving the poor standard of English in our schools is to recognize frankly the fact that we have allotted to English a place of secondary importance, and then to revise our attitude in regard to it in such a manner that the expected standard in Engish might be in harmony with the status we have assigned to it in our educational system. To fix and determine a new standard for English is certainly not an easy matter in view of the conflicting views which many people hold in regard to its value. The whole subject requires to be examined carefully by experts, and it will be then and only then that we might be in a position to arrive at some satisfactory solution of this problem.

The second cause which has contributed to the lowering of the standard in our schools is to be found in the confusion which is prevalent in regard to the use of the Direct and the Translation methods. I do not propose to enter into arguments for and against the two methods which are too well known to be repeated here. But there is one thing to which I should particularly like to draw your attention. English teachers in our schools can be divided into two groups. There is first the very large body of tachers, who, though they are expected to use the Direct method, actually use the Translation method when teaching English. They do so not because they think the Translation method to be the best method but because it serves as an easy way out of the responsibility, if I may say so, which they have been called upon to shoulder for no fault of theirs. Neither by their training nor by their qualifications are they fit to be entrusted with the teaching of an important subject like English. Besides, their use of the Translation method is anything but satisfactory, involving as it does the barest explanation of

I propose, therefore, to place before you very briefly what I consider to be at the root of this poor standard of attainment in English. As a teacher of English for well over a decade, it appears to me that there are four basic causes which are responsible for this unsatisfactory position in regard to the teaching of English in our schools today.

The founding of Osmania University relegated English to a place of secondary importance, while the standard of English expected of our students has remained, I think, exactly at the point where it was when English was the medium of instruction. This standard of attainment in English is clearly incompatible with the position which English occupies in our scheme of education today. When English was the medium of instruction, a student during the six hours that he remained in the school was saturated, as it were, with English, as he had to read everything through its medium alone, and this naturally accounted for a comparatively satisfactory standard, as is the case even now of the students who take up the High School Leaving Certificate course. The use of Urdu as the medium of instruction, while it has profoundly affected our ideals and conception of education, has not, I think, brought about a proportionate change in the value we place on English. It must be admitted that the present high standard in English, which is a heritage of the past when English was the medium of instruction, is not in accord with the status which that language occupies today. As matters stand, we give to English on an average about nine periods a week, each period being of forty minutes' duration. Calculating on this basis, we find that a student during the eight years that he reads English at school, *i. e.* up to the time he qualifies himself for the Matriculation, spends 2400 periods, or 1600 hours in all. This gives us 300 periods or 200 hours per year in which a student keeps himself occupied in learning English at school. How much more insignificant would the period appear if we converted these hours into days! Now to expect a fairly high standard from

The Teaching of English in Schools

BY

Salim Bin Sayeed, B. A. Hons., M. Ed. (Leeds)

Since the inception of Osmania University, the problem of the teaching of English has assumed a peculiar importance to us, and all the efforts made during the past years to improve the existing standard in our schools, have not been productive of very encouraging results. From all quarters the cry is heard that all is not well with the teaching of English in our schools today, this in spite of the fact that as many periods as are given to the teaching of the mother tongue, and in some cases even more, are allotted to the subject of English in the school time table. Besides, it is a matter of serious concern when we realise the tremendous amount of energy which our students spend in learning English, a fact which ought to be familiar to every teacher who knows how difficult it is for the majority of our students to acquire a working knowledge of English even after studying it for a number of years. Out of ten or twelve subjects which a student has usually to read in the school, English is probably the only subject which is a serious handicap to him, and it must be said to his credit that despite the great drawbacks under which he learns English at school, he yet manages to plod through the course prescribed for him. But unfortunately he discovers at the end that his knowledge of English is anything but commensurate with the time and energy he spent over it. A glance at the Matriculation results of any year ought to convince even the most sceptical of us that in a large measure English is solely responsible for the so-called slaughter at the Matriculation examination. Such a state of affairs calls for careful consideration, and it is a happy augury that the subject has been taken up with all seriousness in a representative gathering of English teachers like this.

---

1. A paper read at the meeting of the Secondary Education Sectional meeting held on the 4th February, 1939.

would accept as its leaders young men who are without discipline, mature experience and ripe knowledge. Idleness and indiscipline are for young men the most fatal of all weaknesses.

I would like to say that we are very anxious for the future of our misguided students who have left us. The door is always open to them and they will be received with open arms. They were misled and misguided by interested persons, and we are anxious for their future career and fear that it will be spoiled. I once again say that the past will be forgotten and they will be received with open arms. It is for them to decide.

Conclusion.—In conclusion I wish to thank the organizers of this Conference for having done me the honour of asking me to preside over its deliberations. The Conference has sprung from a seed sown by my very dear and lamented friend the late Sir Syed Ross Masood, Nawab Masood Jung Bahadur, who was one of our distinguished Directors, and was loved and respected by all who came in contact with him. The sapling planted by him has now attained the dimensions of a great tree with ramifications in all the districts of these Dominions. Its present flourishing condition is due to the untiring labours of the present Director and of Mr. Syed Ali Akbar, who have helped in tending the tree. The Conference has done good work in the past in bringing together teachers and arousing in them a keen interest in their profession which is the noblest any man or woman can pursue.

I am deeply touched by the kind sentiments expressed about me by Mr. Sajjad Mirza in his Welcome Address, and I congratulate him and the other members of the Reception Committee on the success of the present session. I also greatly appreciate the efforts of Miss Jessie Nundy in forming successfully her Association of Women Teachers.

The authorities of the Singareni Collieries and other industrial concerns have been consulted by the Department with regard to the number of trained men and the nature of the training required. The joint deliberations of all these conferences and committees have been most valuable . Some of the schemes formulated by the new Department of Technical and Vocational Education as a result of these consultations have already been sanctioned by Government and others are under consideration. The existing institutions under the Department, including the Osmania Technical College, are being reorganised and some new courses of training are being introduced in the Aurangabad Industrial School and the Osmania Technical College. A recurring grant of Rs. 1,72,000/- has been provided to carry out the programme of organisation and development, referred to above, and rules and regulations for the working of the Department are being made. It would be worth while trying the apprentice system in this State whereby efficiently trained young men are apprenticed to the different trades and industries, as also the system of making the industries pay, in part at least, the cost of Technical Education by which they secure qualified recruits.

Discipline.—Before concluding, I would like to say a word on the subject of discipline. The absence of discipline in educational institutions all over India is a grave symptom of a disease which threatens to paralyse our people. I advisedly call it a "disease" because in no healthful and vigorous nation does the absence of discipline find any place. Nor can any lofty goal be attained or high ambitions realised without it. History tells us that no undisciplined nation has ever achieved anything great. In modern times both Germany and Russia, who stand at the opposite ends of the political scale, have attained their present greatness and power through the imposition of a stern discipline on their people. Remember that if young men possess the ambition to serve their country, they can only qualify for this high destiny by hard work coupled with stern, self-imposed discipline. For no people

Secondary Education.—The Board of Secondary Education after considering what steps should be taken to bring about a transition from the present system of education to the new system sanctioned by the Government, has recommended a five-year plan for accomplishing this object. According to it, the new Classes V. VI. and VII. should be opened during the current year; the new Class VIII. next year, and so on, until Class XI. is opened in 1352 Fasli. This is necessary as such transition must needs be gradual. I would like however to discuss the suggested syllabuses, which are of the utmost importance, with the Secretary and the President of the Board before they are introduced. Our policy should be to encourage the local vernaculars in the secondary stages.

Technical and Vocational Education.—Last year an experienced technical expert, Mr. Abbott, who was His Majesty's Chief Inspector of Technical Schools for forty years, was invited to Hyderabad. He toured in the State, studied local conditions and submitted his report. A Conference of the representatives of the Textile Industry in the State was held by the Department of Technical and Vocational Education to consider the organisation of technical education for the supply of the requisite number of trained men to this industry. This conference was also attended by Mr. Abbott. The State Advisory Council for Technical and Vocational Education and its Sub-committees held meetings to consider the general problem of technical education in the State. It may be stated that several Departments of Government and business and industrial concerns are represented on the State Advisory Council for Technical and Vocational Education. Recently, a delegation consisting of representatives of the Departments of Technical and Vocational Education, Commerce and Industry, the Osmania University's Chemistry Department and certain commercial interests visited the Mysore State in order to study industrial development and Vocational Education in that State. Practically the same delegation has visited the Technological Institute and industrial concerns at Cawnpore.

"The first exercise for the child is that of pairing the colours; that is, he selects from a mixed heap of colours the two tablets which are alike, and lays them out, one beside the other. The teacher naturally does not offer the child all the one hundred and twenty-eight tablets in a heap, but chooses only a few of the brighter colours, for example, red, blue and yellow, and prepares and mixes up three or four pairs. Then, taking one tablet—perhaps the red one—she indicates to the child that he is to choose its counterpart from the heap." * * * *"

Note the word "exercise". The moment an "occupation" becomes an "exercise" and a very trying one at that for a small child, since no less than 128 tablets are involved in the case quoted, the pleasure of it diminishes, or shall I say disappears? There is a suggestion of strain and of formal exercise. I know of a case where in another "exercise" of Montessori's in which a child was supposed to develop her sense of touch blind-folded, one could see the tears of the child trickling down from under the bandage over her eyes. Now all this is foreign to the spirit of Froebel and his "Children's garden" where all is laughter and happiness and there are no ordeals to be gone through of the kind imposed by Madame Montessori. Moreover, although the Montessori material is good, yet it is too expensive for the average Indian school, and the system is so rigid as not to leave any choice to the teacher to vary it. Nevertheless, there is much that is good in Madame Montessori's teaching, and some items of her practice are well worth adopting which are quite consistent with our theory. In fact the most approved Kindergarten practice in Germany and other advanced countries is to work on Froebel's lines whilst adopting some item from Madame Montessori's practice. Exactly what and how much should be adopted would form an interesting topic of discussion for teachers who are interested in the subject in a sectional meeting at some future session of this Conference. I cannot help quoting Froebel's beautiful words:

"Let us learn from our children, let us give heed to the gentle admonitions of their life, to the silent demands of their minds."

"Let us live with our children: then will the life of our children bring us peace and joy, then shall we begin to grow wise, to be wise."

there is any strain or compulsion for the child, or *formal* and irksome discipline is imposed on it, or *the child is for any other reason unhappy*, it loses its receptiveness and the very objective of the Kindergarten is defeated. The hours should be short; there should be no fatigue; the children should have rest and even nourishment; the occupations should be instructive and the games spontaneous and merry and of a social kind. Habits of neatness, tidiness and punctuality should be formed by encouragement and example. I think you will agree that in these circumstances the best teacher to deal with children —for the Kindergarten age is from 3 or 4 to 7—is a woman. Nor is every woman necessarily fitted by temperament to be a Kindergartenist. The first and most important qualification in her is that she should be fond of children. If in addition she has made a study of child psychology and read the works of Herbart, Pestalozzi and Froebel, and gone through a course of practical training for 2 years, she should make a successful Kindergarten teacher. I am saying all this just in order to show how inadequate the "Middle trained" male teacher is to whose care it has been the fashion to relegate the infant class.

Before closing the subject, I would like to point out that one of the advantages of Froebel's system lies in the fact that it gives the teacher the latitude to vary his practice. For, so long as the principles of Froebel are kept in view and not lost sight of, the teacher may use his ingenuity in inventing new games and occupations which would keep the children amused and occupied and (quite unconsciously) instructed at the same time. It gives the teacher a living interest in his work and helps to make him resourceful. My impression of Madame Montessori, on the other hand, is that she is not an original thinker but a clever and ingenious teacher who, in devising an elaborate practice of her own, professedly on Froebel's principles, has at times pushed the practice to a point beyond what was contemplated by the great Master. I take a quotation from her at random to illustrate what I mean:

conducted on the correct principles is likely to do far more harm than good to a child. So much misconception exists in this country on the subject that I consider it necesssary to dilate on it a little.

From the moment a child is born it begins to learn through its five senses in Nature's own school. Its intelligence develops from year to year with marvellous rapidity as it absorbs the knowledge of the things that surround it largely by actual contact with them, helped and encouraged in this by the loving care of the mother. Two things are essential to this early development: the first is health and the second happiness. For, provided a child is in good health and you can make it happy, Nature will carry out the rest of the education in this the earlier period of life. But if the child were to be placed in circumstances where it was not happy and contented, it would be in no favourable condition to develop but would tend to wither like a flower that is not watered. When I speak of "knowledge" in this connection, I do not mean the learning of books. The knowledge that a child absorbs, and which it assimilates best under the two conditions I have mentioned—health and happiness—is of material things. It learns the colour, shape and size of objects, and at a later stage, the words that stand for them. It is endowed by Nature with a fund of natural energy which, according to Froebel, and also according to our common experience, is capable of being directed into channels that are useful, thus helping Nature to achieve her own object—development. Hence Froebel's "gifts and occupations" which are based on this principle. Play at this stage is more important than *formal* learning. In fact play *is* learning as it forms the most natural mode of development. It is only at a much later stage that play becomes a recreation from more serious work.

Now, if we are correct in assuming all this, you will admit that the first requisite of a Kindergarten is that the children in it should be *thoroughly happy*. In fact this is the greatest test of the success of a Kindergarten. The moment

The Normal School Course should in future extend over two years, and Normal School training should be made a necessary qualification for all Local Fund Primary teachers as soon as possible. I have elsewhere suggested the organizing of Training Classes in connection with Refresher Courses at the District headquarters. These will, I am sure, prove helpful. I would like to take some opportunity of addressing the teachers in the districts on one of those occasions with regard to the teaching of particular subjects.

Girls' Education.—With regard to the education of girls, it is desirable that a curriculum for the proposed new 5th Primary Class be devised. It should include cooking and domestic science as well as knitting and needlework. The efforts of the Department should continue to be directed towards the finding of suitable mistresses. It should be possible to find highly qualified Hindu mistresses who would be willing to serve in the districts to which they belong.

The policy of appointing one Inspectress to each Division should be pursued until there is an Inspectress in each Divison.

Kindergartens—The whole period of education from Primary Class I up to the B. A. covers 14 years. Out of these the first eleven years will in future constitute the school course instead of only ten. According to this classification, the age of the child who enters Primary Class I should be 6 or 7 years. The classification therefore leaves out of account any education the child may undergo before attaining that age. In other words, the Kindergarten or Infants' Class and the Nursery Class will not form an integral part of the school course. This omission has been made on purpose as in future no class for children under the age of six, by whatever name it may be called, will be allowed to exist, either separately or in connection with the Primary Department of a school, unless it is passed by the departmental experts after inspection as being conducted on approved lines. I attach great importance to this, because I hold that a Kindergarten which is not

Training of Teachers.—I have spoken of the financial implications of the expansion of Primary Education and also of the necessity for checking wastage. Now let me dwell briefly on the question of teachers. Mr. Sajjad Mirza in his Welcome Address has truly said that " the crux of all educa-"tional reform is the proper training of teachers". The paucity of highly trained teachers, and especially of trained women teachers, constitutes one of our greatest difficulties.

To take the Women's Normal Schools first, I noticed in one of them that there was only one class in which training was being given, and that training was imparted by a person who was herself a Primary trained teacher. Now, first of all, it is not enough to have only one class under training and secondly a Primary trained teacher cannot be expected to possess a sufficient grasp of theory and practice of teaching to be able to train others. As these Women's Normal Schools are under Principals who are themselves trained graduates, I have now ordered that they should personally take part in training and not leave it solely to a less qualified person; and secondly, that at least Middle passed women should be trained at these Normal Schools. Such women will be obtainable in greater numbers now that the local vernacular has been admitted as the first language in the case of girls up to the end of the Lower Secondary standard.

Practising Schools must be attached to all Normal Schools whether for men or women. It should be remembered that teaching is three parts practice and one part theory. For the present I think the Normal Schools will have to continue teaching ordinary subjects in addition to giving training, but care should be taken that these subjects do not dominate the curriculum in such a way as to leave too little time for training. The *ultimate* aim should be for Normal Schools to become purely training institutions teaching Educational Psychology and the Theory of Education up to a high standard as well as giving intensive practice in Method.

But it is not solely a question of finding fresh funds. Much money could be saved by a more economic administration of education. The same Report of the Vernacular Education Committee of the Central Advisory Board of Education to which I have referred, says with some justification: "The question of finance, however, should not act as a "deterrent, nor need it be a deterrent provided the lamentable "wastage at present existing in all provinces can be checked. "Calculations show that only about 25 per cent of the children "who are admitted into the lowest class of a primary school "complete the four years' course, when children may be "assumed to have become literate though the figure varies from "province to province. Thus about 75 per cent of the money "now spent on primary education may be regarded as sheer "waste. If this waste could be prevented, the funds at present "available would obviously suffice for a great extension." Things in this State are, I hope, not quite so bad as all this—at least they were not so bad in respect of those Primary schools I was personally able to see. Nevertheless, wastage of the kind described undoubtedly exists and it should be for the District and Divisional Inspectors to detect and stop it wherever it exists. One step in this direction was recently taken by the Director of Public Instruction who ordered several inefficient schools to be closed where there were not sufficient pupils and where waste of time and money was involved. Such wastage will tend to disappear when ultimately Primary Education is made compulsory because "the momentum "given when primary education is universal will compel "attention to the need of efficient administration and make "control more effective on account of the statutory penalties". It will also tend to be reduced with the opening of the new 5th Primary class in which subjects connected with village uplift will be taught, as this will make Primary Education more interesting and attractive than it is now. Proposals for the use of wireless as an aid to education are already on foot and should further lend variety to the interests of the pupils.

a principle accepted and acted upon in most civilized countries. In view of this fact I have always considered that a suitable allocation of resources and division of labour between the Diwani and Local Funds would be for the Local Fund educational cess of 3 pies in the rupee, which yields about Rs. 4 lakhs and 75 thousand per annum, to be devoted solely in future to the construction of Primary School buildings of which there is a crying need, and to their proper equipment, whilst Government might find all other items of expenditure on Primary Education such as the pay of the teachers, etc. This would involve an extra expenditure on Government of about 5 lakhs of rupees per annum but would have the advantage of securing that every village with a minimum population of 1000 inhabitants is supplied with a suitable primary school building in the course of a certain number of years. The standard plans now approved show that in the smaller villages the cost of a Primary School building can be as low as Rs. 800, whilst at the headquarters of districts or tahsils it may go up to Rs. 5000 or so. I hope that it may be possible to exhibit scale models of these buildings, which are very attractive as well as practical, at the next Educational Exhibition.

Aiming for the present at the expansion of Primary Education so as to have one school in every village of at least 1000 inhabitants, it is estimated that the cost in addition to Rs. 5 lakhs already mentioned above would be between 6 and 7 lakhs, *i. e.* the total cost to the State of taking one long stride towards the objective laid down by Mr. Mayhew would be in all between 10 and 12 lakhs of rupees per annum, which is well within the bounds of practical politics.

Please remember that in expressing this opinion, I am not speaking as Finance Member, nor attempting to commit Government to any additional expenditure. The discussion of the question at the present stage is purely academic, but it is interesting nevertheless to gauge its financial implications.

State at a time, and even then it might lead to special taxation. It would be more practical, therefore, for the present to see how far we could advance towards the goal of general Primary Education on a voluntary basis before resorting to compulsion. Mr. Mayhew whose services were borrowed by this State nearly thirty years ago, marked out a programme which, if it had been followed, would have secured that there should be a Primary school in every village with 500 inhabitants. That his programme was not followed was due probably to the tendency of the day to devote more time and money to Secondary than to Primary schools. But it is never too late to mend, and we must see what can be done to make up for lost time and how far our monetary resources will permit us to advance towards our goal.

Now first as to resources: The idea that Primary Education could be made self-supporting may at once be dismissed. Young pupils cannot both earn and learn at the same time. They could do neither of these things effectively if they attempted to do both at one time. Primary education is, and will always remain, a subject of heavy expenditure both for the State and for the Local Funds. But it would be useful to consider how a division of resources and of labour could be arrived at between the two, so that the best and most effective use both of money and of personnel could be made.

The Vernacular Education Committee of the Central Advisory Board of Education with the Government of India made a recommendation by a majority in 1937 to the effect that all powers in the matter of the appointment, dismissal, transfer and punishment of vernacular teachers should be transferred from local bodies to Government officers, or in other words, that Government should exercise executive control over District Board or Local Fund schools. This as a matter of fact has always been done in the Hyderabad State. Since the issue of the Report referred to, the Governments in all the Congress Provinces have also decided that all Primary education should be State controlled, and this indeed is

Presidential Address

DELIVERED BY

The Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, M. A., (Oxon),

Member for Finance and Education,

at the

Second Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association.

One of the greatest problems of the day is that of mass education. In India, until quite recently, this problem has not received the attention that is due to its importance and magnitude. In fact the tendency has been to concentrate on secondary and higher education, whilst primary education which affects the masses has suffered comparative neglect. This assertion could be proved by comparing the figures of expenditure on the different classes of Education. But it is not my intention to trouble you with figures. It is a well known fact that the proportion of literacy, which varies in the different Provinces and States, can nowhere in India be compared with that attained in other civilized countries.

Times, however, have now changed and it is being more and more realized that one of the most sacred duties of any administration is to educate the masses of the people, and that this should be done in a way suited to the requirements, social, economic and educational, of the country.

The difficulties that beset our path in this colossal undertaking are chiefly due to the vast number of the pupils to be educated, the limitation of our financial resources and the paucity of qualified teachers who could impart in Primary schools instruction which is no longer to be confined to the "three R's" but is to embrace at some stage such things as manual training and is to give a bias towards some vocation. The cost of compulsory education would be prohibitive, and any Act passed could only be applied to small portions of the

President of the Association, for the ability and zeal with which he has been directing its activities.

I cannot be too grateful to Mr. Ali Akbar who ungrudgingly gave me help and guidance and devoted himself heart and soul to the work of the Association during the year under report.

I also thank the Members of the Council, the Presidents, Secretaries and Members of Managing Committees of the Constituent Associations and the Presidents, Secretaries and Members of the various Sub-committees for the valuable work which they have done in their various capacities to promote the interests of the Association.

I shall be failing in my duty if I do not express my deep sense of gratitude to the Presidents of the City Associations Messrs. Ahmed Hussain Khan, Sajjad Mirza, S. M. Azam, Gulam Rabbani, and Miss J. Nundy, who readily came forward to organise the Conference and the Exhibition at a time when we were in a difficulty regarding the venue of the Conference. My thanks are also due to the Reception and the Exhibition Committees and especially to the Chairmen, Mr. Sajjad Mirza and Miss Nundy, and the Secretaries Messrs. Gulam Khader and Ziauddin Beg who spared no pains to make the Conference and the Exhibition a success.

I sincerely hope that the various constituent Associations will continue to work with unabated vigour and enthusiasm and help to make The All-Hyderabad Teachers' Association a power for good in the State.

K. B. Aiyer.

---

large in number and of a representative character. Some of them are strikingly original, thereby enhancing the value of the Exhibition.

Statement of Accounts

INCOME.	Rs.	EXPENDITURE	Rs.	A.	P.
Balance brought forward.	135	Stamps ..	4	0	0
Affiliation fees	235	Stationery ..	8	1	0
		Allowances ..	32	0	0
		Printing ..	28	8	0
		Balance c/f ..	297	7	0
Total	370	Total	370	0	0

Mr. Ghiasuddin, Assistant Director of Public Instrucfion, very kindly audited the accounts of the Association and offered some valuable suggestions.

Conclusion.

It is my pleasant duty, first and foremost, to offer, on behalf of the Association, our greatful thanks to Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, the Hon'ble Member for Education who, in spite of the multifarious duties that devolve on him as Education and Finance Member, has very kindly consented to conduct the proceedings of this Conference. The keen interest which he evinces in all activities connected with education is a source of great encouragement to us.

We were also fortunate in having Lady Hydari to open the Educational Exhibition yesterday. She has always been keenly interested in Women's Education and her association with the Education Department has now become even closer in view of the fact that she is the President of the Women's Education Committee. On behalf of the Association I offer my heartfelt thanks to her.

The Association is highly indebted to Mr. Mohamed Husain Jaferi, the Director of Public Instruction and

Teachers' Assocation, Intermediate College, Gulburga.

The Association works under two sections, one controlling school activities and the other leisure-hour activities. It maintains a well-furnished Teachers' Club. Monthlies, Weeklies and Dailies useful to teachers are subscribed for and the Club also provides facilities for recreation by way of indoor and outdoor games.

Teachers' Association, Intermediate College, Warangal.

The Association has 50 members on its roll, inclusive of the teaching staffs of both the College and the High School sections. Eight meetings of the Managing Committee and 42 sectional meetings were held in the course of the year and important subjects were discussed.

The Association maintains a special library with a Reading Room attached to it. A sum of Rs. 500/- was spent on the purchase of Journals and Dailies (43 in number) for the Reading Room. The Recreation Club which provides indoor and outdoor games is very popular.

Individual Members.

There are at present only six individual members and so I appeal to all those of our department who are not connected with any of the Branch Association to enrol themselves as individual members. I am glad to state that very recently Nawab Musahab Jung Bahadur, retired Judge of the High Court, has joined our Association. I hope that other people also interested in Education will follow his example.

All-Hyderabad Educational Exhibition.

An Educational Exhibition has also been organised and it was opened yesterday by Lady Hydari.

It is highly creditable that, in spite of short notice, the Exhibition Committee organised the Exhibition in a befitting manner. Schools belonging to most of the districts have participated in the Exhibition; and the exhibits received are

Women's Association.

This Association was started in Isfandar 1347 Fasli with Miss J. Nundy as President and it has six branches in the City. Many important and interesting topics were discussed at all the centres, and practical lines of action were chalked out and adhered to.

Training College, Balda.

Weekly meetings were held on Sundays and topics connected with school organisation and principles of teaching were discussed. Particular attention was paid to practical work, with a view to impressing on the teachers under training the value of making their own appliances for use in the class-room.

The Government High School, Chaderghat.

The Teachers' Union of this School works under five sections—English, Mathematics, Science, History and Geography and Urdu—each of which carries on its work under a set programme.

The City College.

This Association has only very recently been affiliated.

Teachers' Association, Intermediate College, Aurangabad.

This Association has enrolled the College and the School staffs as members. A Sub-Committee on the teaching of English was formed to enquire into the possibilities of raising the standard of teaching the subject in school and it met several times, discussed methods of teaching, and embodied them in a report. Experiments are also being tried to find out the relative values of the various methods. Under the guidance of the Association, the students of the College have started a Quarterly Magazine called "Nau-Ras" and issue a weekly College Bulletin. The members interest themselves also in Adult Education.

Aurangabad.

This Association has 11 branches—4 District Associations and 7 School Teachers' Unions. The Annual Conference and Exhibition were held in Bahman 1348 Fasli.

The Rules of the Association and its branches were revised. Two instructive and stimulating lectures delivered by Mr. Syed Ali Akbar, Special Inspecting Officer, at the Aurangabad District Conference are worthy of special mention.

Gulburga.

The Association arranged for a special lecture in Aban when Mr. Mohamed Husain Jaferi, the President of our Association, addressed the members and gave them much useful advice. It intends starting a Co-operative Society, a library and a magazine.

Medak.

There was a change in the Presidentship of this Association owing to the transfer of Mr. Ahmed Husain Khan. Mr. Faizuddin is now its President. The Association functioned as usual. The Annual Conference and the Exhibition were held in Bahman at Nalgunda and an interesting programme was gone through.

Warangal.

"The Village Teacher", the quarterly organ of the Association, continued to do useful work. Prizes of Rs. 20 and 15 for the best articles from teachers of the Secondary and Primary Schools, respectively, have been announced.

Staging of dramas by boys, separate elocution competitions for Middle and High School pupils and music competitions for teachers were important side-activities of the Annual Conference, which was held under the Presidentship of Mr. Mohamed Husain Jaferi, the Director of Public Instruction.

tion. You must realise that this is your own journal, and I take this opportunity of appealing to those of you, who can afford to subscribe to "The Hyderabad Teacher", to do so and to all of you to contribute articles, in English and Urdu, based on your day-to-day experience.

Affiliated Associations and their work.

General.—There are now 12 affiliated Associations as against 10 of last year. As a result of the energetic efforts of the President of the Association, the Subah Associations have begun to pulsate with new life. Associations have also been formed in all the Districts and affiliated to the Subah Associations concerned. Every Subah as well as District Association held its own Annual Conference and Educational Exhibition. At these Conferences papers on educational topics were read and discussed, and also demonstration lessons on important subjects were given. School Associations held meetings where teachers exchanged views on various topics monthly connected with school work.

The activities enumerated above were common to all the Associations. A brief account of the special activities of the different constituent Associations is given below :—

1. *Balda Division.*—This Association has 13 branches with nearly 1,000 members. A Sub-Committee on 'New Education' was appointed. An elaborate report was prepared and placed before the Conference and it was duly adopted. The Bureau of Extra-curricular Activities had arranged an interesting programme for the year.

Mr. Faizuddin was the President of the Association till Shehrewar 1347 Fasli and after his transfer to the Medak Division, Mr. Ahmed Husain Khan became the President. Mr. Mohamed Husain Jaferi, Director of Public Instruction, presided over the Annual Conference which was held in Bahman last. *

---

* A review of the proceedings of this Conference appears elsewhere in this Number. Ed.

(3) Secondary Education with Mr. Syed Ali Akbar as Chairman and Mr. K. B. Aiyer as Secretary.

(4) Women's Education with Miss Jessie Nundy as Chairman and Mrs. T. Akram as Secretary.

Each of these Sub-Committees has prepared a report which will be read out and discussed in the Sectional Meetings before it is finally adopted by the Conference.

During the year under report this Association helped and directed a number of Branch Associations to revise their rules so as to bring them into conformity with the principles laid down by the President. Since the last Conference, the Osmania Training College and the City College Teachers' Associations have been affiliated to the All-Hyderabad Teachers' Association. This brings the number of the constituent Associations to 12.

The Hyderabad Teacher is now the organ of our Association. It aims at giving publicity to the activities of the affiliated Associations, besides acquainting the teachers with the latest developments in the field of education. The standard attained by this journal compares favourably with that of any other educational journal in India. The credit for this goes to the Editorial Staff. Mr. Ali Akbar has continued to be the Editor-in-Chief. On the Urdu side Mr. Abdul Noor Siddiqi and Mr. Sayeeduddin Khan are the Honorary Assistant Editors, while on the English side the Editor-in-Chief is assisted by Miss J. Nundy, Mr. Salim Bin Sayeed and Mr. T. A. Lingam. Mr. Mehboob Ali Tahir also served on the Editorial Board until his transfer to the Broadcasting Department. Since the inclusion of Miss J. Nundy on the Editorial Staff, a section of the Journal has been set apart for contributions from ladies, and this part called, 'The Women's Point of View' is now a regular feature of our organ. No educational journal, however, can discharge its responsibilities by the teachers satisfactorily unless it has their support and co-opera-

All-Hyderabad Teachers' Association

General Secretary's
Report for the year 1347 Fasli.

It is barely 18 months since the All-Hyderabad Teachers' Association was started. During this short period it has succeeded in bringing the different Teachers' Associations in the State under one organisation and co-ordinating their activities.

This Conference should have been held at Gulburga in December last. When the arrangements were nearing completion, there was a fear of plague breaking out there, and consequently the venue had to be changed. Owing to shortness of time, arrangements could not be made to hold the conference at any other Subah headquarters. It was therefore decided to accept the joint invitation extended by all the five Associations in the City to hold the Conference here. It is, however, the declared policy of the Association to hold its Conferences at different centres.

During 1347 Fasli Mr. Mehboob Ali Tahir held the office of General Secretary. On his transfer to the Broadcasting Department, I was asked to take charge of this office.

The Executive Committee met twice during the year at the Office of the Director of Public Instruction. Among other things, it elected the President of the Conference and the Chairmen and Secretaries of the various Sub-Committees. It also appointed the Auditor for the year and drew up a tentative programme for the Conference.

The following four Sub-Committees were appointed :—

(1) Adult Education with Mr. Ahmed Husain Khan as Chairman and Mr. Nurul Hasan as Secretary.

(2) Extra-Curricular Activities with Mr. E. Bellingham as Chairman and Mr. Parthasarthy as Secretary.

One may or may not agree to confine oneself to 850 words of Basic English—and I do not think the authors of Basic prohibit the learning or the use of more than 850 words. But one thing is certain: not even the severest critic of Basic has found fault with the method propounded by the Orthological Institute. And I can say without fear of contradiction that this method can be safely and effectively used for the teaching of all languages in our schools.

Our time-honoured State has given a lead to the rest of India in the matter of the medium of instruction and of the reorganisation of secondary education. Let us hope that it will give a lead also in the matter of the scientific teaching of languages.

For the promotion of a better understanding between the various communities inhabiting this country, it is necessary that they should learn each other's languages. This ideal cannot be achieved unless the process of learning another language is made easy. I therefore look forward to the day when our State will formulate Basic vernaculars, and thus pave the way for the evolution of a common script as a symbol of toleration in an enlightened and united India.

in each stage of education—all these factors present difficulties unparalleled in the history of our own or any other country. A cursory glance at any school time-table will prove the truth of my statement. Disproportionate time is given to languages at the cost of such important subjects, as nature Study, General Science, Hand-work, etc., which are all so necessary to the intellectual, moral and material development of every country.

So far, I am not aware of any official, semi-official, or private institution in India which is engaged in the solution of the problem of language teaching in Indian schools, but I feel a little proud to say that a beginning has been made here. For the last few years, some members of the Osmania Training College have been tackling this very complicated problem. To start with, they selected Hindustani, the common language of India. They wished to find out the best method of teaching it, both as mother tongue and as an additional language. In their experiment, they were mainly influenced and guided by the pioneer work done by Thorndike and West, but they soon found themselves in difficulties, too numerous to be enumerated here. To compile a rational list of Hindustani words became as difficult as to climb Mt. Everest. They reached a stage where confidence was giving place to doubt, hope to depression, and despondency to despair. This critical moment in their work coincided with the visit of Mr. Myers to Hyderabad. He proved a veritable Messiah. His exposition of the scientific way to English as devised by the Orthological Institute proved most helpful, illuminating and ingenious. In a flash, it was realised that elimination of words by Panoptic Conjugation was the only way which could lead one out of the Cimmerian darkness.

The more I ponder over the various educational problems confronting us in India, the more I am convinced that there is no country in the world, with the solitary exception of Russia, which needs an Orthological Institute so badly or so urgently as India.

opinion on educational topics and endeavours to maintain a high standard. Moreover, opportunity is taken of the Annual Conferences to arrange for lectures by some distinguished men who are experts in their own line. Apart from some of our own educationists, who are going to address the Conference, I think that we are particularly lucky in having amidst us once again Mr. A. Myers, the able representative of Basic English in India.

I firmly believe that the crux of all educational reforms is the proper training of teachers, and just as a course of training is indispensable for recruits to our profession, refresher courses are necessary for those who have already had their professional education. My first thought was to emphasise some such problem—a problem nearest to my heart—but there is another important problem which, I am convinced, has a greater claim at present on our attention. I mean the problem of the teaching of languages in our schools, especially languages other than the mother tongue. I have purposely avoided the use of the word "foreign", for the language of a sister community can never be foreign and every one knows that we are a bilingual people and peculiar circumstances are forcing us to become tri-lingual. Yet, is it not strange that so far no serious attempt has been made on scientific lines to solve the problem of language-teaching in a country which is supposed to be a Babel of languages?

Even though an illiterate person in our Dominions often speaks two languages and although most of our countrymen have an aptitude for languages, still the problem of language teaching is daily becoming more and more difficult and complicated in our schools. And this is due to more than one important reason: the importance of a western language like English, the incessant demand for some classical language like Arabic or Sanskrit, and for one of the vernaculars other than the mother tongue, the ever-increasing number of subjects in the curriculum, the restrictions about the allotment of time

with this work, soon after taking charge of his office, made a bold attempt to co-ordinate the activities of the several Teachers' Associations which were scattered in different parts of the Dominions, without any common bond of union. As a result of his splendid efforts, The All-Hyderabad Teachers' Association was founded last year. It is now a representative and democratic body, embracing as it does, all, high and low, higher grade officers and lowest grade teachers. It has another characteristic feature. Its members belong to all races, castes and creeds found in the Dominions. It may be claimed, therefore, that it is an ideal non-communal body whose only basis is its profession—the teaching profession. Its chief aims are to give practical advice on, and expression to, theories of education, to promote social intercourse and interchange of ideas among its members and to bring them into touch with eminent educationists, and develop in them a strong professional consciousness for the service of our heterogeneous society.

The old Persian saying نشستند و گفتند و برخاستند " They sat, they talked and they dispersed " can be applied to a plethora of conferences in India, but I am very glad to state that our Annual Conferences have never been open to that charge. No Annual Conference closes its sitting without deciding upon the programme of work for the succeeding year. Its committees work continually but silently throughout the year. Last year, committees were appointed for preparing reports on such important subjects as Adult Education, Extra-Curricular Activities, Women's Education and Secondary Education—all burning questions of the day. These reports have been prepared with due regard to our local conditions and have also taken note of practical difficulties. They will be adopted after full discussion at the sectional meetings.

The All-Hyderabad Teachers' Association maintains a quarterly Anglo-Urdu Magazine—*The Hyderabad Teacher*—. It is ably edited by a group of young and enthusiastic members. The Editorial Board encourages free expression of

The Second Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association

WELCOME ADDRESS

DELIVERED BY

Mr. Sajjad Mirza, M. A. (Cantab), C. T. (London),
Chairman of the Reception Committee.

MR. CHAIRMAN, LADIES AND GENTLEMEN,

I deem it a great privilege and honour to welcome you all to this—the Second Annual Conference of The All-Hyderabad Teachers' Association. We, the members of the All-Hyderabad Teachers' Association, are very fortunate in having you, Sir, as President of this Conference. There are few men so well fitted as you are to guide the deliberations of teachers. Your distinguished father, the late Nawab Imadul Mulk Bahadur, is remembered by every teacher as the father of modern education in H. E. H. The Nizam's Dominions. You have not only inherited his great qualities of head and heart, but added to them profound scholarship coupled with a deep and wide knowledge of the theory and the practice of education. We are very grateful to you for the honour you have done us by kindly acceding to our request.

Although this is the second Annual Conference of The All-Hyderabad Teachers' Association, a teachers' conference is not new to us. Its seed was first sown by one of our most distinguished Directors of Education, the late lamented Nawab Masood Jung Bahadur. During his tenure of office, teachers' conferences grew and flourished in various parts of the Dominions, especially The Hyderabad Teachers' Conference which, under the able guidance of my talented friend, Mr. Syed Ali Akbar, made a name for itself. Mr. S. M. Husain Jaferi, the present Director, who had all along been closely associated



THE HON'BLE NAWAB MAHDI YAR JUNG BAHADUR, M. A. (OXON.),
EDUCATION & FINANCE MEMBER.



CITY COLLEGE, HYDERABAD, DECCAN.

The Hyderabad Teacher

CONTENTS.

The Hyderabad Teacher

EDITORS' NOTICE.

Articles meant for publication in this Journal must be addressed to the *Editor-in-Chief.* They should be either typed or written legibly in ink and signed by the author giving in full his or her address. The *Editorial Staff* does not necessarily share the views expressed in the articles published, but it reserves to itself the right to make such alterations in the articles received as it may deem necessary and proper before publishing them, and also to withhold their publication without assigning reasons. Original articles containing practical suggestions bearing on topics of general or educational interest will be very much appreciated. When an article is not approved, it will be returned to the author provided it is accompanied by a stamped and addressed envelope. When it is approved, a complimentary copy of the issue in which it appears will be sent to the contributor.

MANAGER'S NOTICE.

Subscription Rates.

	For H. E. H. the Nizam's Dominions, including postage.						For British India including postage.					
	Per annum.			Per copy.			Per annum.			Per copy.		
	O. S.			O. S.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.
English & Urdu Sections combined ...	3	0	0	0	12	0	3	0	0	0	12	0
English Section separately ...	2	0	0	0	8	0	2	0	0	0	8	0
Urdu Section separately ...	1	14	0	0	8	0	1	14	0	0	8	0

Members of any of the Teachers' Associations affiliated to The All-Hyderabad Teachers' Association may obtain back numbers of *The Hyderabad Teacher* at concession rates.

Advertisement Rates.

Space.	Whole Year.			Six Months.			Per Issue.		
	B. G.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.
Full page	12	0	0	6	0	0	4	0	0
Half page	6	0	0	3	8	0	2	0	0
Quarter page	3	0	0	1	12	0	1	0	0
Per line	0	10	0	0	8	0	0	6	0

Address:

D. P. I's. OFFICE,

HYDERABAD-DECCAN.

[illegible] meant for [illegible] [illegible]ation in this Journal must be addressed [illegible] [illegible]y should be either typed or written legibly [illegible] author giving in full his or her address. *[illegible]torial Staff* does not necessarily share the views expressed [illegible]e articles published, but it reserves to itself the right to make [illegible] in the articles received as it may deem necessary [illegible] proper before publishing them, and also to withhold their publication without assigning reasons. Original articles containing practical suggestions bearing on topics of general or educational interest will be very much appreciated. When an article is not approved, it will be returned to the author provided it is accompanied by a stamped and addressed envelope. When it is approved, a complimentary copy of the issue in which it appears will be sent to the contributor.

MANAGER'S NOTICE.

Subscription Rates.

	For H. E. H. the Nizam's Dominions, including postage.		For British India including postage.	
	Per annum.	Per copy.	Per annum.	Per copy.
	O. S. Rs. As. Ps.	O. S. Rs. As. Ps.	B. G. Rs. As. Ps.	B. G. Rs. As. Ps.
English & Urdu Sections combined ...	3 0 0	0 12 0	3 0 0	0 12 0
English Section separately ...	2 0 0	0 8 0	2 0 0	0 8 0
Urdu Section separately ...	1 14 0	0 8 0	1 14 0	0 8 0

Members of any of the Teachers' Associations affiliated to The All-Hyderabad Teachers' Association may obtain back numbers of *The Hyderabad Teacher* at [illegible] rates.

Advertisement Rates.

Space.	Whole Year.	Six Months.	*Per Issue.
	B. G. Rs. As. Ps.	B. G. Rs. As. Ps.	B. G. Rs. As. Ps.
[illegible] page ...	12 0 0	6 0 0	4 0 0
[illegible] ...	6 0 0	3 8 0	2 0 0
[illegible] ...	3 0 0	1 12 0	1 0 0
[illegible]	0 10 0	0 [illegible] 0	0 6 0

VOL. XIII No. 3

THE HYDERABAD TEACHER

JANUARY—MARCH 1939

Editorial Staff

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1939.

۱۹۵۳ء

حیدرآباد ٹیچر

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم اے (کنٹب) مدیر مسئول عبدالنور صدیقی بی اے بی ٹی (علیگ)
سعید الدین خاں بی اے ٹی پی ایڈ (عثمانیہ) فخرالحسن بی اے بی ٹی (علیگ)

مقاصد

(۱) طبقۂ اساتذہ کے احساس معلمی کو بیدار کرنا۔
(۲) طبقۂ اساتذہ کے مخصوص انفرادی تجربات معلمی کو شائع کرنا۔
(۳) فن معلمی پر نفسیاتی حیثیت سے نقد و نظر۔
(۴) انجمن اساتذہ کے مفید مقاصد و اغراض کو ملک کے طول و عرض میں مکمل طور پر پھیلانا۔

قواعد

(۱) رسالہ کا نام حیدرآباد ٹیچر ہوگا۔ اور ہر سہ ماہی پر صدر دفتر انجمن اساتذہ بلدہ سے ماہائے شہریور۔ آذر۔ اسفندار۔ خورداد مطابق جولائی۔ اکتوبر۔ جنوری۔ اپریل میں شایع ہو۔
(ب) رسالہ کی سالانہ قیمت بہ تفصیل ذیل ہوگی۔
اندرون و بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی تین روپیہ مع محصول ڈاک سالانہ (سکہ رائجہ)
صرف اردو حصہ (۱ؔ۸) سالانہ قیمت فی پرچہ اردو و انگریزی (۱۲/) صرف اردو (۸/)۔
(ج) رسالہ نصف انگریزی و نصف اردو ہوگا جس میں حسب صوابدید تغیر بھی ہو سکے گا۔
(د) صرف وہی مضامین درج ہو سکیں گے جو تعلیم سے متعلق ہوں۔
(ھ) جملہ مضامین و مراسلت دفتر کے پتہ سے ہونی چاہئے۔
(و) اشتہارات کا نرخ حسب تفصیل اشاعت ہذا رہے گا۔

نرخ اشتہارات حیدرآباد ٹیچر حسب ذیل ہے

مقدار	سال بھر	۶ ماہ	فی اشاعت
پورا صفحہ	عـہ	صہ	ے
نصف صفحہ	صہ	؏	۸۸
ربع صفحہ	؏۸/	۸۸/	۸/
فی سطر	۱۰/	۸/	۶/

اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع ہو کر [illegible] انجمن اساتذہ [illegible] سے شائع ہوا

جلد ۱۳ شمارہ ۴

زیر سرپرستی جناب محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم۔ اے (کنٹب) مدیر مسئول۔

عبد النور صدیقی بی۔ اے۔ بی ٹی (علیگ)

سعید الدین خاں بی۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ (عثمانیہ)

ملا فخر الحسن بی۔ اے۔ بی ٹی (علیگ)

حیدرآباد ٹیچر

بابتہ خورداد لغایت امرداد ۱۳۴۸ف

فہرست مضامین

جلد (۱۳) شمارہ (۴)

کمرۂ جغرافیہ اور اس کا ساز و سامان

از

مسٹر ایم۔ آر۔ سکھاریے۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ڈی (کینٹب) پرنسپل گلگانجی۔
آرٹل ہائی اسکول۔ بلگام۔

فن جغرافیہ کی اہمیت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ جغرافیہ کی تعلیم کے لئے مدارس میں ایک علیحدہ مخصوص کمرہ کا انتظام کیا جائے۔ کمرۂ زیر بحث اپنے متعلقہ لوازمات کے ساتھ فن مذکور کی تعلیم کے لئے اس طرح لیس رہے کہ جو شخص کمرہ میں داخل ہو اس کو معاً یہ محسوس ہونے لگے کہ وہ مکمل جغرافی ماحول میں پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ سطور ذیل میں کمرۂ مذکور کے ضروری فرنیچر اور آلات تعلیمی کو مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(الف) فرنیچر

(۱) چونکہ طلبا کو فن ہذا کی تعلیم کے دوران میں جغرافی اشکال، نقشے، پہاڑ، دریا اور شہروں وغیرہ کے اندراج کے لئے خاکے یا کسی مخصوص ملک یا براعظم کے مختلف جغرافی امور سمجھنے کے لئے بیسیوں چیزیں محض پنسل سے یا رنگین کھینچنی پڑتی ہیں اس لئے طلبا کے لئے بجائے ڈھالو ڈسکوں کے مسطح میز اور کرسیاں دو دو کی قطاروں میں مہیا کی جائیں۔ ظاہر ہے کہ ڈھالو ڈسک ان اغراض کے لئے قطعی ناموزوں اور تکلیف دہ ثابت ہوں گے۔

(۲) استاد کے استعمال کے لئے ایک بڑا تختہ سیاہ مہیا کیا جائے جس پر وہ مختلف تشریحی اشکال کھینچ سکے۔ یا اپنے حسب ضرورت کسی خاص عنوان پر مبسوط نوٹ لکھ سکے۔ نہ صرف یہی بلکہ اس ایک تختہ سیاہ کے ساتھ ہی دوسرا بھی اس طرح چسپیدہ رہے کہ

اس کو نیچے یا اوپر کی طرف چڑھایا یا اتارا جا سکے۔ تاکہ مزید مواد کے لئے جگہ نکالنے کی غرض سے استاد کو پہلا ورق یا سارا مواد میٹ دینا نہ پڑے۔ کیونکہ طلباء کے لئے استاد کی رفتار تحریر کے ساتھ ساتھ سارا مواد بہ عجلت قلمبند کرتے چلا جانا دشوار ہو جاتا ہے۔

(۳) استاد اور طلباء کے استعمال کے لئے ضروری نقشے اور اٹلسوں کی نگہداشت کے لئے ایک الماری مہیا کی جانی چاہئے۔ یا ایک ایسا اسٹانڈ مہیا کیا جائے جس کی دو استادہ چوبیں ہوں۔ اور جو تقریباً ۴ فٹ ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ اور ان ہر دو چوبوں پر خمیدہ اکوڑیاں ایک دوسرے کے متوازی نصب ہوں تاکہ ان پہ لپٹے ہوئے نقشے افقی رکھے جاسکیں۔

(۴) اس کے علاوہ ایک ایسا اسٹانڈ بھی رکھا جانا چاہئے جس پر کھلے ہوئے نقشے جب کہ اُستاد ان کو بوقت تدریس استعمال کرنا چاہے، آویزاں کر سکے۔ اس اسٹانڈ کو "نقشہ نما" کا نام دیا جاسکتا ہے۔

(۵) ایک سفید پردہ یا سفید سطح دیوار بھی ہو جس پر جغرافی تصاویر کسی ظل انداز یا فانوس کے ذریعہ منعکس کی جاسکیں۔ اس کی اہمیت فی زمانا اس لئے زیادہ ہے کہ فانوسی تصویروں کے استعمال سے جغرافیہ کے طالب علموں کو بہت فائدہ پہونچتا ہے۔

(۶) کچھ صندوق نمائش بھی رکھے جائیں۔ جن میں مختلف جغرافی نمونے مثلاً سطح عرض کے طبعی ڈھانچے چوٹیوں گزرگاہوں۔ دہانوں۔ ارضیاتی نمونوں کے قالب۔ نیز ایسی ہی اور اشیاء جو طلباء کی دسترس سے باہر ہوں رکھی جائیں۔

(۷) ایک الماری رکھی جائے۔ جس میں فضائی کام سے متعلق ضروری اشیاء مثلاً آلات پیمائش وغیرہ یا حالات موسمی کے مطالعہ سے متعلقہ آلات مثلاً مقیاس الحرارت اور چارٹس وغیرہ محفوظ رکھے جائیں۔

(۸) ایک الماری اور بھی رکھی جائے جس میں فن جغرافیہ سے متعلق حوالہ کی امدادی کتب بھی ہوں اور نیز جغرافی عنوانات پر علیحدہ مستقل مباحث کا ادب بھی۔

(ب) آلات تعلیمی یا جغرافی مایحتاج

(۱) تدریس جغرافیہ کے لئے سب سے پہلی ضروری چیز مختلف نقشے ہیں۔ (جنھیں اصطلاح عام میں دیواری نقشے کہا جاتا ہے) مختلف براعظموں اور ممالک کے یہ نقشے مساوی الرقبہ ظل کے ہوں۔ نیز یہ نقشے اس نوعیت کے ہوں کہ نصابی ضروریات کو پورا کرسکیں۔ ان میں دنیا کے دو یا زیادہ نقشے ہوں۔ جن میں دنیا کو نصف کروں کی صورت میں بہ شکل سطح ظاہر کیا گیا ہو (جو علی العموم استعمال نہیں کئے جاتے) براعظموں اور ممالک کے مختلف اسباق مثلاً طبعی حال آب و ہوا۔ پیداوار۔ اور دوسرے طبعی عنوانات کے لئے جدا جدا نقشے رکھے جائیں۔ کسی براعظم یا ملک کے ان تمام طبقہ واری مسائل کو ایک ہی نقشے میں مخلوط کر کے پیش کرنا ایک دشوار امر ہے۔ اور اگر ایسا کیا گیا تو ایسے نقشے سے بجز پریشانی اور دردسری کے نہ کسی چیز کے نمایاں طور پر نظر آنے کی توقع ہوسکتی ہے۔ اور نہ تحصیل کا مقصد پورا ہوسکتا ہے۔

(۲) تدریس جغرافیہ کی دوسری اہم ضرورت کرہ ہے۔ جو کسی سہارے سے آویزاں یا لٹکا ہوا ہونا چاہیئے۔ نیز جہاں کہیں ضرورت ہو اس کو فوراً نصب بھی کیا جاسکے۔ یہ کرہ اتنا کافی بڑا ہو کہ دنیا کے مختلف حصص اور براعظموں کا ایک واضح تصور دلاسکے۔ اگر یہ کرہ ۱۸ انچ قطر کا ہو تو ضرورت کو کما حقہٗ پورا کرسکتا ہے۔ یہ بڑا کرہ صرف استاد ہی کے استعمال کے لئے مخصوص ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی ایک دوسرا چھوٹا کرہ بھی رکھا جائے جس کا قطر ۱۲ انچ ہو اور جو آسانی سے منتقل ہوسکتا ہو۔ اس کو کرۂ میز" کا نام دے سکتے ہیں۔ اس کرہ کو استاد یا اس کی اجازت سے طالب علم استعمال کرے گا۔

(۳) جماعت میں بہ وقت تدریس طلباء کے استعمال کے لئے اٹلس کافی تعداد میں مہیا کئے جائیں لیکن مناسب تو یہی ہے کہ طلباء خود اپنے ذاتی اٹلس ہی استعمال کریں۔ البتہ مخصوص اور قیمتی اٹلس جو طلباء فراہم نہیں کرسکتے مدرسہ کی جانب سے طلباء کے فوری

حوالہ جات کی تشریح کے لئے مہیا کئے جانے چاہئیں۔

(۴) بوقت ضرورت طلباء کو دکھلانے کے لئے مختلف ممالک کے جغرافی چارٹس جن میں مختلف عنوانات مثلاً صنعت۔ حیوانات اور نباتاتی زندگی وغیرہ کو واضح کیا گیا ہو۔ مہیا کئے جانے چاہئیں۔

(۵) دلچسپ جغرافی معلومات کی تصاویر بھی رکھی جائیں۔ مثلاً ہندوستان کے چوک و بازار کے مناظر۔ گنے کی کاشت۔ ہندوستان کے میلے اور عید وغیرہ کی تصویریں۔ یہ تصویریں ہمیشہ اس لئے نہ دکھلائی جاتی رہیں۔ کہ ان سے توجہ ہٹ جانے کا خطرہ لگا ہوا رہتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ماہرین اس خصوص میں مختلف الرائے ہیں۔

(٦) معائنہ ارضی و فضائی کے لئے تمام ضروری آلات مہیا رہنے چاہئیں۔ مثلاً معائنہ موسمی کے آلات۔ مقیاس الحرارت۔ ہوائی تپش پیما۔ زمینی تپش پیما (زمین میں نصب شدہ) اور دوسری وہ مختلف چیزیں جو جغرافیہ میں عملی کام کے لئے ضروری ہیں مہیا کی جائیں۔

(۷) احاطہ مدرسہ میں بارانی نتائج کے معائنوں کے لئے ایک مقیاس المطر بھی رکھا جائے۔

(۸) ایک البم رکھا جائے جس میں ایسی تصویریں چسپاں ہوں جو ممالک کے مختلف جغرافی دلچسپ مسائل کی توضیح کرتی ہوں۔ مثلاً روئی جمع کرنے کی تصاویر جب کہ ڈوڈے پک کر کھل چکے ہوں ایسی تصاویر طلباء کے لئے دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ فراہمی معلومات کا ایک کامیاب ذریعہ ہیں۔

(۹) سلائڈس کے لئے ایک عکس انداز بھی مہیا کیا جائے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ وہ سب چیزیں مقرون طور پر واضح ہونگی۔ جن کی توضیح کی استاد ان تھک کوشش کرتا رہتا ہے۔ ان کے ذریعہ دلچسپی پیدا ہوکر انتہائی توجہ قایم رہتی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی حقیقتاً ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اس طریقہ سے کم و بیش مستقل نقوش ہونہاروں کے اثر پذیر قلوب پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔

(۱۰) ان سب سے زیادہ اہم طلبا اور اساتذہ کے استعمال کے لئے جغرافی کتب کا ایک موزوں کتب خانہ ہے۔ یہ کتابیں عام حوالے کے لئے ہوں۔ جن میں ماہران فن نے مخصوص مضامین پر قلم اٹھایا ہو۔ اس کے علاوہ مختلف ممالک کے جغرافیہ پر ضخیم یا مختصر کتب بھی مہیا ہوں۔ یہ کتابیں جغرافیہ کی متنوع معلومات پر حاوی ہوں۔ اور مختلف طبقات و سن کے طلبا کے لئے موزوں ہوں۔ ان میں خشکی و تری کے سفروں کے تذکرے اور سیاحت نامے ہوں۔ نیز جہاں گشت اور سیاحوں کے سوانح حیات ہوں اور مختلف جغرافی دلچسپیوں کے قصوں کی کتابیں بھی ہوں۔ جن کے پڑھنے سے ہونہار طلبا اپنے متلاطم ذوق تجسس کو تشفی بخش طریقہ پر مطمئن کر سکیں اور اس طرح وہ اپنے جغرافی معلومات میں بالواسطہ توفیر کے باعث ہوں۔

(۱۱) سب سے آخری امر یہ کہ ایک علیحدہ کمرہ میں ایک دار المطالعہ بھی قایم کیا جائے۔ جہاں ایسے اخبارات و رسالے فراہم ہوں جن کے صفحات علی الخصوص جغرافی معلومات کی نشر و اشاعت کے لئے مخصوص ہوں۔

الغرض کمرۂ جغرافیہ کے بارے میں یہ ایک سرسری خاکہ ہے۔ جو اساتذہ اور مدارس کے لئے ایک اشاریہ کا کام دے گا۔ البتہ ہم نے جو کچھ اس موقع پر بیان کیا ہے اسے تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے۔

مترجمہ

لیاقت علی خاں
مدرسہ وسطانیہ شاہ علی بنڈہ

(از رسالۂ ایجوکیشنل انڈیا بابتہ ۳۶ء)

ایس-پی-سی-اے اور مدارس

از

(خان صاحب شاپور جی او کرجی رکن تا حیات ایس-پی-سی اے حیدر آباد دکن)

حیدر آباد کی "انجمن انسداد بے رحمی بر جانوران" منجملہ اور امور کے یہ مقصد رکھتی ہے کہ انسان میں جو ساری مخلوق خدا میں اشرف ترین ہے جانوروں پر رحم کرنے کا احساس پیدا کرے۔ بالخصوص ان جانوروں پر جو بے زبان ہونے کے علاوہ انسان کے لئے بہت کار آمد ہیں بعض بوجھ اٹھانے والے جانور جیسے بیل گھوڑے اور اونٹ انسان کے بہت کام آتے ہیں ایک زرعی ملک کے لئے جیسا کہ ہندوستان ہے گائے بیل بہت مفید ہیں۔ اسی طریقہ سے گھوڑے اونٹ اور گدھے انسان کے مختلف کام آتے ہیں یہ ہمارا اہم فرض ہے کہ ان کے دانے چارے اور رہنے سہنے کا احسن طور پر خیال رکھیں۔ ایک انسان اسی وقت انسان ہوسکتا ہے جب کہ اپنے ہم جنسوں اور دوسری بے زبان مخلوق پر مہربان رہے۔ رحمدلی کے وصف کو مدرسہ کے بچوں کے جو مستقبل میں شہری بنیں گے ذہن نشین کرانا چاہئے۔ اگر اساتذہ راست ایس-پی-سی-اے کے کام میں ہاتھ بٹائیں تو انجمن کی اہم خدمت ہوگی۔ وہ یہ خیال نہ کریں کہ رحمدلی کسی ادق اخلاقی اصول جیسے "جان نہ لو" سے سکھائی جاتی ہے بلکہ راست طریقوں سے وہ جانوروں پر رحمدلی کے برتاؤ کے لئے سہولتیں پیدا کر سکتے ہیں۔ پہلے ہم بعض ان افعال کی طرف اشارہ کرینگے جو بچوں سے عموماً سرزد ہوتے ہیں۔

اولاً بعض لڑکے غلیل سے چڑیوں کا شکار کرتے ہیں۔

ثانیاً محض دل لگی کے لئے گدھوں کو ستانے ہیں۔ غریب گدھے جو دھوبی کے اس قدر کام آتے ہیں اور خاموشی سے بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ان کی دموں پر خالی

ٹین کے ڈبے باندھ کر پٹاخے چھوڑتے جاتے ہیں۔ یہ غریب جانور خوف و دہشت کے مارے ادھر اُدھر بھاگا بھاگا پھرتا ہے اور لڑکے اس کی اس کرب و بے چینی سے انتہائی حظ اٹھاتے ہیں۔ یہ کس قدر ظالمانہ دل لگی ہے۔

ثالثاً بعض لڑکے بھونرے پکڑتے ہیں اور دھاگے سے باندھ کر ان کو ہوا میں اُڑاتے ہیں جس سے قدرت کے اس حسین مخلوق کو غیر ضروری تکلیف پہنچتی ہے۔

رابعاً طوطے اور کووں کو پکڑنا بھی عام ہے۔

ان تمام کھیلوں میں ظلم کا عنصر ہے بچوں کو ان کے خلاف ہدایت دینی چاہئے اور انھیں روکنا چاہئے۔

مدرسہ کی درسی کتابوں میں کتے اور گھوڑے جیسے جانوروں کی وفاداری نمایاں کرتے ہوئے بعض قصے لکھے گئے ہیں ہر موقع سے رحمدلی پر عمل پیرا ہونے کے لئے فائدہ اٹھانا چاہئے اسی وجہ سے اساتذہ کو بھی مدرسہ میں بید کا استعمال کرنا چاہئے نہ اور کوئی جسمانی سزا دینی چاہئے "نیو ایجوکیشنل تھیوریز" (New Educational Theories) میں ثابت کردیا گیا ہے کہ انقیاد محبت کی مدد سے قائم کرنا چاہئے نہ کہ ظلم سے۔ وہ دن ہمیشہ کے لئے گئے جب کہ استاد کا ڈنڈا عام طور پر استعمال میں آتا تھا۔ جسمانی سزا اب بجا طور پر غیر ضروری سمجھی جارہی ہے۔ اور متمدن ممالک میں اس کی روک تھام کی جارہی ہے کیونکہ وہ ان کو ظالم بناتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مقامی ایس۔ پی۔ سی۔ اے ریاست کی ہر زبان میں مضامین لکھنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس سال جو مضمون تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے "مجھے جانوروں پر مہربان رہنے کے لئے کیا کرنا چاہئے" مضمون نگار طلبا کو انعامات بھی دئے جاتے ہیں۔ گذشتہ سال جو مضمون دیا گیا تھا وہ یہ تھا "گدھے کا حزنیہ" اساتذہ طلبا کو کبھی کبھی دوا خانہ علاج حیوانات، بنجاپول اور دودھ گھر لے جائیں جہاں وہ براہ راست دیکھ سکتے ہیں کہ جانوروں سے رحمدلی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

اگر وہ جھٹکے کے ٹٹوؤں کے جسم پر زخم دیکھیں تو فوراً اس کا نمبر بلدیہ نوٹ کرلیں اور اپنے مدرسہ کے صدر کو اطلاع دیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ اساتذہ ایس۔پی۔سی۔اے کے کام میں سہولتیں بہم پہونچائیں گے اور اس کے حصول مقصد میں مدد دیں گے جب کبھی انجمن کے خاص فلم دکھائے جائیں یا پبلک لکچر ہوں وہ آئیں اور مستفید ہوں۔ بچوں کو " رحم کا انعام " " پیش کرنے کا خیال بھی توجہ کا مستحق ہے۔

شہری مدارس تحتانیہ کا مقصد تعلیم

از

جناب محمد اکبر صاحب۔ صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ پہاڑی شریف بلدہ

نوٹ:۔ مضمون زیر نظر کے ماخذ۔ حیدرآباد ٹیچر۔ المعلم۔ مدارس ہند میں ابتدائی تعلیم۔ ابتدائی تعلیم کی رام کہانی۔ نفسیات تعلیمی۔ رپورٹ تعلیمی سنہ ۱۹۱۴-۱۵ء

تعین مقصد بچہ کی مخصوص جبلتیں اس بات کی مقتضی ہیں کہ اس کی تربیت عین قدرت کے مطابق ہو۔

اس لئے میں بچے کے میلانات کو ہی مقصد تعلیم قرار دوں گا۔ اگرچہ ذیلی مقاصد اور بھی ہوسکتے ہیں جن کا بہت کچھ اپنے اپنے ملکی ماحول پر منحصر ہے اور وہ صرف ذریعہ تعلیم ہوسکتے ہیں۔

ذریعہ تعلیم کو مقصد تعلیم قرار دینا ایک بڑی غلطی ہوگی۔

حالیہ نظام تعلیم کے مقاصد مروجہ تعلیم سے مدرسہ اور ماحول میں جو ایک زبردست خلیج حائل ہوتا جارہا ہے اُس کے اندفاع اور آیندہ ضروریات

کے متقضا کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمیں اپنے موجودہ مقاصد میں کچھ اضافہ کی ضرورت ہے۔ اگر ہماری کوششیں یہاں ہی ختم ہو جائیں تو ہم کو پھر اسی نا امیدی کا چہرہ دیکھنا پڑے گا کیونکہ بچے ابتدائی معلومات کے ساتھ مدرسہ کو خیرباد کہیں گے اور چند دنوں میں جو کچھ شُدبد ہوئی تھی حرف غلط کی طرح فراموش کردیں گے اور پہلے کی طرح جاہل کے جاہل رہ جائیں گے جیسا کہ آج ہو رہا ہے۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمیں ایسے تعلیمی وسائل تلاش کرنے ہونگے جس کی وجہ عمدہ دماغ رائیگاں نہ جائیں۔ وہ اپنے لکھنے پڑھنے، حساب میں مدرسہ کی مہیا کی ہوئی استعداد کا استعمال مدرسہ چھوڑنے کی حالت میں بھی صحیح طور پر بخوبی کرسکیں۔ زمین کا بوجھ بننے کے بجائے ہر ممکن طور پر ان سے ذاتی سعی کے جوہر نمایاں رہیں۔ اور جو لوگ حقیقی تعلیم کے فائدوں سے نا آشنا ہیں طلبا، مدرسہ کو تعلیم سے کما حقہ مستفید دیکھ کر انہیں اپنے بچوں کو شریک مدرسہ کرانے اور تعلیم سے استفادہ کرنے کی ترغیب ہو۔ اس لئے شدید ضرورت ہے کہ اب بچوں کے قویٰ کی تربیت قانون قدرت کے موافق (خواہ فطری ہو یا وضعی) ایسی ہو کہ وہ آیندہ زندگی میں اپنے قویٰ کا صحیح استعمال ہر قسم کے انسانی مشاغل میں بہ وجہ احسن کرسکیں اور بڑی حد تک مدرسہ اور ماحول میں مطابقت پیدا ہو جائے۔

(۱) ہمارے طلبہ نہ صرف بہتر شہری بلکہ ملک اور قوم کے مفید ارکان بن جائیں۔

(۲) ان میں باہمی تعاون۔ ہمدردی۔ خود اعتمادی بڑھے۔

(۳) ان کا یہ ایقان رہے کہ دنیا میں دیانت دار محنتی آدمی سے بڑھ کر کوئی بڑا اور شریف نہیں۔

(۴) ملک و مالک کے وفادار اور قوم کے سچے بہادر سپاہی رہیں۔

(۵) اپنے ماحول سے نفرت کرنے کے بجائے خلوص اور محبت سے اسی ماحول میں رہ کر اس کے گوناگوں شعبوں کی اصلاح کرسکیں۔

کیا موجودہ نظام تعلیم ان خصوصیات کا حامل نہیں؟ ۔ ہمارا موجودہ نظام بڑی

حد تک اپنے مقصد میں مکتفی ہے۔ البتہ اضافی مقاصد کے حصول کی رہبری کے لئے نظرثانی اور ایسی موزوں ترتیب کی ضرورت ہے کہ ماحول کی عام زندگی سے گہرا ربط ہو جائے۔

یہ میرا اپنا خیال ہے کہ اگر ہمارا طریق تعلیم صحیح رہے تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہمارے مدارس باوجود گوناگوں تعلیمی مشاغل اور زائد الفصاب مصروفیات کے آج تک ان کے برکات سے محروم ہیں۔ جبکہ اسی نظام تعلیم کے بدولت دوسرے ممالک شاہ راہ ترقی پر گامزن ہیں۔

ضرور اس میں کوئی ایسی کمی ہے جس کی تلافی نصاب سے زیادہ طریق تعلیم سے ممکن ہے۔ کیونکہ تعلیم کا مقصد پڑھانا نہیں بلکہ بچوں کو یاد کرنے کا صحیح طریقہ بتلانا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو اپنے دماغ اور اعصاب کے استعمال کا حق حاصل ہو اس پر دوسرے کا تصرف کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا بچے کے دماغ اور اعصاب کا خود استعمال کرنا جسے تصرف بیجا کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا ہماری طریق تعلیم کا نمایاں نقص ہے۔

بچوں کے میکانی رجحان کی تربیت

وہ زمانہ گیا جبکہ تعلیم علم کی خاطر حاصل کی جاتی تھی آج ہر صف تعلیم میں معاشیات کا پہلو نمایاں ہے۔ گویہ مسلمہ ہے کہ طبقۂ تحتانیہ کی حد تک کسی پیشہ کی تعلیم ماہرانہ طور پر ہرگز نہ دی جانی چاہئے۔ مگر یہاں ہر ایسی تعلیم کا مقصد صرف ان کے قویٰ کی ایسی صحیح تربیت ہے کہ وہ ہر قسم کی محنت کو صحیح نقطۂ نظر سے دیکھیں اور اس کے وقار کو سمجھیں۔ تا آنکہ جامعی تعلیم کے باوجود بھی ان کو اس خیال سے مسرت ہو کہ انھوں نے جو کچھ تعلیم پائی ہے اس کی وجہ سے ان کو غیر تعلیم یافتہ لوگوں پر ایک طرح کی فوقیت حاصل ہے۔

سررشتہ تعلیم نے طبقۂ تحتانیہ میں فنی یا زراعتی عملی تعلیم کے ساتھ دستکاری، ڈرائینگ۔ نیچر اسٹڈی۔ باغبانی جیسے مشاغل کی عام تعلیم اسی طرح دئے جانے کی

اجازت بھی دی ہے جس سے بچوں میں پیشوں کی طرف میلان پیدا ہو۔ اس لحاظ سے تو اب ہمیں بچوں کے میکانی رجحان کو پہلے سے زیادہ پالنا پوسنا پڑے گا اور ان کے صحیح مشاہدہ اور تجربہ کی قوتوں کی پرورش بڑی عمر میں نہیں بلکہ ابتداہی سے کرنی ہوگی۔

اس منزل میں اس قسم کی درس وتدریس کے جاری کرنے میں جو دقتیں پیش آتی ہیں وہ صرف فطرت اطفال کے صحیح مطالعہ کی کمی کی بدولت ہیں۔

اب اس کے اجرا میں ہمیں اس بات کا خطرہ ہی نہیں ہونا چاہئے کہ بچے لکھنے پڑھنے اور حساب میں بے بہرہ رہیں گے جو اس طریقہ کا مقصد اعظم ہے۔ ان فطری مظاہر کے مطالعہ میں ان کو مجبوراً پڑھنے لکھنے۔ اور حساب کی کافی مشق ہو جائے گی جن کی انھیں ہر قدم پر شدید ضرورت ہوگی۔

رہا ان مشاغل کا باقاعدہ طور پر جاری ہونا بہت کچھ حالات اور مناسب طریق تعلیم کا محتاج ہے صرف ارادہ شرط ہے عمل کی راہیں خود بخود نکل آئیں گی۔

آج کا بچہ جو کل شہری ہوگا اس کو بھی ہماری طرح زندگی سے کشمکش رہے گی۔ مگر اس کی زندگی ہماری زندگی سے بہت مختلف ہوگی اس وقت اس کا تعلیم یافتہ کہلانا محض حافظے کی تربیت پر موقوف نہ ہوگا۔ بلکہ صحیح معنوں میں تعلیم یافتہ وہی کہلائے گا جو کام کر سکے اور اپنے برتے پر سوچ سکے اور بین الاقوامی حیثیت حاصل کر سکے۔

اسی معیار پر۔ انگلستان۔ فرانس۔ امریکہ۔ جرمنی۔ جدید روس میں تحتانی تعلیم کی بنیادیں استوار کی جارہی ہیں۔ اگرچہ ان ممالک کا ماحول ہمارے ماحول سے بالکل جداگانہ حیثیت کا ہے۔ مگر تحتانی تعلیم کے مقاصد میں زیادہ گہری مغائرت نہیں۔

اس توضیح کے بعد آپ مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ ہم نے ابتدائی تعلیم میں آیندہ کی ضرورتوں کا کوئی لحاظ نہ رکھ کر آنے والی نسلوں کی

زندگیوں کا خون کیا۔

حصول مقاصد کے ذرائع

(۱) تعلیم کے کسی مقبول طریقے کو بچے کے فطری لگاؤ اور سوسائٹی کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر رواج دیا جائے۔

(۲) بچپن کا زمانہ کھیل کود کا زمانہ ہے ان کی تعلیم بطور کھیل کود قصہ۔ کہانی۔ تمثیل کے ذریعہ ہونی چاہیئے۔

(۳) پہلے بچہ ہر چیز کو بہت قریب سے دیکھے۔ دوسرے اس کے بارے میں کتابیں پڑھے اور اس کے دل میں پیدا ہونے والے سوالات کے حل میں استاد مدد کرے۔ چونکہ بچے ہر بات کو بطور خود سمجھنے کے شائق ہوتے ہیں اس لئے ان کے پورے حواس کی قوتوں کو اس طرح مصروف عمل رکھا جائے کہ ان میں صحیح مشاہدہ کرنے کی عادت راسخ ہو جائے۔

(۴) مدرسہ کا ماحول نفاست اور حسن کا نمونہ ہو۔ تاکہ طلبا میں نفاست اور حسن کا مذاق پیدا ہو۔

(۵) مدرسہ میں ان کی عمر کے لحاظ سے ایسے تفریحی سامان مہیا ہوں جو اسی ماحول سے علاقہ رکھنے والے ہوں جس میں مدرسہ واقع ہے۔

(۶) عام صحت اور جسمانی تربیت کی طرف خاص توجہ منعطف کی جائے۔

(۷) مدرسہ میں ایک چھوٹا سا خوبصورت باغ ہو جس میں ایسے پھولوں پھلوں والے درخت لگائے جائیں جہاں بچوں کو زیریں سا صاف ستھری ہوا میں قدرت کے مشاہدہ کا موقع ملے اور مدرسہ ایک کشش کا مرکز بن جائے۔

(۸) جغرافیہ ریاضی۔ نیچر اسٹڈی کے لئے عمدہ عمدہ نمونے تیار کرے تاکہ طلبا میں دلچسپی پیدا ہو۔

(۹) ڈرائینگ دستی مشاغل کے نمونہ جات کی نمائش ہونی چاہیئے تاکہ ہوشیار طلبا کی ہمت افزائی اور دوسروں کی ترغیب کا باعث ہو۔

(۱۰) طلبار اور مدرسین تعطیلات میں تقریباً کسی قریب کے تاریخی مقام یا باغ کھیت یا کارخانہ چلے جائیں۔ اس خصوص میں اتنی احتیاط ضرور پیش خاطر رہے کہ قبل از قبل مقصد تفریح کا تعین کرلیا جائے۔ اور طلبار کو اپنے مشاہدات کا اظہار کا موقع دیا جائے۔

(۱۱) معلومات عام کی تعلیم میں ماحول کی معلومات زیادہ قابل لحاظ رہے مثلاً قدرتی۔ وضعی نظام ملک۔ آب وہوا۔ پیداوار۔ صنعت و حرفت۔ کارخانہ جات۔ درآمد وبرآمد تقاریب وتہوار اور مشاہیر ملک کے خاص حالات۔ قوموں کا تہذیب وتمدن وغیرہ جن سے بچوں میں غور و فکر کے ساتھ ارادہ میں قوت اور عمل میں جان پیدا ہو جائے۔

(۱۲) راہ روی سے متعلق ضروری معلومات عملی طور پر بہم پہونچائی جائے۔ جس کی اہمیت میں دن بہ دن اضافہ ہی کی امید ہے۔

(۱۳) مشاغل تعلیمی میں سے کسی ایک شغل کو مذکورہ مقاصد کا مرکز قرار دیکر اگر نظام الاوقات تعلیم کا علاقہ قایم کرنے میں مدرسین وطلبار کی ہمدردی حاصل رہے تو بہت سی مشکلیں خود بخود آسان ہوجائیں گی۔

(۱۴) اپنی مدد اور اپنی عزت آپ کرنے کے صحیح طریقے نمونہ اور مثال کے ذریعہ سکھائے جائیں۔

(۱۵) لکھنے پڑھنے۔ حساب کی مشق میں اس طرح پختگی پیدا کی جائے کہ طلبار کو عام زندگی میں ان کی ضرورت کا احساس قوی تر ہو جائے۔

غرض ماہرین تعلیم کے اِن آزمودہ طریقہ ہائے تعلیم سے جو بھی موزوں اور مناسب حال معلوم ہو تقریباً عمل کیا جاسکتا ہے آیندہ ہمارا کام خود ہمارا اُستاد بن جائے گا۔
وما توفیقی إلّا باللہ۔

مدارس نسواں میں تعلیم پکوان کی ترویج

از

جناب حسن علی صاحب ناظر مدارس ضلع نلگنڈہ

اغراض و مقاصد مغربی ممالک میں پکوان کا فریضہ طبقہ اناث کے سپرد نہیں لیکن پھر بھی ان ممالک میں طالبات کو مکمل بنانے کے لئے اس فن کی تعلیم ان پر لازم قرار دی گئی ہے برخلاف اس کے مشرقی ممالک میں یہ فریضہ بلکہ طبقہ نسواں سے متعلق ہے اس کے باوجود عام پستی کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت میں بھی بے اعتنائی برتی جارہی ہے جس کی وجہ سے لڑکیوں کو ازدواجی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً وہ کسی تقریب کے موقع پر روزمرہ کھانوں کو بہ کفایت خوش ذائقہ نہ تو خود پکا سکتی ہیں نہ پکوا سکتی ہیں۔ اور نہ ان کے اخراجات کا صحیح موازنہ کرسکتی ہیں جس سے ان کی فضول خرچی اور بدسلیقگی ظاہر ہوتی ہے اور لڑکی شوہر اور اس کے خاندان کی عام ناپسندیدگی کا شکار ہوجاتی ہے۔ اس کے سدباب کے لئے طبقہ اناث کے نصاب میں اس فن کو شریک کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پروگرام چونکہ مدارس تحتانیہ میں اول و دوم کی طالبات نہایت ہی کم عمر ہوتی ہیں ان کو مستثنیٰ کر کے جماعت ہائے سوم و چہارم کے لئے بطور نمونہ پروگرام ترتیب دے کر منسلک کردیا گیا ہے۔ فن دان معلمات بلحاظ فن یا مقامی حالات کے تحت ضروری ترمیم یا تبدیلی بھی کرسکتی ہیں۔ پروگرام متذکرہ میں ہر جماعت کے لئے ہر ماہ تین اقسام کے پکوان یعنی کھانے۔ سالن اور میٹھے مقرر کئے گئے ہیں۔ جماعت سوم کے لئے سستے آسان اور جماعت چہارم کے لئے

نسبتاً قیمتی، لذیذ اور مشکل ہیں۔ ہر ماہ کے دونوں جماعتوں کے مجموعی پکوان جو شریک پروگرام ہیں کسی معمولی تقریب یا روزمرہ استعمال کے لئے قریب قریب مکمل ہیں۔اگر معمولی خرابی ظاہر ہو رہی ہو تو اس کے وجوہ یہ ہیں کہ ہر جماعت کی فیس مقررہ (جس کے متعلق آگے وضاحت کی جائے گی) ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ جن مہینوں میں اسلامی عیدیں یا تقریبیں واقع ہوتی ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ پکوان کی ترتیب مندرجہ پروگرام میں موسموں کی موزونیت اس وجہ سے نظر انداز کی گئی ہے کہ بعض اشیاء کی فراہمی بلحاظ موزونیت موسم گراں پڑتی ہے جس کو موازنہ مقررہ برداشت نہ کر سکے گا۔ دونوں جماعتوں کا مجموعی نصاب اتنا ہے کہ اس کی تکمیل پر لڑکی آئندہ کسی رہنمائی کے بغیر اپنا یہ فریضہ ٹھیک طور پر انجام دے سکے گی۔

فیس اس فن کی نظری تعلیم کے علاوہ عملی تعلیم بھی نہایت ضروری ہے جس کے لئے جماعت سوم میں فی طالبہ ۳ آنہ اور جماعت چہارم میں فی طالبہ ۴ آنہ اور فی معلمہ ۸ آنہ فیس وصول ہو تو ہر جماعت کے چار چار طالبات کے گروپ کر کے ہر ایک گروپ ماہواری تین پکوان یعنی کھانا، سالن و میٹھا عملاً ایک مرتبہ تیار کر سکے گا۔ اور ہر گروپ کی ہر چیز تیار شدہ اس قدر ہوگی کہ پانچ آدمیوں کو کافی ہو سکے اگر طالبات کے ورثا کی معاشی حالت فیس کو المضاعف کرنے کی اجازت دے تو پروگرام ماہواری کے عملی سبق ہر ماہ دو مرتبہ ہو سکیں گے۔ جماعت سوم کے ہر گروپ کے تینوں پکوان پر تقریباً ۱۳ آنے (وصول شدہ از طالبات ۱۲ آنے از فیس معلمات یک آنہ) صرف ہوں گے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۴ آنہ کھانا ۴ آنہ سالن ۵ آنہ میٹھا اور اسی طرح جماعت چہارم کے ہر گروپ پر تقریباً یکروپیہ ۸ آنہ (وصول شدہ از طالبات یکروپیہ از معلمات ۸ آنہ) صرف ہونگے۔ اس جماعت کے ہر ماہ کے تینوں پکوان سے ایک قیمتی اور بقیہ دو سستے مقرر ہیں۔ قیمتی پر ایک روپیہ ایک آنہ صرف کیا جا سکتا ہے بقیہ دو پر ۷ آنہ حسب صوابدید خرچ کئے جا سکتے ہیں۔ مچھلی کا سالن پوریاں وغیرہ جن مہینوں میں اس جماعت کے لئے

مقرر ہیں ان میں یہ بھی قیمتی بہ ظاہر اس وجہ سے معلوم ہو رہے ہیں کہ ان میں بھی گھی کا صرفہ ہوگا اس کے بجائے اس کی تکمیل بہ حدود موازنہ تیل سے بھی ہو سکے گی۔

یہاں پر یہ امر بہت وضاحت طلب ہے کہ اگر فیس ۲ آنہ ۴ آنہ ۸ آنہ متذکرہ وصول ہونے پر طالبات و معلماۃ ایک دفعہ اور المضاعف ہونے پر ہر مہینہ دو مرتبہ کھانا بھی کھا سکیں گی۔ یعنی تحصیل علم کے ساتھ شکم پری بھی ہو جائے گی۔ جس کی وجہ سے فیس کی ادائی دشوار نہ معلوم ہوگی۔ معلمات پر فیس کی ادائی اس وجہ سے بھی لازم کر دی گئی ہے کہ طالبات سے وصول شدہ فیس ناکافی ہوگی۔ اگر کسی جماعت کے کسی عملی سبق کے دن چار چار طالبات کے گروپ بنانے پر ایک دو یا تین طالبات رہ جاتی ہوں تو ان کے لئے مزید گروپ نہ بنایا جائے بلکہ ایسی فاضل تعداد کو دیگر گروپوں پر منقسم کر دیا جائے۔ اس طرح سے ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ فیس کی بچت ہوگی جو ۱۲ آنہ یا ایک روپیہ ۸ آنہ متقررہ اکائی میں حسب ضرورت زیادتی کے لئے کام آسکے گی یا دیگر ضروریات پر صرف کی جا سکتی ہے۔ جو طالبات بالکل نادار ہیں وہ بھی اسی طرح فیس دہندہ گروپوں پر منقسم ہو کر عملی تعلیم حاصل کریں گی۔ لیکن انھیں خور و نوش کی اجازت نہ ملے گی۔ ہر گروپ کا تیار شدہ ایک ایک شخص کا فاضل کھانا معلمات۔ خادمات اور ایسے فیس دہندہ طالبات کے لئے کفایت کر سکے گا جو مکمل گروپ نہ بننے کی وجہ سے دیگر گروپوں پر منقسم ہو چکی ہیں۔

نظام الاوقات مدرسہ مدرسہ کے روزانہ سات پیریڈس ہوں تو جماعت سوم یا چہارم کے جملہ ہفتہ وار (۴۲) پیریڈ ہوں گے۔ جن کی تقسیم اس مضمون کو بھی شامل کرتے ہوئے حسب ذیل مناسب معلوم ہوتی ہے۔

زبان اول ۸ - زبان دوم ۳ - حساب ۵ - دینیات عربی ۶ - ڈرائینگ ۲ ڈرل ۳ - معلومات ۶ - سبق الاشیاء ۲ - دستی مشاغل ۲ - سوزن کاری ۲ - پکوان ۳ (ہر مہینہ دو مرتبہ عملی پکوان کے لحاظ سے یہ تقسیم درست ہوگی) یعنی ہر دو ہفتوں میں پکوان کی نظری و عملی تعلیم کے لئے جملہ چھ پیریڈ ہوں گے جن میں سے پہلے تین پیریڈ میں علی الترتیب کھانے۔ سالن اور میٹھے کی نظری تعلیم ہوگی چوتھے پیریڈ میں نظری اسباق پر طالبات

اشارات اسباق نمونہ منسلکہ کے مطابق تیار کرلیں گی پانچویں پیریڈ میں تینوں پکوان کا عملی سبق ہوگا۔ مقامی بازار کے دن ساتواں پیریڈ اس کے لئے مختص ہوتو زیادہ بہتر ہوگا۔ کیونکہ جماعت ہائے اول و دوم کو ایک پیریڈ قبل برخاست کرکے جملہ معلمات اس عملی کام کی نگرانی کے لئے مقرر ہوسکیں گی۔ اس طرح سے طالبات ڈیڑھ دو گھنٹے صرف کرکے تقریباً ایک یا ڈیڑھ بجے تک تینوں پکوان سے فارغ ہوکر تناول کرسکیں گی۔ چھٹا پیریڈ اسباق گذشتہ پر بلحاظ معیار و پروگرام جماعت حسابی سوالات مصرحہ نمونہ سبق کے مطابق حل کرانے کے لئے مختص رہے گا۔ بعض اوقات تعطیلات عام واقع ہونے سے ان مقررہ پیریڈیں کمی ہوجائے گی۔ اگر ایسی صورت واقع ہورہی ہو تو اس موقع پر پروگرام مقررہ کی تکمیل کے لئے تین پیریڈ نظری تعلیم اور ایک عملی تعلیم کے لئے کافی متصور ہوگا۔ ہرعملی سبق کے موقع پر معززین یا مقامی عہدہ داران کی بیگمات سے کم از کم ایک کو مدعو کرنا ضروری ہے تاکہ پخت و پز سے متعلق حسابات کی جانچ کرکے پبلک کو مدرسہ کے کام پر اطمینان ہوسکے۔

دیگر مضامین سے ارتباط

عام طور پر حساب کو خشک مضمون کہا جاتا ہے اور اس کی روزمرہ زندگی میں جو اہمیت ہے وہ معلوم نہیں کرائی جاتی اور سوالات بھی عموماً غیر مانوس و غیر ممالک کے ضروریات پر حاوی ہوتے ہیں بجائے اس کے اگر پکوان کے عملی سبق پر معیار جماعت کے مطابق حساب کے موزوں سوالات مرتب کرکے حل کرائے جائیں تو فن حساب کی اہمیت و ضرورت زیادہ واضح ہوجائے گی بطور نمونۂ منسلکہ سبق پر چند سوالات درج ہیں۔ نظام الاوقات میں ریاضی کے لئے صرف پانچ پیریڈ دیے گئے ہیں، ایک پیریڈ کی کمی جو محسوس کی جارہی ہے اس کی اس سے تلافی ہوسکے گی۔ عملی سبق میں جن جن برتنوں کو جیسے جیسے استعمال کیا جائے طالبات کو ان کا خاکہ بھی بنانا ہوگا۔ اس لحاظ سے اس فن میں ضمناً نقشہ کشی کی تعلیم بھی ہوجائے گی۔ عملی سبق میں مختلف اجناس، مچھلیوں اور مختلف دالوں کا طالبات کو مشاہدہ کرنا پڑے گا جو سبق الاشیاء کی تعلیم کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

ضروری برتن و دیگر لوازمات ہر گروپ اور پورے مدرسہ کے لئے جن برتنوں اور اشیاء کی ضرورت ہوگی ان کی بھی ایک فہرست منسلک کر دی گئی ہے اگر سررشتہ بوجہ عدم گنجائش فی الوقت ان کی فراہمی سے قاصر ہو تو ناظر صاحبان ومہتمم صاحبان اس کے اغراض و مقاصد مقامی معززین پر ظاہر فرما کر ان سے بطور عطیات حاصل کر کے مدارس کو مہیا کر سکیں گے۔ کم از کم مستقر اضلاع پر اس کے رواج کے امکانات ہیں۔

مجوزہ باورچی خانہ اس کے لئے بھی گراونڈ پلان کراس سکشن و ایلیویشن دیا گیا ہے۔ ہر گروپ کے لئے دو چولہے ہونگے اور ایک میز ایسی رہے گی جس کے نچلے حصہ میں اس کا مفوضہ سامان محفوظ کر دیا جائے گا۔

داد وستد اشیاء مستقل و خام و دیگر ضروری رجسٹرات ابتدائی سال تعلیمی میں ہر گروپ کو اس کا ضروری مستقل و غیر مستقل سامان دے کر ختم سال پر واپس لے لیا جائے گا۔ دوران سال تعلیمی میں سامان مفوضہ کی کمی بیشی کی ذمہ داری بالکلیہ گروپ پر رہے گی۔ مدرسہ میں اس فن سے متعلق حسب ذیل رجسٹرات ہوں گے۔ ۱۔ رجسٹر سامان مستقل جس میں مستقل چیز کا نام، تعداد، حالت، قیمت اور فراہمی کی نوعیت درج رہے گی۔ ۲۔ غیر مستقل سامان کا رہے گا۔ اس میں بھی مندرجہ بالا ابواب ہوں گے۔ ۳۔ رجسٹر داد وستد سامان بموجب نمونہ مروج رہے گا۔ ۴۔ کردی نقدی رہے گی جس میں ماہانہ عمل جمع از (تعداد طالبات) جماعت سوم از (تعداد طالبات) جماعت چہارم از (تعداد معلمات) مدرسہ ہوگا۔

مقدار رقم   مقدار رقم   مقدار رقم

اور صرفہ ہر دو ہفتہ واریا ماہوار بحوالہ کردی خام تحریر ہو۔ ۵۔ رجسٹر کردی اشیاء خام ہو جس میں جمع کا عمل اس طرح ہو کہ ہر خام شے کا نام مقدار نرخ و قیمت و نشان رسید چیک بک درج ہو۔ کسی تاریخ کی کردی نقدی کا صرفہ اتنا ہی ہو جتنا کہ خام اشیاء کی کردی میں اس تاریخ کی مجموعی خام اشیاء کی قیمت جمع ہو اور خام اشیاء

صرفہ کردی میں بحوالہ مطلوبہ جات اجراشدہ ازگروپس تحریر ہو۔طالبات اپنے پکوان سے متعلق خام اشیاء کے نام اور مقدار تحریر کر کے مطلوبہ جات تیار کریں گی۔ ۶۔ چکلٹ بک رسائد۔ اس میں وہ رسائد چسپاں ہوں گے جن کے ذریعہ کردی خام میں اشیاء جمع ہوئی ہوں یا کردی نقدی کا صرفہ ہوا ہو۔ ۷۔چکلٹ بک مطلوبہ جات اس میں طالبات کے مطلوبہ جات بعد اجرائی بدرج قیمت چسپاں رہیں گے۔ ۸۔ہر گروپ کے لئے ایک تختہ اس کے مقام پکوان پر آویزاں رہے گا جس میں اس کے پکوان کی خوبی یا خرابی یا ہدایات نگرانکار درج کردے گی جس سے گروپ اپنا آیندہ عملی سبق بہتر بنا سکے گا۔

پروگرام تعلیم پکوان جماعت ہائے سوم وچہارم بابتہ

نام ماہ		۱	جماعت سوم			جماعت چہارم		
	نام پکوان	۲	کھانے	سالن	میٹھے	کھانے	سالن	میٹھے
امرداد	نصف اول	۳	خشکہ	بگھاری کڑھی	حریرہ	حلیم	کٹلس	سبزیات کی پوریاں
	نصف دوم	۴	خشکہ	دہی کی کڑھی	حریرہ	حلیم	کٹلس	سبزیات کی پوریاں
شہریور	نصف اول	۵	جوار کی روٹی	گوشت تلا ہوا۔ کھارا گوشت	گلگلے	قبولی	کباب	بسکٹ وچار
	نصف دوم	۶	جوار کی روٹی	کھٹا شوربہ	گلگلے	قبولی	کباب	بسکٹ وچار
مہر	نصف اول	۷	پھلکے	انڈے ابلے ہوئے انڈے تلے ہوئے	ستریاں	روغنی روٹی	نہاری	کیک وچاء
	نصف دوم	۸	پھلکے	انڈوں کا خاگینہ۔ انڈے کا نیم برشت	ستریاں	روغنی روٹی	نہاری	کیک وچاء
آبان	نصف اول	۹	خمیری روٹی	کلیجی۔ بورانی	فرنی	مرغ پلاؤ	مرغ کا سالن	ناریل کا میٹھا
	نصف دوم	۱۰	خمیری روٹی	دہی کی چٹنی۔ بونی	فرنی	مرغ پلاؤ	کریلوں کا سالن	ناریل کا میٹھا
آذر	نصف اول	۱۱	خشکہ	آلو۔ اروی بھنڈی کا شوربہ	سیویاں	نہاری	بگھاری بھاجی	ڈبل کا میٹھا
	نصف دوم	۱۲	خشکہ	دیگر ترکاری۔ گوشت	سیویاں	نہاری	خرفہ	ڈبل کا میٹھا
دی	نصف اول	۱۳	جوار کی روٹی	دالچہ۔ بھیجا	شیر خرما	بگھارا خشکہ	مرغ کا سالن	انڈوں کا میٹھا
	نصف دوم	۱۴	جوار کی روٹی	گوشت کی کڑی بیسن	شیر خرما	بگھارا خشکہ	مرغ کا سالن	انڈوں کا میٹھا
بہمن	نصف اول	۱۵	پھلکے	کھٹی یا میٹھی دال	کھیر ساگودانہ	پراٹھے	دم کا مرغ	سیوں کا میٹھا
	نصف دوم	۱۶	پھلکے	کھڑی دال	کھیر ساگودانہ	پراٹھے	مرغ	سیوں کا میٹھا
اسفندار	نصف اول	۱۷	خمیری روٹی	شامی۔ شکم پر	کھیر چاول کی	بریانی	بگھارے بیگن	پورن پوری
	نصف دوم	۱۸	خمیری روٹی	قیمہ	کھیر چاول کی	بریانی	بگھارے بیگن	پورن پوری
فروردی	نصف اول	۱۹	خشکہ	تل یا کھوپرے کی چٹنی	شربت دادشت	کھچڑی	ماہی قلیہ	پڈنگ
	نصف دوم	۲۰	خشکہ	پاپڑ۔ بڑیاں	چونگے	کھچڑی	ماہی قلیہ	پڈنگ
اردی بہشت	نصف اول	۲۱	جوار کی روٹی	قورمہ	میٹھا کھانا	لقمی	مچھلی کا سالن	بادام کا حلوا
	نصف دوم	۲۲	جوار کی روٹی	پسندے یا کوفتے	زردہ	لقمی	تلی ہوئی مچھلی	گاجر یا کدو کا میٹھا
	خورداد	۲۳	امتحان	"	"	"	"	"

اشارات سبق

نام جماعت　　　تاریخ　　　سبق . پھلکے

نام طالبہ　　　وقت

اشیاء گیہوں کا آٹا ایک سیر - نمک ایک تولہ ۳ ماشہ - لکڑی چار سیر
۲ آنہ ۸ پائی　　پاؤ پائی　　ایک آنہ

برتن وضروری لوازمات چھلنی - سوپ - توا - گروا - بیلن - مشقاب - دسترخوان
تشتری - رکابی - چولہا - پھکنی - چمٹا - لگن -
ایک ایک عدد -

پکوان عام برتنوں کو صاف ستھرے دھونے کے بعد آٹے کو چھلنی کرکے سوپ کی مدد سے آدھ پاؤ خشکی نکال کر تشتری میں رکھ لی گئی۔ لگن میں تھوڑا پانی ڈالکر نمک حل کر کے اس میں بقیہ آٹا پانی کے ساتھ گوندھ لیا گیا۔ اس پر انگلیوں سے گہرے نشانات بنا دیے گئے ان پر کچھ پانی چھڑک کر رکابی ڈھانک کر تقریباً آدھ گھنٹہ رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد آدھی آدھی چھٹانک کے پیڑے بنائے گئے۔ گردے پر تھوڑی خشکی پھیلا کر پتلا بیل لیا گیا اس کے بعد توے پر جو چولہے پر کافی گرم ہو گیا تھا ڈالا گیا۔ تقریباً آدھ منٹ ایک رخ توے پر رہنے کے بعد اس کو الٹ دیا گیا۔ جب دونوں رخ اسی طرح کچھ پکنے کے بعد تھوڑی آگ چولہے سے باہر نکال کر اس پر اس کے دونوں رخ یکے بعد دیگرے اس حد تک سینک لئے گئے کہ ان کا ہر رخ بادامی ہونے کے قریب ہو گیا اس موقع پر یہ کچھ پھول بھی جاتا ہے۔ اس کو دسترخوان میں لپیٹ کر مشقاب میں رکھ دیا گیا توے کو صاف کر کے اسی طرح بقیہ پھلکے تیار کر لئے گئے جملہ ۲۸ عدد پھلکے تیار ہوئے۔

قسم دیگر۔

چپاتی اگر آگ پر سینکنے کے بجائے صرف توے پر ہی کافی طور پر پکالیں تو اس کو چپاتی کہیں گے۔ بعض لوگ اُلٹے[1] توے پر بھی پکاتے ہیں۔

کافی ۔ پانچ آدمیوں کے لئے کافی ہوئے۔

خواص ۔ زود ہضم۔ مقوی و معتدل۔

لاگت ۔ تین آنہ ۸ پائی۔

موزوں موسم ہر موسم میں ان کا استعمال مفید ہے لیکن موسم گرما میں پراٹھے یا روغنی روٹی کے بجائے ان کا استعمال بہت زیادہ مفید پڑتا ہے۔

نرخ مندرجہ سبق کے لحاظ سے

حسابی سوالات ۔ (۱) پچاس آدمیوں کو کافی ہونے کے لئے کس قدر اور کس قیمت کا آٹا خریدا جانا چاہیئے

(۲) دو سیر تین پاؤ آٹے میں پھلکے مصرحہ سبق کتنے تیار ہو سکیں گے؟

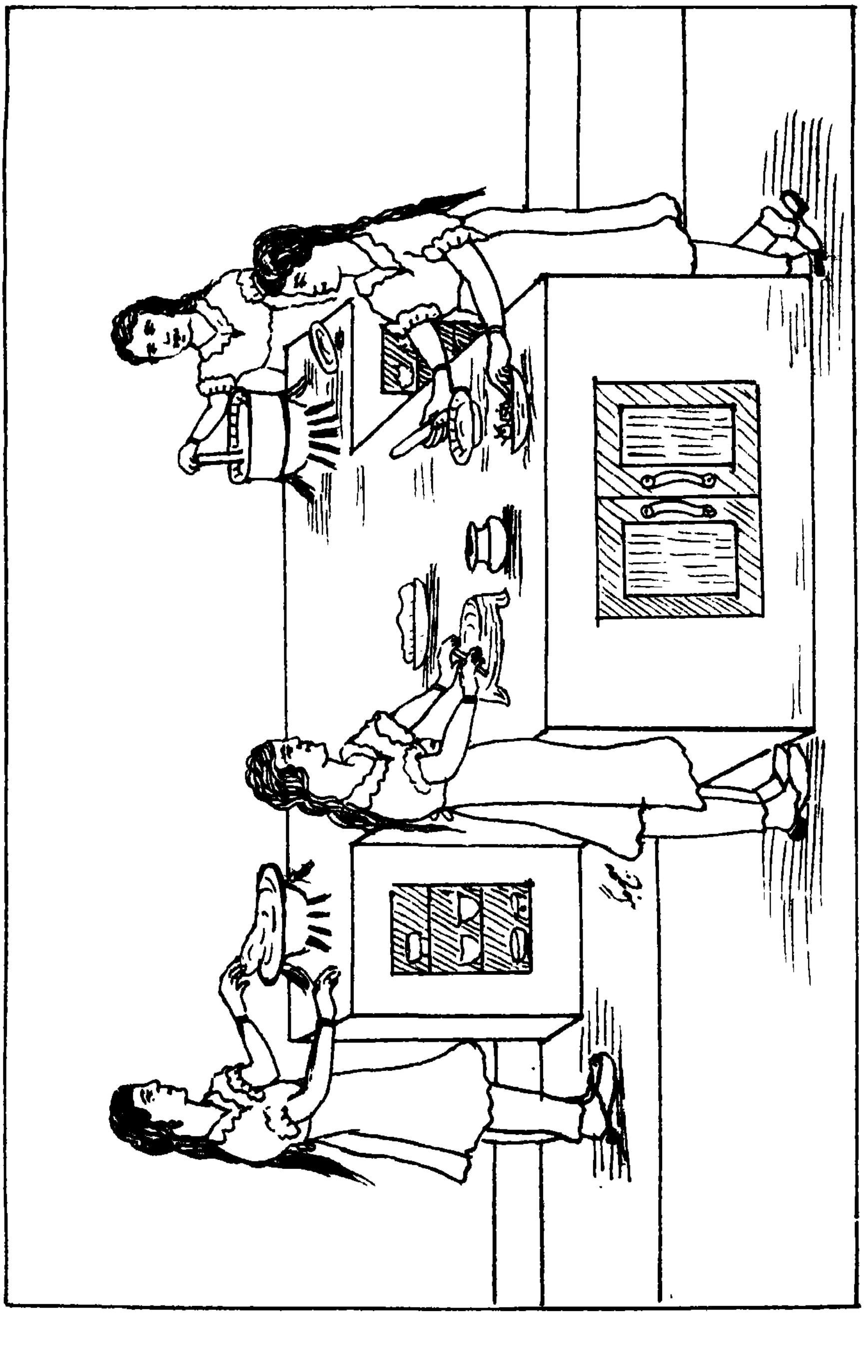
(۳) دو من دس سیر لکڑی کی کیا قیمت ہو گی؟

(۴) گیارہ روپیہ پانچ آنہ چار پائی لاگت سے کتنے پھلکے تیار ہونگے۔

(اس میں نمک کی قیمت شریک نہیں)

نوٹ ۔ گروپ کی ہر طالبہ سات سات پھلکے تیار کرے گی اور اشارات اسباق اس طرح تیار کریگی گویا کہ خود اسی نے پورا پکوان کیا۔ پکوان کی لاگت میں نمک کی قیمت نظر انداز اس وجہ سے کی گئی ہے کہ طالبات کسر سے واقف نہیں۔

[1] اگر توے کا اُبھرا ہوا رخ اوپر رہے تو دکن کی اصطلاح میں اسے اُلٹا توا کہتے ہیں مگر شمالی ہندوستان کے لوگ اسے سیدھا توا سمجھتے ہیں۔



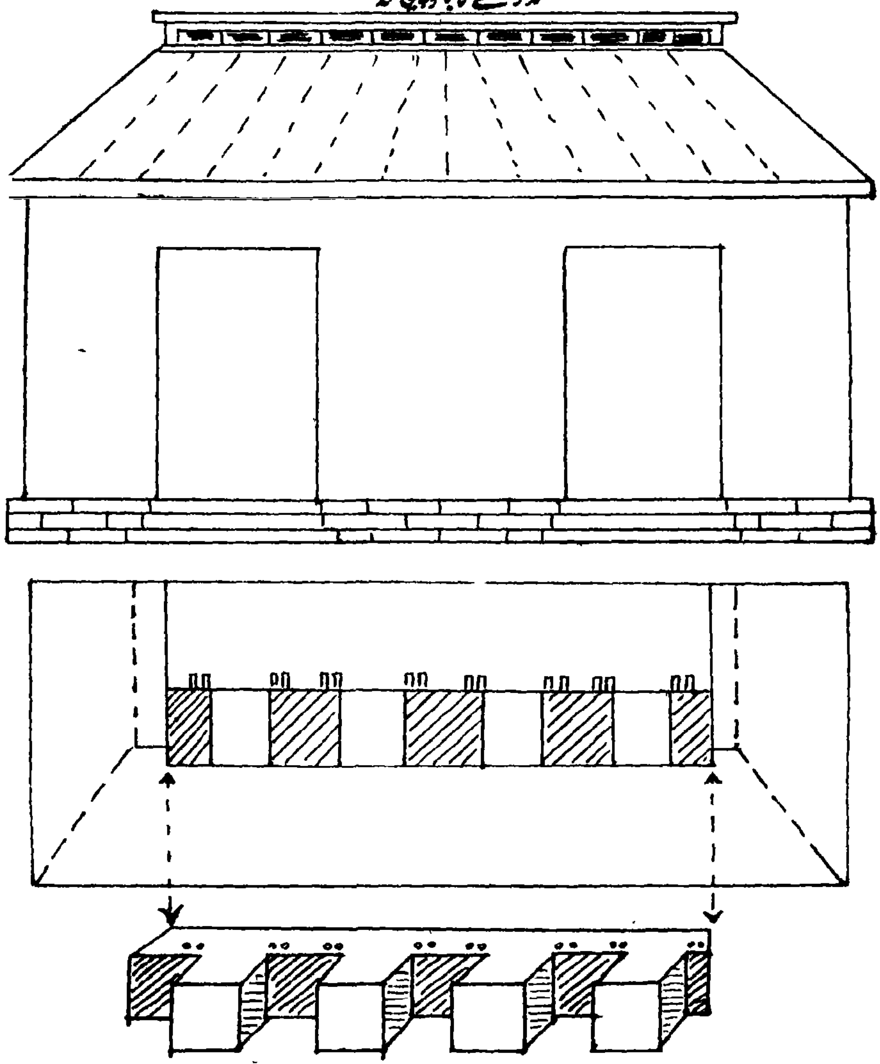
فہرست سامان

ہر ایک گروپ سے متعلق ضروری سامان کی فہرست				اگر جماعت سوم و چہارم میں ۵۰ طالبات ہوں تو انکے خورد و نوش و دیگر ضروریات کے لحاظ سے سامان کی فہرست			
نمبر شمار	نام شے	تعداد	قیمت	نمبر شمار	نام شے	تعداد	قیمت
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱	میز چوبی جس میں ضروری برتن محفوظ رکھنے کے لئے خانہ ہوں	۱	عـہ	۱	الماریاں چوبی	۲	للعـہ
۲	آہنی چولہا کلاں	۱	۴عہ/	۲	مشقاب المیونیم	۱۴	بعـہ
۳	آہنی چولہا خورد	۱	عہ	۳	رکابیاں المیونیم	۷ درجن	لعـہ
۴	گردا معہ بیلن	ایک جوڑ	عہ	۴	کٹورے کلاں المیونیم	½۱ درجن	ـــہے
۵	توا	۱	۸/	۵	کٹورے درمیانی المیونیم	½۱ درجن	ـــے
۶	لگن مسی	۱	عہ	۶	کٹورے خورد ″	½۱ درجن	للعہ
۷	مشقاب المیونیم	۱	۸/	۷	چمچے کلاں برائے مشقاب	۱۴	اعہ
۸	بگونا المیونیم معہ ڈھکن کلاں	۱	۸عہ/	۸	چمچے کلاں	½۱ درجن	عہ/
۹	بگونا المیونیم معہ ڈھکن درمیانی	۱	عہ	۹	چمچے درمیانی	½۱ درجن	۱۲عہ/
۱۰	بگونا المونیم معہ ڈھکن خورد	۱	۱۲/	۱۰	چمچے خورد	½۱ درجن	۸عہ/
۱۱	رکابیاں المیونیم	۱	۴/	۱۱	تشتریاں کلاں المیونیم	دو درجن	ـــے
۱۲	تشتریاں المونیم	۲	۴/	۱۲	تشتریاں خورد ″	تین درجن	ـــے
۱۳	کٹورے المیونیم	۲	۸/	۱۳	شطرنجی کلاں	دو عدد	سـہ
۱۴	کٹوریاں المیونیم	۲	۴/	۱۴	چاندنیاں کلاں	دو عدد	ـــہے
۱۵	کفگیر	۱	۶/	۱۵	دسترخوان کلاں	دو عدد	للعہ
۱۶	چھری	۱	عہ	۱۶	ٹونٹی والے پیپے	دو عدد	لـے
				۱۷	بیسن معہ اسٹانڈ	دو عدد	لـے

نمبر شمار	نام شئے	تعداد	قیمت
۱	۲	۳	۴
۱۷	چمٹے	۲	۸/
۱۸	پھکنی	۲	۱/۴
۱۹	سوپ	۱	۱/
۲۰	ڈوئی	۳	۱/۴
۲۱	چمچہ خورد	۱	۲/
۲۲	ٹوکری خورد	۱	۶/
۲۳	دسترخوان خورد	۱	۴/
۲۴	دسترخوان دیگر	۱	۲/
۲۵	گلاس المیونیم	۱	۵/
	میزان		عہ ۱۱/۲/۳

نمبر شمار	نام شئے	تعداد	قیمت
۱	۲	۳	۴
۱۸	صابن دانیاں	دو عدد	۸/
۱۹	تزال	دو عدد	عہ۴
۲۰	گلاس المیونیم	ایک درجن	عہ
۲۱	انڈے پھینٹنے کا آلہ	دو عدد	عا
۲۲	کیک کے سانچے	۴ درجن	سے
۲۳	بسکٹ کے سانچے	۴ درجن	عا
۲۴	آہنی کڑاہیاں	۳ عدد	سے
۲۵	دم دان	۴ عدد	سے
۲۶	مسل	۳ عدد	سے
۲۷	اکھلیاں	۳ عدد	سے
۲۸	سل بٹے	۲ عدد	عا
۲۹	سوپ	۴ عدد	۴/
۳۰	ٹوکریاں	۶ عدد	۴/
۳۱	ٹوکرے	۶ عدد	۵/
۳۲	چھننیاں	۳ عدد	۹/
۳۳	ہاون دستے	۲ عدد	عا
۳۴	پانی کے گھڑے	۱۲ عدد	۸/
۳۵	صراحیاں	۶ عدد	۶/
	میزان		عالالعہ ۸/

مدرسے کا باورچی خانہ



روئداد

مجلس تعلیم بالغان ملک سرکار عالی

جس کو

کل حیدر آباد تعلیمی کانفرنس کے لئے جو گلبرگہ[1] میں ۲۲ اور ۲۳ دسمبر ۱۹۳۸ء کو

منعقد ہوگی ایک ذیلی کمیٹی نے جو حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہے تیار کیا ہے۔

صدر نشین	احمد حسین خاں
معتمد	سید نور الحسن
ارکان	(۱) عبدالستار سبحانی
	(۲) میر احمد علی خاں
	(۳) سالم بن سعید
	(۴) جی یس پرکاش راؤ
	(۵) ٹی۔ اے۔ لنگم

---

[1] بعض ناگزیر اسباب سے کانفرنس مذکور گلبرگہ شریف میں منعقد نہ ہوسکی اور اس کے اجلاس بلدہ حیدر آباد میں بتاریخ یکم فروری ۳۹ء ہوئے۔

روئداد ذیلی کمیٹی تعلیم بالغان

(۱)

تقریر مولوی نور الحسن صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی۔ ڈپ ایڈ معتمد کمیٹی تعلیم بالغان

صدر محترم، خواتین و حضرات۔

بروز جمعہ مورخہ یکم فروردی ۱۳۴۸ف انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی دوسری سالانہ کانفرنس کے میقات دوم میں ذیلی کمیٹی تعلیم بالغان کی مبسوط رپورٹ میں (سید نور الحسن صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ڈپ۔ ایڈ گلاس گو) صدر فوقانیہ دار الشفاء و معتمد ذیلی کمیٹی) نے پڑھی۔ جلسہ ٹھیک دو بجے بصدارت جناب مولوی احمد حسین خاں صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و اطراف بلدہ شروع ہوا۔ سامعین نے نہایت سکون اور اطمینان سے تقریباً نصف گھنٹہ رپورٹ کے اہم اقتباسات سماعت فرمائے۔

بعد ازاں قابل صدر نے ایوان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو حضرات رپورٹ سے متعلق اپنے شکوک رفع کرنا چاہیں یا ترمیمات پیش فرمانا چاہیں تشریف لا سکتے ہیں۔ سب سے پہلے جناب مولوی ابو الحسن صاحب بی۔ اے، ال۔ ٹی صدر مہتمم تعلیمات ورنگل تشریف لائے موصوف نے چند ترمیمات پیش فرمائیں۔ مثلاً مدارس نسوان کے بجائے مدارس اناث کہا جانا مناسب ہے۔ مذہبی تعلیم کا لفظ رپورٹ میں کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ بہتر ہوگا اگر مذہبی تعلیم کے بجائے دینیات اور اخلاقیات کے لفظ استعمال کئے جائیں۔ انجمن امداد باہمی سے تعلیم بالغان میں مدد لی جائے۔ فی مدرسہ اخراجات کی اسکیل بجائے ~~پندرہ~~ ۱۵ روپیہ قطعی طور پر مقرر کرنے کے ~~پندرہ~~ ۱۵ روپیوں تک کہنا مناسب ہے۔

وقت کا تعین کر دیا جائے۔ یعنی یہ کہ مدارس بالغان شبینہ ہوں۔

صدر محترم نے نہایت موثر الفاظ میں جناب مولوی ابوالحسن صاحب کی تشفی فرمادی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مدارس نسوان اور مدارس اُناث دونوں الفاظ رائج ہیں مدارس نسوان کا لفظ سہل اور عام فہم ہے لہذا اس لفظ کے قائم رکھنے میں غالباً کوئی خاص قباحت نہیں۔ دوسری ترمیم یعنے مذہبی تعلیم کی جگہ دینیات و اخلاقیات کے الفاظ رکھے جاسکتے ہیں لہذا یہ ترمیم ایوان کے ایما سے منظور کی گئی۔

انجمن امداد باہمی سے تعلیم بالغان کی توسیع اور ترویج کے لئے مدد لینا ازبس ضروری ہے۔ لیکن اس کا ذکر چونکہ رپورٹ میں کیا جا چکا ہے لہذا یہ ترمیم خارج از بحث ہو جاتی ہے۔

پندرہ روپیہ کی رقم کمیٹی نے نہایت غور و خوص کے بعد مقرر کی ہے۔ ضروریات کا لحاظ کرتے ہوے "تک" کا لفظ بڑھانے کے یہ معنیٰ ہونگے کہ پانچ دس روپیوں کی قلیل رقم سے مدارس بالغان چلانے کی کوشش کی جائے جس سے بجائے فائدہ کے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔

وقت کا تعین اس لئے نہیں کیا گیا کہ مختلف مقامات کے حالات کے لحاظ سے جس وقت بھی سہولت ہو تعلیم بالغان کے لئے دو گھنٹے دیے جائیں۔ وقت کا تعین معلم اور متعلمین کی صواب دید پر چھوڑنا مناسب ہے۔

اس کے بعد جناب مولوی شمس الدین صاحب تشریف لائے آپ نے مذہبی تعلیم کو تعلیم بالغان کے لئے نہ صرف ضروری سمجھا بلکہ یہ تحریک پیش فرمائی کہ تعلیم بالغان مذہبی تعلیم ہی کے ذریعہ دی جائے۔ اس تحریک کی کسی نے تائید نہیں کی۔

جناب مولوی سید علی اکبر صاحب نے سفارش نشان تین کے آخری جزو میں حسب ذیل الفاظ بڑھانے کے لئے ارشاد فرمایا۔

جو مدارس بالغان خاص فرقہ کے لئے قائم ہوں ان میں بحصول اجازت

دینیات و اخلاقیات کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ رپورٹ میں صراحت کے ساتھ اس امر کا ذکر کیا گیا تھا لیکن طباعت میں سفارش نشان تین ۳ میں چونکہ کچھ الفاظ رہ گئے تھے لہذا حسبِ تصحیح کر لی گئی۔

جناب میر احمد علی خاں صاحب نے تحریک پیش فرمائی کہ " ایک مرکزی بورڈ قائم کیا جائے جو پبلک سررشتہ تعلیمات اور دیگر سررشتہ جات کے نمائندوں پر مشتمل ہو اور ان کی شاخیں اضلاع میں قائم کی جائیں تاکہ تعلیم بالغان کے اہم کام کو خاطر خواہ طور پر چلایا جاسکے۔

اس تحریک کو ایوان نے بہت پسند کیا۔ اور رپورٹ ہذا کے سفارشات کی فہرست میں اس تحریک کا بھی اضافہ کیا گیا۔

آخر میں عالی جناب مولوی سید علی اکبر صاحب نے اپنے خاص اور موثر انداز میں رپورٹ کی ستائش کرتے ہوئے تعلیم بالغان کی ذیلی کمیٹی کے صدر اور ارکان کو مکمل اور مبسوط رپورٹ کے پیش کرنے پر مبارک باد دی اور منظوری رپورٹ کی تحریک پیش فرمائی۔ جناب مولوی خیرات علی صاحب نے اس تحریک کی تائید فرمائی۔ رپورٹ مذکورہ ترمیمات کے ساتھ باتفاق آرا منظور کی گئی۔

رپورٹ مجلس تعلیم بالغان

(۲)

تعلیم بالغان کا مفہوم ہر اس قسم کی تعلیمی تحریک پر حاوی ہے جو ایسے معمر اشخاص کی ذہنی فلاح و ترقی کی ضامن ہو جنہوں نے اپنی صغیر سنی کے زمانے میں باضابطہ تعلیم مدرسہ میں پائی ہو یا نہ پائی ہو۔ وسیع معنوں میں ابجد خوانی کی تعلیم سے لے کر ہر قسم کی تعلیمی تحریک تعلیم بالغان کے ضمن میں آجاتی ہے۔ یہاں تک کہ فارغ التحصیل طیلسانیوں کے لئے توسیعی جامعی لکچر بھی ممالک متحدہ امریکہ جیسے ملک میں تعلیم بالمغان کے لفظ میں مختلف انجمنیں اور مجلسیں جن کا واحد مقصد تمدنی زندگی کی نشو ونما اور ترقی ہے آجاتی ہیں۔ لیکن اس قدر عام اور وسیع تعریف ہمارے موجودہ کام میں کسی قسم کی عملی رہنمائی نہیں کرسکتی۔ خصوصاً جب ہم تعلیم بالغان کی ایک اسکیم ایسے ملک کے لئے مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ بالغوں کی آبادی میں ہر سو میں (۸) پڑھے لکھے ہوں۔ اسی وجہ سے تعلیم بالغان کی تحریک ہندوستان میں خصوصاً موجودہ زمانہ میں کم وبیش جہالت کو مٹانے کے مترادف ہے۔ حالانکہ یہ صحیح ہے کہ جہالت کا مٹانا بذاتہ تعلیم نہیں ہے برخلاف اس کے یہ ماننا پڑیگا کہ ابجد خوانی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔

تعلیم بالغان کی تجاویز کی بہتات کی وجہ سے یہ امر ضروری ہے کہ ہم ایک خاص منتخب شدہ اور قابل عمل تجویز تعلیم بالغان کی پیش کریں۔ اس لحاظ سے ہمارے لئے تعلیم بالغان بغیر ابجد خوانی کے سراب آسا اور صرف تمدن کو ترقی دینے والی چیز نہیں ہوسکتی اور نہ صرف بالغ لوگوں میں عام روشن خیالی پھیلانے کی جدوجہد کا نام تعلیم بالغان ہوسکتا ہے۔ بلکہ خاص اسکیم ان بالغ اشخاص کو ابجد خواں بنانے کے لئے

مرتب کرنا چاہئے۔ جنہیں اپنی کم سنی میں تعلیم پانے کا موقع نہیں ملا۔
اس اسکیم کے مدنظر بالغ اس کو کہا جائے گا جو (۱۵) اور (۴۰) برس کی عمر کے درمیان ہو۔ کیونکہ جن کی عمر (۱۵) برس سے کم ہے ان کو عام مدارس میں جانا چاہیئے۔ چالیس سے متجاوز عمر کے لوگ عموماً تعلیم حاصل کرنے کے متمنی نہیں ہوتے نہ علم کی تحصیل کا شوق ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے مدارس میں تعلیم پڑھنے لکھنے اور حساب تک محدود رہے گی۔ ایک حد تک عام معلومات سے روشناس کیا جائے جو بالغ اشخاص کے لئے مفید ہوں جو روزمرہ کی زندگی میں کارآمد ہوں و نیز خود ان کے لئے اور سماج کے لئے جس میں وہ زندگی بسر کر رہے ہیں مفید ہوں روشناس کیا جائے۔ ان مدارس میں جو کام کیا جائے گا وہ دوسرے اداروں مثلاً انجمن اتحاد باہمی یا ترقی دیہی کا محتاج نہیں رہے گا۔ برخلاف اس کے یہ بالغ لوگوں کو عام تعلیم دیکر ان انجمنوں یا جمیعتوں کے لئے پیش از پیش زمین تیار کرے گا۔ موجودہ حالات کے تحت اس سے زیادہ وسیع اور اہم کام ہماری اسکیم میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

تاریخ تعلیم بالغان مغرب کے ترقی یافتہ اور متمدن ممالک میں تحریک تعلیم بالغان کی تاریخ گو سبق آموز ہے لیکن ہماری عملی رہنمائی سے قاصر ہے۔ لیکن اس کی تاریخ روس ترکی اور جاپان میں ہمارے لئے واقعی دلچسپ ہے۔ یہ ہیں وہ ممالک جہاں کچھ عرصہ پہلے ناخواندہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ان ممالک کی حکومتوں نے ایسی سرتوڑ کوششیں ناخواندگی کے مٹانے کی کیں کہ ربع صدی کی قلیل مدت میں وہ ناخواندگی کو اپنے ملکوں سے مٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان ملکوں کی مثالیں ہمارے لئے سبق آموز ہونی چاہئیں۔ اور ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ان طریقوں کا مطالعہ کریں جن پر عمل پیرا ہو کر انھیں ایسی نمایاں کامیابی ہوئی۔ ہمارا مسئلہ جس عاجلانہ حل کا آج متقاضی ہے یہ دشواریاں آج سے بیس سال پہلے ان کے سدراہ نہ تھیں ڈاکٹر پی۔ سی لال جو ٹیگور کے قایم کردہ ادارہ تری نیکیتان سے تعلق رکھتے ہیں فرماتے ہیں "تعلیم بالغان گو اس نام سے موسوم نہیں تھی تاہم زمانہ قدیم میں بھی

ہندوستان میں موجود تھی بلکہ اس کا وجود اس وقت سے ہے جب کہ لکھنے کا فن ایجاد نہیں ہوا تھا اس کام کو تکمیل کو پہونچانے کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے جاتے تھے مثلاً گاؤں کے بھاٹ۔ قصہ گو۔ مذہبی آوپرا (یعنی غنائی تمثیل) تھیٹر۔ ہفتہ واری بازار۔ اور دیہی میلے"۔ صاحب موصوف کا خیال ہے کہ ہندوستان کے حالات کے مدنظر اب بھی یہ ذرائع تعلیم بالغان کی ترویج و توسیع کے لئے موجود ہیں اور ان کو اُلٹ پھیر کر کارآمد بنایا جاسکتا ہے لیکن مروجہ معنی میں تحریک بالغان ہندوستان میں حال ہی کی پیداوار ہے۔ ایک نقطۂ نظر سے یہ امر اب تک مشتبہ ہے کہ آیا منظم طور پر تعلیم بالغان ہندوستان میں شروع بھی ہوئی ہے؟

تعلیم یافتہ گروہ نے یقیناً تعلیم بالغان کی اہمیت اور ضرورت محسوس کرنا شروع کی ہے لیکن عوام جن کے لئے یہ سب کچھ کیا جارہا ہے اب تک اپنی کھال میں مست ہیں۔ اور تعلیم کے مفید نتائج سے بے خبر ہیں۔

دیگر ممالک اور ہندوستان کی تعلیم بالغان میں بھی فرق ہے۔ مغرب میں پہلا قدم خود عوام نے اُٹھایا۔ اور اسی وجہ سے یہ تحریک بہت جلد مقبول ہوئی اس کے برخلاف ہندوستان میں عوام مشکل ہی سے کسی قسم کی دلچسپی لیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں اُلجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

بہرحال مختلف صوبوں میں اسکیمیں جاری ہیں اور اس امر پر تبادلۂ خیالات کے لئے کانفرنسیں منعقد ہورہی ہیں تاکہ اس پر غور کیا جاسکے کہ ملک میں تعلیم بالغان کی ترویج اور توسیع کے کیا ذرائع اختیار کئے جائیں۔ ایک مرکزی انجمن ہندوستان کے لئے جو کہ ہندوستانی تعلیم بالغان کی انجمن کہی جاتی ہے۔ حال ہی میں قایم کی گئی ہے اور انگلستان کی قومی تعلیم بالغان کی جماعت بھی ہندوستان میں تعلیم بالغان کے پھیلانے کی سعی کررہی ہے تعلیم بالغان کی عالمگیر انجمن نے ۱۹۳۳ء میں ان حضرات کی ایک گول میز کانفرنس طلب کی تھی جن کو ہندوستان میں تعلیم بالغان سے کچھ دلچسپی ہو اور اس کانفرنس نے چند ابتدائی مسائل پر بحث وتمحیص

بھی کی۔ گو ہم ان تمام ابتدائی کوششوں کا جو ہندوستان میں تعلیم بالغان کی خاطر کی گئیں خیر مقدم کرتے ہیں لیکن ابتداء خود ہندوستانیوں سے ہونی چاہئے اور اس کام کی کامیابی کا سہرا خود دیسی ہندوستانیوں کے سر ہونا چاہئے۔ ہندوستان میں تعلیم اگر دوبارہ جنم لے سکتی ہے تو صرف اس طرح کہ ہمارا طریقۂ کار خالص ہندوستانی ہو اور جو ہندوستانی خیالات میں قطعی رنگ جائے اور جو ہندوستانی مردوں اور عورتوں کی مخلصانہ خدمت کا نتیجہ ہو۔

شعوری اور منظم حیثیت سے تعلیم بالغان کی ابتداء کا پتا غالباً جنگ عظیم کے اختتام سے چلتا ہے۔ اب تک جو کام کیا گیا اس کی بابت انگلستان کی قومی تعلیم بالغان کی انجمن یہ رائے رکھتی ہے کہ "چند سال تک کچھ صوبہ جاتی حکومتیں ہندوستانی ریاستیں اور بلدیات بالغ لوگوں کی ناخواندگی کو مٹانے کی کوشش کرتی رہیں لیکن ایسی تحریکیں اب کمزور پڑ رہی ہیں۔"

لیکن حال ہی میں تعلیم بالغان کے معاملات میں از سر نو دلچسپی لی جا رہی ہے۔ مثلاً حکومت بنگال گشتی نمائش کا انتظام کر رہی ہے تاکہ تعلیم بالغان کو بنگال کے دیہاتوں میں پھیلایا جا سکے۔ حکومت بمبئی نے حال ہی میں ایک بااثر کمیٹی اپنے صوبہ میں تعلیم بالغان کے کام پر رپورٹ پیش کرنے کے لئے مقرر کی ہے۔

کل ہند تعلیمی کانفرنس میں بھی ایک شاخ تعلیم بالغان کے لئے مختص ہے جو کئی سال سے ضروری کام کر رہی ہے۔ اور ہندوستان کے ماہران تعلیم کے سامنے تعلیم بالغان کی فوری ضرورت اور اس کے کام میں ارتباط کی سخت اہمیت محسوس کراتی رہتی ہے۔

بمبئی کی صوبہ جاتی انجمن تعلیم بالغان جو ۱۹۳۴ء میں قائم ہوئی کارخانوں کے مزدوروں میں خواندگی پھیلا رہی ہے اور ان کے لئے کتب خانوں وغیرہ کی تنظیم کر رہی ہے۔

بمبئی کے ڈاکٹر بی۔ پی۔ ہیوالی نے تمام مرہٹی بولنے والے عیسائیوں کے لئے

یہ نصب العین پیش کیا کہ دوسری مردم شماری یعنی ۱۹۴۱ء تک خواندہ بن جائیں۔ یہی نصب العین وسیع ہو کر "قومی عیسائی مجلس" کے اتحاد عمل کے ساتھ یہ نعرہ بن گیا۔ "ہر عیسائی ۱۹۴۱ء میں خواندہ ہو"۔ بنگال کے لئے اس میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ اس طرح پر کہ کل بنگال مہم خواندگی" کے اس نصب العین کے ساتھ اس سال یعنی ۱۹۴۱ء تک خواندہ بن جانا چاہئے۔

اس کے بعد ہی "انجمن تعلیم بالغان بنگال" قایم ہوئی جس کی صدارت ڈاکٹر ٹیگور نے قبول فرمائی ہے۔ جنوبی ہند میں "کانفرنس تعلیم بالغان جنوبی ہند" کی تنظیم عمل میں آرہی ہے۔ بین الجامعاتی مجلس کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ سترہ ہندوستانی جامعات نے ان امور کا مطالعہ کرنے کے لئے بطیب خاطر اشتراک عمل کی رضامندی ظاہر کی ہے۔ جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق عوام کی فلاح وبہبود سے ہے تعلیم بالغان ہند کی جد وجہد کی حوصلہ افزائی اور اس کام میں ہاتھ بٹانے کے لئے حال ہی میں دہلی میں "انجمن تعلیم بالغان ہند" قایم ہوئی ہے اس مقصد کے حصول کے لئے انجمن مذکور کی جانب سے صوبہ جاتی انجمنوں کے قیام کی کوشش کی جارہی ہے۔ صوبہ دہلی میں مذکورہ انجمن فنون اور پیشوں کی تعلیم۔ لاسلکی تقاریر موسیقی اور اجتماعی تعلیم وغیرہ کے ذرائع سے تعلیم بالغان کو پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ تعلیم بالغان کی انجمنیں مختلف مراکز میں قایم کی گئی ہیں اور ان کا الحاق "انجمن تعلیم بالغان ہند دہلی" سے عمل میں آیا ہے۔

اب ہم ملک سرکار عالی کے مسئلہ تعلیم بالغان پر نظر ڈالتے ہیں۔ ۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۶ء میں پہلی مرتبہ تین مدارس تعلیم بالغان ریاست حیدرآباد میں ایک خانگی ادارہ کے زیر نگرانی قایم ہوئے۔ ان مدارس کے طلباء کی تعداد (۱۰۷) تھی۔ ان کے قیام کا مقصد بالغ ناخواندہ اشخاص میں تعلیم کی اشاعت تھا۔ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء تک یہ تحریک اضلاع میں پھیل گئی ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۵ء تک (۴۹) مدارس بالغان (۱۹ بلدہ میں اور ۳۰ اضلاع میں) قایم کئے گئے۔ ان میں (۲۵) امدادی اور باقی غیر امدادی

مسلمہ ادارے تھے۔ ۳۴-۱۹۳۳ء میں طلبار زیرتعلیم کی جملہ تعداد (۱۷۰۹۱) تھی۔

مدارس بالغان کو منظم کرنے اور چلانے کے لئے ۳۴-۱۹۳۳ء میں خاص قواعد وضوابط کا نفاذ عمل میں آیا۔ اس خصوص میں صرف اس حد تک کام ہوا جیسا کہ جناب مولوی سید علی اکبر صاحب "ترقی تعلیم بدورحکومت آصف جاہ سابع" میں فرماتے ہیں "افسوس کہ عوام نے اس تحریک میں اس دلچسپی کا اظہار نہیں کیا جس کی یہ تحریک مستحق ہے اور جو اس کی عاجلانہ ترقی کے لئے ضروری ہے"۔

باوجود اس کے اس قسم کی علامتیں پائی جاتی ہیں کہ ملک کے دوسرے حصوں میں تعلیم بالغان کو منظم کرنے کا عام اور گہرا احساس ہے اور یہ کہ خانگی اداروں کی جانب سے پیغام تعلیم کو عوام تک پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر چونکہ اس خصوص میں کوئی باقاعدہ اور منظم کوشش نہیں کی جارہی ہے۔ اس لئے جوش اور توانائی کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے لہذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ان کوششوں کو مثل "انجمن تعلیم بالغان ہند" کے ایک مرکزی نظام کے تحت جمع کیا جائے۔ ایسے مرکزی ادارے کا قیام نہ صرف ان انجمنوں کو ان کی حد تک عمل اور تجربہ میں آزادی دیگا بلکہ پورے ملک کے لئے تعلیم بالغان کا ایک عام بنیادی مقصد اور طریقہ کار مہیا کرے گا۔ لہذا اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اس کام کو بہ عجلت ممکنہ شروع کیا جائے۔ تاکہ مختلف ادارے مختلف اصول وطریق اختیار کرکے غیر منظم اور پریشان کن نتائج اختیار نہ کریں۔ چونکہ تعلیم بالغان کی مہم ہمارے ملک میں ابھی عالم طفلی میں ہے اس لئے اس کو ابتدا ہی سے صحیح اور واضح نہج پر چلانا مناسب ہوگا۔ توقع ہے کہ اس قسم کا ارتباط مستقبل قریب میں حاصل ہوگا۔ اس امر سے ہویدا ہے کہ تحریک تعلیم بالغان کے سلسلہ میں جس قدر بھی انجمنیں کام کررہی ہیں وہ سب "انجمن تعلیم بالغان ہند" سے ملحق ہیں۔ ایک اور زیادہ امید افزا صورت جس سے تعلیم بالغان کے مسئلہ پر بخوبی روشنی ڈالی جاسکتی ہے اور جس سے ہندوستان میں اس مسئلہ کو ایک نمایاں حیثیت دی جاسکتی ہے "کانفرنس تعلیم بالغان کل ہند"

کے اس جلسہ میں مضمر ہے جو مارچ سنہ ۱۹۳۸ء میں بہ مقام دہلی منعقد ہوا۔ اس اجتماع کا ایک نتیجہ "کانفرنس تعلیم کل ہند" کی کمیٹی کا قیام تھا جس کا کام ہندوستان میں تعلیم بالغان کی موجودہ جد و جہد کے متعلق مواد فراہم کرنا۔ مرد اور عورتوں کی اس خصوص میں دلچسپیوں اور شخصی خدمات کا علم حاصل کرنا۔ پرچہ اخبار (News sheet) شائع کرنا اور تعلیم بالغان کے ان طریقوں پر ایک عام نظر ڈالنا جو کامیابی کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں بروئے عمل لائے جا سکتے ہیں۔ دوسری کانفرنس سنہ ۱۹۳۹ء کے اوائل میں صوبہ متوسط میں منعقد ہوگی۔ مذکور الصدر کمیٹی کے صدر سر شاہ سلیمان ہیں۔

یہ معلوم کر کے ہمیں بے حد مسرت ہوئی کہ اس کمیٹی کے نائبین میں ہز ہائنس شاہزادۂ برار بھی ہیں۔ کسی اسکیم کے بنانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی وسعت معلوم کر لی جائے۔ اس لئے کہ اس کا مدت نصاب کے مسئلہ سے گہرا اور اہم تعلق ہے۔ ہم پہلے ہندوستان کے عام حالات پر غور کریں گے تاکہ وہ حیدرآباد کے حالات کے مطالعہ میں پس منظر کا کام دے۔ ڈاکٹر لاؤباخ (Law Bacb) فرماتے ہیں کہ دنیا کی آبادی کا زاید از نصف حصہ یعنی ایک ارب سے زاید لوگ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ ان خواندوں کی ۲/۳ ایشیا میں ہے جن میں سے (۳۵) کروڑ چین میں اور (۳۴) کروڑ ہندوستان میں ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں ہندوستان کی پوری آبادی (۳۵۰) کروڑ تھی۔ ناخواندوں کی باقی تعداد بالخصوص افریقہ، جنوبی امریکہ اور جزائر بحر الکاہل میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ گزشتہ دس سال میں دنیا میں (۴) فی صد خواندہ اشخاص کا اضافہ ہوا ہے لیکن اسی عرصہ میں ہندوستان میں صرف ایک فی صد کا اضافہ ہوا ہے۔ ہندوستان میں (۹۲) فی صد لوگ ناخواندہ ہیں۔ ہندوستان جس رفتار سے ترقی کر رہا ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس حساب سے خواندگی میں چین جیسے پسماندہ ملک کے برابر ہونے کے لئے اس کو ہزار سال درکار ہوں گے۔

اب ہم ریاست حیدرآباد کے اعداد و شمار پر تفصیل کے ساتھ غور کریں گے وہ یہ ہیں

گوشوارہ میں سنہ ۱۹۳۱ء کے حقیقی اور سنہ ۱۹۴۱ء کے تخمینی اعداد درج کئے جاتے ہیں۔
ذیل کے نقشہ میں ریاست حیدرآباد کی آبادی عمر کے اعتبار سے بتائی گئی ہے
سنہ ۱۹۳۱ء کے اعداد و شمار مردم شماری کی روئداد سے لئے گئے ہیں اور قریب ترین لاکھ
کے ہندسوں میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ سنہ ۱۹۴۱ء کے اعداد تخمینی اور آبادی کے اختلاف
اور پسماندگی کی شرح پر مبنی ہیں۔

سال	پانچ سال سے کم عمر بچے	۵-۱۵ سال کے عمر کے بچے (قابل خواندگی عمر)	۱۵-۴۰ عمری اشخاص (قابل تعلیم بالغان)	۴۰ سال سے زیادہ کے لوگ	ریاست کی جملہ آبادی	مدرسہ میں زیر تعلیم بچے	فیصد
سنہ ۱۹۳۱ء	۲۴	۳۳	۵۹	۲۸	۱۴۴	۳ ۳/۴	۶
سنہ ۱۹۴۱ء	۲۶	۳۶	۶۳	۳۰	۱۵۵	۵	۹

سنہ ۱۹۴۱ء کی تخمینی جملہ (۱۵۵) لاکھ آبادی میں سے :-

(۱) (۵) لاکھ مدرسہ میں زیر تعلیم ہونگے۔

(۲) (۲۶) لاکھ (۵) سال سے کم ہونگے۔

(۳) (۳۱) لاکھ (۳۶ نفی ۵ لاکھ مدرسہ میں زیر تعلیم (۵) اور (۱۵) سال کی
عمر کے درمیان۔

(۴) (۳۰) لاکھ اشخاص (۴۰) سال کی عمر سے متجاوز ہوں گے اور اس وجہ سے
آسانی سے خواندہ نہیں بنائے جاسکیں گے۔

(۵) ۶۳ (۶۳ نفی ۳ لاکھ تخمینی خواندہ اشخاص کی تعداد بالغان ۱۵ سے
۴۰ سال کی عمر کے جملہ تعداد (۱۵۵) لاکھ۔

اسی رو سے ہم ۳۱ لاکھ بچے ۵ اور ۱۵ کی عمر کے اور ۶۰ لاکھ اشخاص ۱۵
اور ۴۰ سال کی عمر کے پاتے ہیں ان کی تعلیم کا انتظام کرنا ہے۔
اول ۳۱ لاکھ کی تعداد جبریہ ابتدائی تعلیم کے حامیوں کے لئے چھوڑنے کے

بعد ہمارے پاس (۶۰) لاکھ بالغان باقی رہ جاتے ہیں جنہیں خواندہ بنانا ہے۔ ان اشخاص کو خواندہ بنانے کے کام کے لئے ہمیں کتنے وسیع پیمانہ پر ساز و سامان مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ سرمایہ کارندے اور تنظیم۔ فرض کیجئے کہ ایک ہزار مدارس جن میں سے ہر ایک میں (۵۰) بالغان کا اوسط ہو اور سال بہ سال یکساں جوش و خروش سے کام ہوتا رہا ہے تو ہم اس صورت میں ہر چھ مہینے میں (۵۰) ہزار یا سال میں ایک لاکھ بالغان کو خواندہ بنا سکتے ہیں۔ اس رفتار سے ریاست کی ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے (۶۰) سال صرف ہوں گے۔ لیکن کیا یہ کوئی خوش آیند توقع ہے کہ ہم ریاست میں صد فی صد خواندگی ہونے کے لئے (۶۰) سال انتظار کرتے رہیں؟ اس ۶۰ سال کی مدت میں اس ملک کے اور مختلف حصوں میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں ترقی تعلیم کی رفتار کیا ہوگی؟۔ ہم کو چاہئے کہ ہم (۲۵) سالہ منصوبہ یا کسی اور منصوبہ پر عمل کریں۔ جیسا کہ کشمیر اور ملک کے دوسرے صوبوں میں ہو رہا ہے۔ اس طرح سے ملک کی ناخواندگی کو کم کریں۔ یہ اعداد و شمار یہاں پر کام کی اہمیت اور وسعت کو خاطر خواہ طور پر ظاہر کرنے کے لئے اور اس غرض سے بھی کہ ان کا تعلق نصاب سے ہے۔ پیش کئے گئے ہیں۔ ان اعداد سے یہ ضرورت صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہم ایک عملی پروگرام اختیار کریں اور یہ ظاہر کر دیں کہ مختصر المیعاد منصوبہ پر عمل کرنا کتنا ناگزیر ہے۔ مگر یہ اسی وقت جب کہ ہم یہ دیکھنے کے آرزومند ہوں کہ خواندگی کی شعاع اگرچہ دھیمی سہی۔ ان ۳ لاکھ جھونپڑوں پر پڑے جو ہماری وسیع ریاست کے اضلاع میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ریاست میں تعلیم بالغان کی تنظیم کے سوال کے ساتھ ہی ہمیں اور مختلف اہم مسائل سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مدارس کس قسم کے ہوں؟۔ نصاب کی مدت کیا ہو۔ نصاب کس قسم کا ہو؟۔ کام کے انجام کے لئے ذرائع کیا اختیار کئے جائیں؟۔ ان کے علاوہ اور گوناگوں باتیں ہیں مثلاً یہ کہ ان مدارس میں تعلیم دینے والے معلمین کس قسم کے ہوں؟ اور درسی کتابیں کیسی ہوں؟۔ تعلیم کا طریقہ کیا ہو؟ نگرانی کا کام کس طرح ہو۔ خواندہ

بنانے کے بعد اسناد دیے جانے کے متعلق کیا طے کیا جائے ؟۔ اور سرمایہ کے لئے کیا سبیل نکالی جائے ؟۔ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مختلف قسم کے ادارے "مدارس بالغان" کے نام سے جاری کئے اور چلائے جاسکتے ہیں لیکن اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انگلستان جیسے ملک میں بھی جہاں ایسے بہت سے ادارے موجود ہیں۔ سارے کے سارے ایک ہی مرتبہ نہیں قایم کئے گئے تھے۔ تقریباً دنیا کے سارے ممالک میں بالغان کی تعلیم کا کام محض معمولی خواندگی سے شروع ہوا۔ جب بالغان کی خواندگی نے خاص ترقی کرلی تب کہیں دوسرے قسم کے ادارے جاری کئے گئے۔ اس طرح اپنی ریاست کے حالات کے مدنظر ہمیں ابتدا میں صرف ایک ہی قسم کے مدارس جاری کرنے چاہئیں اور ان کا نام "مدارس تعلیم بالغان" رکھا جائے۔

جہاں ہم لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا سکھائیں اور ساتھ ہی عام اور مفید معلومات بھی ان کے کان میں ڈالیں۔ اس منزل میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ دیہی اور شہری مدارس کے لئے علحدہ علحدہ نصاب رکھا جائے۔ جب ہمارا مقصد اقل ترین خواندگی کا پھیلانا ہے تو مختلف نصاب کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہاں اس امر کی کوشش ضرور کی جائے گی کہ ایک ہی درسی کتاب میں دیہاتیوں اور شہریوں کے خاص خاص مذاق کی چیزیں جمع کردی جائیں۔ دونوں قسم کے طلبا سارے اسباق پڑھیں گے کیونکہ یہ ضروری ہے کہ سارے بالغین دیہات اور شہر کے حالات کی نسبت کم از کم اتنی واقفیت ضرور رکھیں جو ان کے لئے ناگزیر ہے۔ ان مدارس میں تعلیم صرف دنیاوی امور کی دی جائے۔ نصاب میں مذہبی تعلیم نہ رکھی جائے۔ اس کے وجوہ کا ذکر نصاب میں آئے گا۔ لیکن اگر مذہبی تعلیم کا مطالبہ کیا جائے اور دوسرے اسباب اس کی اجازت دیں تو نصاب میں مذہبی تعلیم شریک کرلی جائے گی۔ موجودہ اسلامی سنسکرت۔ اور وید سے متعلق مدارس اپنے حلقہ کو وسیع کرکے مذہبی تعلیم کا کام اپنے ذمہ لے سکتے ہیں۔ اس قسم کے مدارس کی موجودہ تعداد (۲۰) ہے۔ ۱۶ دینیات کے اور چار سنسکرت اور وید کے۔ ان مدارس کے طلباء کی تعداد مجموعی (۱۲۲۱) ہے

ان میں سے بعض میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دی جاتی ہے ۔
کمیٹی اس امر پر زور دیتی ہے کہ جہاں حالات اجازت دیں مذہبی تعلیم دی جاسکتی ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھاکر فرقہ واری بنیاد پر مدارس ہرگز قایم نہ کئے جائیں اس فرقہ وارانہ طریقہ پر تعلیم دینے سے بالغان کے لئے مشترک مدارس میں تعلیم پانے کا عظیم الشان موقع جہاں ایک ہی جگہ مختلف قوموں کے لوگ جمع ہوں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک ہی خوش گوار سماجی فضا میں رہیں گے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ہم کو اب تک فرقہ وارانہ اداروں کا بہت کچھ تجربہ ہو چکا ہے اور ہم ان کے مضر اثرات دیکھ چکے ہیں اب عمل کے نئے میدانوں میں ان سے گریز ہی اچھا ہے ۔

کمیٹی کی رائے ہے کہ پورا نصاب تعلیم دو سال پر مشتمل ہو۔ جس میں سے ابتدائی چھ مہینے تحتانی نصاب پر صرف ہوں اور باقی ڈیڑھ سال اعلیٰ نصاب پر صرف کئے جائیں۔ پہلے چھ مہینوں میں بالغ شخص کو اس کی مادری زبان میں لکھنا پڑھنا سکھایا جائے۔ لاکھ تک ہندسوں اور علم حساب کے چار ابتدائی قاعدوں سے واقف کرایا جائے۔ جو تعلیم بالغ شخص کو اس مدت میں دی جائے گی وہ اس اقل ترین تعلیم کے مماثل ہوگی جو مردم شماری کی روئیداد کی تعریف کی رو سے ایک آدمی کو خواندہ مانتی ہے ۔

اس امر کا امکان ہے کہ طلبار کی معقول تعداد اس منزل میں مدرسہ چھوڑ بیٹھے اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ جو کچھ تھوڑا بہت انھوں نے اس مدت میں پڑھا ہے آگے چل کر بھول جائیں گے۔ اس سے بچنے کی یہ صورت نکالی جاسکتی ہے کہ ان کی خواندگی قایم رکھنے کے لئے سعی بلیغ کی جائے اور ارتباط رکھ کر مختلف طریقوں سے ان کی مدد کی جائے ۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ بچپن میں دو سال تک تعلیم پاتے ہیں بڑے ہونے کے بعد ان پڑھ بن جاتے ہیں۔ تو کوئی تعجب نہیں معلوم ہوتا اگر بالغ صرف

چھ مہینے تعلیم پانے کے بعد پھر کورے ہو جائیں۔ بالغوں کے ان پڑھ نہ ہونے کی امید صرف اس سے کی جاسکتی ہے کہ بچے جو تعلیم پاتے ہیں تو نہ ان کا معین مقصد ہوتا ہے اور نہ علم کی حقیقی پیاس ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے بالغ اپنا کام ایک جداگانہ دماغی کیفیت کے تحت انجام دیتے ہیں۔ مزید برآں بالغ شخص محدود وقت میں چھوٹے بچے کی نسبت بہت زیادہ سیکھتا ہے۔ چھ مہینے کی مدت اس کو معقول طور پر خواندہ بنانے کے لئے کافی ہونی چاہئے۔ بعض اشخاص کے تجربوں کے مطابق بچے کے مقابلہ میں بالغ آدمی پانچ گنا تیز رفتاری سے سیکھتا ہے۔ چونکہ ہم محض معمولی خواندگی پر ہی اکتفا نہیں کر سکتے اس لئے جتنے زیادہ بالغ اشخاص اعلیٰ نصاب کے لئے روکے جاسکتے ہیں ان کے روکنے کی کوشش کی جائے۔

پہلے چھ مہینوں کا نصاب (خواندگی کا نصاب)

(۱) الف۔ اس مدت میں یہ توقع رکھنی چاہئے کہ بالغ شخص پچاس صفحات کا قاعدہ پڑھ لے اس میں ابتدائی مرحلہ کی عام چیزوں کے علاوہ دس بارہ قصے ہوں۔ جن کی زبان بہت سادہ ہو۔ اور بالغ شخص کے لئے دلچسپ ہوں۔ اس سے یہ بھی توقع رکھنی چاہئے کہ وہ لکھنے کا کام بہت کچھ کر لے گا۔

(ب)۔ اس کو لاکھ تک گنتا اور چار بنیادی قاعدے سیکھنا چاہئے۔ ضرب اور تقسیم کے سوال میں مضروب فیہ اور تقسیم کنندہ عام طور پر دو ہندسوں کے ہوں۔ پہاڑے ۱۰ × ۱۰ تک ۱۲ اور ۱۶ کے پہاڑوں کے ساتھ سکھائے جائیں۔

دوسرے چھ مہینوں کا نصاب

(۲) الف ۔ اس میقات میں طلبار نصاب کی پہلی کتاب پڑھیں گے۔ جس میں تقریباً (۱۵) سبق ہوں گے ۔ جو (۷۵) صفحات پر مشتمل ہوں گے۔ یہ اسباق ایسے مضامین پر مشتمل ہوں جن میں بالغوں کی دلچسپی کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔ مثلاً شہری زندگی ۔ صفائی حفظ صحت۔ امداد باہمی۔ کفایت شعاری ۔ بڑے آدمیوں کے سوانح حیات۔ ہمارا اکل و شرب وغیرہ ۔

کتاب میں آسان بیانیہ نظمیں جن سے کوئی نہ کوئی اخلاقی نتیجہ مستنبط ہو گا۔ شریک ہونگی ۔

ب ۔ سادہ اور مرکب حسابی مسائل جو بنیادی چار قاعدوں پر مبنی ہوں اسی میقات میں سکھائے جائیں گے ۔ ان کا تعلق غریب طبقوں کی روزمرہ زندگی سے ہوگا۔ سود مفرد ۔ روزمرہ کی ضروریات زندگی کی خرید ۔ شرح تبادلہ کا حساب وغیرہ اس منزل میں طلبار کے کام کا غالب حصہ ہو گا۔

اگر طالب علم اس منزل میں مدرسہ چھوڑ بیٹھے تو اس کے ان پڑھ بن جانے کا اندیشہ زیادہ نہ رہے گا۔ لیکن یہ بہت ضروری ہے کہ اس کو خواندوں کی صف میں دائمی طور پر کھینچنے کے لئے اور تعلیم سے حقیقی اور مستقل دلچسپی پیدا کرنے کے لئے مزید ایک سال کا نصاب رکھا جائے۔

دوسرے سال کا نصاب ذیل میں درج ہے

الف ۔ اس میقات میں جو کتاب پڑھائی جائے گی وہ (۲۰۰) صفحوں پر

مشتمل ہوگی درج ذیل موضوعوں پر اسباق ہوں گے۔

(۱) ہمارے فرمانروا۔ (۲) روزمرہ کی زندگی میں سائنس کا دخل۔ (۳) ہم پر کس طرح حکومت کی جاتی ہے (۴) صفائی (۵) حفظ صحت۔ (۶) ہمارا کھانا پینا۔ (۷) پہلی امداد (First Aid) (۸) عظیم ہستیاں (۹) تاریخی اسباق (۱۰) دنیا (جغرافیہ) (۱۱) زراعت (۱۲) شہری زندگی۔ (۱۳) ذرائع حمل ونقل (۱۴) ٹپہ اور تار برقی۔ (۱۵) امداد باہمی (۱۶) باغبانی۔ (۱۷) کفایت شعاری (۱۸) توہمات (۱۹). ۵۔ اشعار سادہ اور اخلاق آموز۔

یہاں پر یہ نظر آئے گا کہ پہلی کتاب کے موضوع بھی دوسری کتاب میں شریک کر لئے گئے ہیں۔ دوسری کتاب میں معلومات زیادہ مکمل اور پہلی کی نسبت معیار میں بلند ہوں گے۔ بعض موضوعوں پر تین چار سبق ہوں گے اور ہر سبق اوسط طور پر چھ سات صفحوں پر مشتمل ہوگا۔ ہر سبق کے تحت مزید تفصیلات جو کتاب مرتب کرنے والے کے لئے کم وبیش ہدایات کے کام آئے گی۔ ضیمہ الف میں دے دی گئی ہیں ان تفصیلات پر نظر ڈالنے سے عام پڑھنے والے کو ان معلومات کا سرسری تصور ہو جائے گا جن کو ان کتابوں کے ذریعہ سے طالب علموں تک پہنچانا مدنظر ہے۔

تاہم یہ ضروری ہے کہ یہاں چند الفاظ اس امر کے متعلق کہے جائیں کہ یہ موضوع ان کتابوں میں کس طرح پیش کئے جائیں گے۔ ان موضوع کے متعلق خصوصی فن واری معلومات پیش کرنے کی کوشش ہونی چاہئے۔

نظریہ بتانے کا طریقہ قطعاً ترک کیا جائے۔ اصل مقصد یہ ہونا چاہئے کہ یہ معلومات ہر کس وناکس کے لئے بھی مفید اور دلچسپ ہوں۔ انداز بیان ہمدردانہ ہو اس میں کسی قسم کی علمی نمایش اور تفوق کی شان نہ رہے۔ ان کتابوں کے لکھنے والے کو غریب طبقے کے لوگوں سے ہمدردی ہو۔ اس کو ان کی ضروریات اور ان کے محدود ذرائع سے واقفیت ہونی چاہئے۔ اس میں یہ قدرت بھی ہو کہ وہ خود کو ان لوگوں کی سطح پر لاکر کھڑا کرے تاکہ ہر موضوع کے مطالب کو اس انداز سے پیش کرے کہ

ان کو بہائے اور ان کی دلچسپیوں کو ابھارے ہمارا مطلب واضح ہو جائے گا اگر ہم وہ ایک مضمون لے کر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان پر بحث کریں۔ مثلاً تاریخ کے موضوع کے تحت خاندانوں اور منفرد فرمارداؤں کے نام دینا۔ ان کا جنگ کرنا فتوحات حاصل کرنا اور اسی طرح اُن کے دوسرے کارنامے وغیرہ۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ بالغ شخص کو تاریخ کی ان خشک ہڈیوں میں کوئی مزا نہیں ملتا۔ اس کے بجائے موضوع کو اس طرح پیش کیا جائے کہ جس سے اس ملک کے باشندوں کی تمدنی تاریخ سامنے آجائے ان مدارج کا حال بیان کیا جائے جن کو طے کرتے کرتے ہم موجودہ سطح پر پہونچے ہیں۔ اس سے غیر ضروری تفصیل نکل جاتی ہے اور بالغ شخص کا تخیل جاگ جاتا ہے اور اس کے سامنے ایک صحیح تصور آجاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سبق طاعون یا ہیضہ سے متعلق ہو تو اس میں سائنس کی مہمل بکواس نہ ہو۔ نہ اس میں علاج کا وہ طریقہ ہو جس پر ایک باقاعدہ معالج کاربند ہو گا۔ بلکہ اس میں مرض کے عام اسباب کا ذکر ہو۔ اور اس کے روک تھام کے طریقے بیان کئے جائیں وغیرہ۔

اس سے یہ ہوگا کہ عام بالغ اشخاص کے ذہن سے یہ بات دور ہو جائے گی کہ مرض کسی دیوی کے غیظ و غضب کا نتیجہ ہے یا اندھی قسمت پرستی کا فیصلہ۔ اس سے وہ سمجھنے لگ جائیں گے کہ مناسب طریقے سے ٹھیک وقت پر احتیاط کرنے سے وہ بخوبی اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

(ب)۔ حساب کا نصاب سال اول کے نہج پر ہونا چاہیئے۔ سال اول میں جو سوالات حل کرائے جائیں گے ان سے مشکل تر سوالات سال دوم میں حل کروائے جائیں۔ اس کے سوا کسور۔ وقت اور کام۔ شراکت اور نفع نقصان کے سوالات بھی حل کرائے جائیں مسطحات کے سادہ سوالات جس میں رقبوں کی تخمین کا اور مساحت کے ابتدائی سوالات جو دیہاتیوں کے لئے کھیتی وغیرہ کے کام میں مفید ہوں نصاب میں شامل کئے جائیں۔ بشرطیکہ یہ سوالات اربعہ متناسبہ کے سادہ طریقے سے حل کئے جاسکیں۔

السنہ کی تعلیم کے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں وہ حساب کی تعلیم پر بھی منطبق ہوں گی۔ بچوں کی کتابوں کی نسبت بالغوں کی کتابوں کی تالیف میں ان امور پر زیادہ ہمدردانہ توجہ کی ضرورت ہے۔

ان مدارس میں تعلیم کی کامیابی کا انحصار کچھ تو ان کتابوں پر ہے جو بالغین کی تعلیم کے لئے تالیف کی جائیں۔ اور کچھ مدرس کی وجاہت اس کی ہمدردی اور اس کے طریقہ کار سے متعلق ہیں لیکن اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

نصاب کے مطالعہ سے دو باتیں واضح ہوں گی۔ اول یہ کہ نصاب صرف السنہ اور حساب کی تعلیم پر مشتمل ہے۔ نصاب تعلیم میں جن مختلف مضامین کی عام طور پر تعلیم دی جاتی ہے ان کے لئے یہاں پر کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ثانیاً یہ کہ مذہبی تعلیم کو اس نصاب میں جگہ نہیں دی گئی ہے۔ نصاب تعلیم صرف دنیوی امور سے متعلق ہے۔

اول الذکر کو نظر انداز کرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ دو سالہ نصاب کے دوران میں بالغین کو ہم جس نوعیت کی تعلیم دینا چاہتے ہیں اس سے زیادہ اس کو کچھ نہیں بتلایا جا سکتا۔ اگر ہم زیادہ تعلیم دینا بھی چاہیں تو وہ اس کو اخذ نہ کر سکے گا ضرورت کی حد تک وہ اسی قدر تعلیم کا محتاج ہے۔ جیسا کہ کوئی اور دوسرا شخص۔ لیکن نہ تو اس کی ذہنی استعداد اور نہ معاش پیدا کرنے کی وجہ سے وقت کی کمی اجازت دیتی ہے کہ وہ اس سے زیادہ علم حاصل کر سکے۔ جو اس کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔

اس لئے دوران تعلیم السنہ میں جہاں تک ممکن ہو مفید معلومات پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف موضوع درسی کتاب میں رکھے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت معقول معلومات پیش کرائے گئے ہیں۔ اس سے زیادہ کی کوشش کرنا ایک امر محال کے حصول کی سعی ہوگی۔

دوسرا یعنی مذہبی تعلیم کا فریضہ غالباً بعض اشخاص کی نظر میں زیادہ نمایاں

ہو اس لئے مزید توضیح کی ضرورت ہے اولاً مدارس بالغان کم عمروں کے مدارس سے قدرتاً بہت مختلف ہوتے ہیں۔ مدارس بالغان منظم کرنے کا خاص مقصد ایسے بالغ اشخاص کو تعلیم دینا ہے جو پہلے سے اپنا ایک قطعی مذہبی نصب العین رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف عام مدرسوں میں مذہبی تعلیم کی ابتدا ہوتی ہے اور سارے قوی کی کامل تربیت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ہم بچوں کے مدرسہ میں جسمانی تعلیم، نقشہ کشی، دستی مشاغل۔ اور دوسرے گوناگوں مضامین کی تعلیم دیتے ہیں۔ کیا ہم ممکنہ طور پر بحث کر سکتے ہیں کہ آیا مدرسہ بالغان میں بھی ان تمام مضامین کا انتظام کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس قسم کی بحث بے سود ہوگی۔ اس کے سوا مدرسہ میں پڑھنے والے بالغ لوگ مختلف فرقوں کے اور مختلف عقاید کے پیرو ہوتے ہیں۔ مختلف فرقوں کے لوگوں کے لئے مذہبی تعلیم کا انتظام کرنا نہ صرف مشکل بلکہ زیر غور مدارس میں پیچیدگیاں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ جہاں بالعموم مدرس جیسا کہ ہونا چاہئے نہیں ملتا۔ اور دینیات جیسے مضمون کو تشفی بخش طور پر نہیں پڑھا سکتا۔ اگر دینیات کی تعلیم ایسی نہیں ہو سکتی جیسی ہونی چاہئے تو بہتر ہے کہ اس کی تعلیم ہی نہ دی جائے۔ اس کے جواب میں شاید یہ کہا جائے کہ یہ خیال عام مدارس کے لئے بھی درست ہو سکتا ہے وہاں بھی مختلف عقاید رکھنے والے بچے جمع ہوتے ہیں پھر بھی دینیات کی تعلیم کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

معاف کیجئے اگر ہم یہ کہیں کہ ایسے مدارس کے بارے میں بھی بعض مقامات پر کافی بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ تمام فرقوں کی مذہبی ضرورتوں پر توجہ نہیں دی جاتی۔ یہ دانشمندی نہیں معلوم ہوتی کہ ایسی بے اطمینانی کے پیدا ہونے کا مدارس بالغان میں بھی موقع دیا جائے۔ ہمارا خاص مقصد تعلیم بالغان سے دماغوں کو جگا دینا ہے بالغ لوگ پہلے سے دینیات کے ضروری معلومات بہم پہونچا ئے جائیں اگر مدارس بالغان میں دینیات کی تعلیم کا انتظام بھی کر دیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ انہیں اتنا ہی سکھانا کافی ہے تو بھی اس سے کوئی خاص کارآمد مقصد حاصل نہیں ہوتا سوا اس کے کہ اپنے سابقہ معلومات کو وہ بار بار حاصل کریں کیونکہ

تعلیم دینیات کے موئدین کی ایک احتمالی تجویز پر پیش از پیش غور کرنا چاہتی ہے کہ اگر تعلیم بالغان کے نصاب میں تعلیم دینیات کو داخل کرنے میں خاص طور پہ یہ دشواری ہو کہ مختلف اقسام کے لوگ ان مدارس میں پڑھتے ہیں تو علیحدہ مدارس علیحدہ فرقوں کے لئے جاری کئے جا سکتے ہیں۔ کمیٹی اس کا یہ جواب دینا چاہتی ہے کہ یہ تجویز بالغان کے بنیادی مقصد کو تمام تر نظر انداز کرتی ہے اور ایک مضمون کو غیر واجبی اہمیت دیکر غیر ضروری اور اٹل پیچیدگیاں پیدا کرتی ہے۔ مثلاً سویڈن کے مدارس بالغان میں تمام سیاسی اور مذہبی اختلاف کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ ان اداروں نے آزاد اور معقول آراء زندگی کی اہمیت کو سمجھنا اور اس کا احترام کرنا اور اس طرح شراب نوشی۔ احمقانہ تضیع اوقات اور بدنظمی کے لئے رہبرانہ اشتعال وغیرہ کو رفع کرنا اپنا مقصد بنایا۔ اگر یہ جوش طلباء میں صحیح طور پہ پیدا ہو جائے تو مدارس بالغان کا کیا ذکر کسی مدرسہ میں بھی مزید کام کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس مقصد کے پیش نظر اس امر کی احتیاط کی گئی کہ درسی کتاب میں مشاہیر کی کہانیاں جو بڑے بڑے مذاہب کے نمایندے ہوں، اس صداقت کو نمایاں کرتے ہوئے شریک کی جائیں گی کہ تمام مذہبی رہبروں کا بنیادی نصب العین۔ زندگی اور یہ صداقت طلباء کے ذہن نشین کر دی جائے کہ مذاہب مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے والی قوت کا کام دیں اور ایسا نہ ہو جیسا کہ بدقسمتی سے بعض اوقات مذاہب نفرقہ اندازی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس کے بعد زندگی کے اخلاقی پہلو کو نمایاں کیا جائے۔ آخر اخلاقیات ہے کیا۔؟۔ دینیات، ممکنہ وسیع ترین معنوں میں، سب سے بڑا مشترک جزو جو انسانی ساعی میں جاری وساری ہے اور وہ اصل الاصول ہے جس سے تمام انفرادی مذہب بنتے ہیں۔ اس طرح تمام مشاہیر کے حالات جو درسی کتاب میں شامل ہوں گے اخلاقی تعلیم کی ضرورتوں کو پورا کریں گے۔ اگر اس سے زیادہ اخلاقی تعلیم کی ضرورت محسوس ہو تو کتب خانہ بالغان سے اس کمی کو پورا کیا جائے۔

اس کام کے لئے جو ادارے فی الحال کام کرنے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں

سرکاری اور امدادی مدارس ہیں۔ لیکن جب ہم کام کی وسعت پر نظر ڈالتے ہیں تو کچھ زیادہ قابل قدر نتائج حاصل کرنے کی توقع نہیں کر سکتے اگر ہم کام کو ان مدارس تک محدود کردیں۔ خانگی جدوجہد اس کی امداد کے لئے ہونی چاہیئے۔ کسی مقصد کی کامیابی کے لئے رضاکارانہ اداروں کا سرکاری اداروں کی امداد کرنا ضروری ہے۔

مغرب میں فی الحقیقت یہ کام شروع ہی سے اکثر محض رضاکارانہ اداروں کے ذمہ رہا ہے۔ اور یہ قدرتی ہے کیونکہ وہاں ابتداءً خود عوام کی طرف سے ہوئی۔ حکومت بہرحال تمام ممکنہ امداد کرے گی اور کچھ نگرانی بھی رکھے گی۔ ہمارے ملک میں عوام نے ابھی تک تعلیم کی قدروقیمت کو نہیں پہچانا ہے۔ اس لئے قدرتاً حکومت کو ابتداء کرنی ہے۔ لیکن اگر اس تحریک کو صحیح معنوں میں ہر دل عزیز ہونا ہے تو رضاکارانہ اداروں کو یہ کام بتدریج اپنے ذمہ لے لینا چاہیئے۔ حکومت کو ہر وقت تمام ممکنہ امداد دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ چونکہ یہ ضروری ہے کہ اس تحریک کو صحیح اصولوں پر چلایا جائے اور تنظیم میں ایک طرح کی ہم آہنگی برقرار رہے اس لئے تمام مدارس بالغان پر حکومت کی نگرانی ہونی چاہیئے۔ تاہم اس کا خیال رہے کہ حکومت کی نگرانی مدارس کی آزادانہ اور صحت مند ترقی کو روکنے نہ پائے۔

اولاً ہر مدرسہ سے یہ خواہش کی جائے کہ وہ تعلیم بالغان کا ایک طبقہ بالالتزام رکھے اور اساتذہ ان جماعتوں کے کام پر پوری توجہ کریں۔ وقت نامے ان کے باقاعدہ کاموں کے لئے ترتیب دیئے جائیں۔ ان مدارس میں جہاں مدرسین اس کام کے لئے نہیں دیئے جا سکتے۔ زاید مدرسین ان مدارس کی ملحقہ زاید جماعتوں کو پڑھانے کے لئے مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ تعلیم بالغان کی جماعتیں تمام تربیتی مدارس میں کھولی جا سکتی ہیں اور اساتذہ زیر تعلیم سے معتدبہ کارآمد کام لیا جا سکتا ہے۔ زیر تربیت مدرسین بطور تجربہ اپنی تربیت کے زمانہ میں بالغوں کی جماعتوں کو پڑھا کر ضمناً زیادہ فائدہ حاصل کریں گے اور اس طرح تعلیم بالغان میں بھی تجربہ حاصل کریں گے جو ان کے لئے کارآمد ثابت ہوگی جب کہ وہ اپنے مدارس کو واپس ہوں گے اور ان سے بالغوں کی جماعتوں کا

افتتاح کر کے ان کو چلانے کی خواہش کی جائے گی۔ ایک مختصر نصاب تعلیم بالغان کا ان تمام مدرسین کے نصاب میں شامل کرنا چاہئے جو کسی تربیتی ادارے میں زیر تربیت ہوں۔

اعزازی کارکن انفرادی یا اجتماعی جن میں سماجی خدمت کا جوش ہو۔ اساتذہ جامعہ، طلبا کلیہ اور دوسروں کا اشتراک عمل حاصل کیا جاسکتا ہے۔ طلبار کی ہمت افزائی کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی طویل موسمی تعطیلوں میں گاؤں گاؤں سفر کر کے مفید امداد دیں۔ صوبہ جات متحدہ میں انجمنوں نے سیوا اسیمتی بلدی اور مقامی اداروں نے اپنے ہاتھ میں کام لے لیا ہے۔ اور اس تحریک کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ ایک نہایت اہم امر پر دوبارہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ کہ آغاز ہی سے کام ایک خاص نظام اور قطعی منصوبہ کے تحت چلایا جائے۔ تعلیم بالغان کا کام اتنا اہم ہے کہ وہ غیر منظم اور متفرق کوششوں کے تفویض نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے جوں ہی ایک قطعی منصوبہ تیار ہو جائے تو پھر واقعی کام شروع کر دیا جائے۔ حکومت کو ایک خاص شاخ محکمہ تعلیمات میں کھولنا چاہئے اور ایک خاص افسر کو تعلیم بالغان کا ذمہ دار بنانا چاہئے۔ تعلیم بالغان پر نگرانی رکھنے اور ان تمام مختلف مصروفیات کی جو ان مدارس میں ہوتی ہیں رہبری کرنے کے علاوہ ان تمام تعلیم بالغان کے اعزازی کام کرنے والوں کا ایک رجسٹر رکھے گا اس کام کے مرکزوں کی تنظیم کرے گا اور ایسے کارکنوں کو باقاعدہ طریقہ پر کام کرنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائے گا اس کا فریضہ دوسرے الفاظ میں یہ ہوگا کہ وہ ان متعدد اداروں کے ساتھ اشتراک عمل کرے جن کو حکومت کسی مخصوص مجوزہ منصوبہ کے تحت قایم کرے۔ کمیٹی کی یہ تجویز نہایت اہم ہے۔ اگر حکومت ریاست حیدرآباد میں خواندگی کی ترویج کی قدر و قیمت کا پورا پورا اندازہ کرے اور آیندہ کام کا منصوبہ تجویز کرے۔ جب تک ایسا انتظام نہ ہو موجودہ مدارس اور محکمۂ تعلیمات کے معائنہ کرنے والے افسروں سے کام چلانے کی خواہش کی جاسکتی ہے۔

عمارتوں کے متعلق یہ طے کیا گیا ہے کہ مدرسوں کی عمارتوں میں بالغ لوگوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ چونکہ وہاں کئی ایک سہولتیں جیسے فرنیچر۔ آلات تعلیمی وغیرہ کی

فراہمی ہوسکتی ہے۔عام مقامات جیسے دفاتر اور گاؤں میں چاوڑیاں بھی کام میں لائی جاسکتی ہیں۔اصل اصول یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے عمارتوں کے کرایہ کا کم سے کم خرچ عائد ہو۔مدارس جاری کرنے اور ان کو چلانے کے علاوہ اس امر کے اطمینان کے لئے تدابیر اختیار کرنی چاہئے کہ بالغ لوگوں کو جو مدارس چھوڑتے ہیں زیادہ پڑھنے اور اپنی معلومات وسیع کرنے کے مواقع حاصل رہیں ورنہ جہالت کی طرف پھر لوٹ جانے کا ہمیشہ اندیشہ باقی رہے گا۔اس مقصد کے لئے کتب خانوں اور مطالعہ گھروں کا جال ریاست حیدرآباد کے طول وعرض میں بچھادیا جانا چاہئے۔ان کتب خانوں میں بالغ لوگوں کے لئے ایسی کتابیں رکھی جائیں جو ان کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں اور کارآمد ومفید موضوع سلیس زبان میں لکھے گئے ہوں جیسے مسائل صحت وحفظ صحت۔امداد باہمی۔شہری زندگی۔زراعت اور گھریلو صنعتیں۔ریاست کی مختلف زبانوں میں ایک روزنامہ یا رسالہ جاری کرنے کی تجویز بے محل نہ ہوگی اس قسم کے کام کے اخراجات بمقابلہ اس کے افادات کے کچھ زیادہ نہ ہوں گے۔صوبہ جات متحدہ میں بالغوں کے لئے ایک رسالہ "روشنی" کے نام سے شایع کیا جاتا ہے۔ایسے مفید معلومات جن کی کاشتکاروں کو ضرورت ہوتی ہے اس رسالہ میں شائع کئے جاتے ہیں اور جو ملک کے نظم ونسق میں بھی بلا واسطہ مد ہوتے ہیں۔آخر میں یہ بات بھی ظاہر کرنی ہے کہ بالغوں کی مزید تعلیم کے لئے بغور مرتب کئے ہوئے پروگرام کے تحت طلسمی فانوس۔ریڈیو۔اور سینما سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔

رقم کے سوال کی تفصیلات میں پڑنے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔اگر ایک موزوں منصوبہ اختیار کرکے کام ہاتھ میں لے لیا جائے تو قابل حصول فنڈوں کے تناسب سے رقوم کی تحدید ممکن ہو جائے گی۔

ایسے منصوبہ کی عدم موجودگی میں جو کچھ بھی کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ (۵) روپیہ ماہوار کا استاد بشمول اخراجات روشنی وغیرہ (۳۰) طلبا کی جماعت کو چلانے کے قابل سمجھا جاسکتا ہے۔ان مدارس میں تعلیم مفت دی جائے اس کے علاوہ ان میں اکثر مدارس

میں تختیاں اور کتابیں بھی مفت مہیا کی جائیں کیونکہ ابتدائی مدارج میں بالغ لوگ کسی طرح اپنی تعلیم پر کچھ خرچ کرنا پسند نہ کریں گے۔ تاہم جو بالغ فیس دے سکتے ہیں ان سے معمولی فیس لی جائے۔ بعض مقامات میں باضابطہ فیس بھی لی جاتی ہے۔ اس اصول کے تحت کہ جو کچھ مفت دیا جاتا ہے لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔ (۳۰) طلبہ کے لئے (۱۰۰) روپیہ ماہوار کی شرح سے بھی محض تحتانی تعلیم فی طالب علم (۳) روپیہ خرچ آتا ہے۔

تعلیم بالغان کے زبردست اخراجات پر نظر کرتے ہوئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر ضلع اور تعلقہ کے مستقر پر مقامی کمیٹیاں قایم کی جائیں جو بااثر اور عام طبقہ کے دلچسپی لینے والے ارکان پر مشتمل ہوں جو ان مدارس کو چلانے کے لئے فنڈ جمع کرنے میں مدد دیں۔ دیگر مختلف امور میں بھی ان کا اشتراک عمل ممد ہوگا۔ یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ محکمہ امداد باہمی اپنے دیہی تعلیم کے پروگرام پر عمل پیرا ہو کر محکمہ تعلیمات کے ساتھ ساتھ اس اہم کام کو انجام دے سکتا ہے۔ ان مقامی انجمنوں کو کسی صورت میں بھی ایسے مدارس کے کاموں میں دخل انداز نہ ہونا چاہئے جو کہ کامل طور پر محکمہ کے تحت ہوں۔ یہ انجمنیں صرف مشورہ دینے والی جماعتیں ہوں گی۔

اب چند متفرق امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ تعلیم بالغان کے لئے کس قسم کے معلم درکار ہیں۔ قبل ازیں روئداد میں کہیں کہیں اس بارہ میں حوالہ دیا گیا ہے کہ اگر سرمایہ معقول ہو تو ان مدارس میں تعلیم دینے کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ معلمین کو ہر کوئی پسند کرے گا۔ (۳۰) بالغوں کی جماعت کو تعلیم دینے کے لئے ایک معلم کا الونس اور مدرسہ کے دیگر اخراجات (۱۵) روپیہ ماہوار ہوں۔ ایسی صورت میں ایک لاکھ ان پڑھوں کی تعلیم کے لئے دو لاکھ روپیہ کی ضرورت ہو۔ چونکہ اس قلیل اجرت پر اعلیٰ تعلیم یافتہ کا فراہم ہونا محال ہے۔ اس لئے ہم صرف مڈل ٹرینڈ معلین سے کام چلانے پر مجبور ہوں گے۔ ہم کو مڈل ٹرینڈ معلین کی محدود لیاقت کا اچھی طرح علم ہے۔ کمیٹی ان معلین کی تعلیم سے کچھ زیادہ توقع نہیں رکھتی۔ لیکن جس طرح مقصد کے تعین اور ترتیب نصاب کے تحت صرف عملی نوعیت کا لحاظ مناسب سے بڑھ کر پیش نظر تھا۔

اسی طرح انتخاب معلمین کے معاملہ میں بھی زیادہ بلند پروازی کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ ایک معلم ہیں اسنادہی حقیقت میں ایسی اہم نہیں ہیں چنانچہ بعض اوقات اعلیٰ قابلیت کے معلمین بھی ناموزوں ثابت ہوتے ہیں۔جس قسم کے اساتذہ کی مدارس بالغان میں ہم توقع کر رہے ہیں۔ایسے لوگوں کو ترغیب دیکر ان کی خدمات تعلیم بالغان کے لئے حاصل کریں۔اور وقتاً فوقتاً مختصر تقریروں کا انتظام کرکے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اب طریقۂ تعلیم بالغان کے متعلق چند باتیں کہی جائیں گی۔بالغ اَن پڑھوں کے دماغوں میں کوئی خاص فرق نہیں پایا جاتا ہے۔اُن کے دماغ کی بھی ساخت عام تعلیم یافتہ بالغ شخص کے دماغ کی طرح ہوتی ہے۔سوا اس کے کہ اس کا ذخیرہ معلومات کم اور زندگی کا نصب العین تنگ اور وہموں سے بھرا ہوتا ہے۔اور جب وہ کوئی نیا کام کرتا ہے تو اس کے عمل میں تذبذب اور بے اعتمادی کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔اس کے قطع نظر اس کا ذہن بالکل ایسا ہی صحیح ہوتا ہے جیسا کسی اور شخص کا۔ایسے آدمی کے ساتھ کسی حالت میں بھی بچوں کا سا برتاؤ نہ کرنا چاہئے بالغ طالب علم کے ساتھ مدرس کے طرزِ عمل میں ہمدردی اور دوستی خاص خصوصیت ہو۔کمرہ جماعت کے طریقے جن کی پیروی عام مدارس میں کی جاتی ہے۔بالغوں کی تعلیم میں ان کی پیروی نہ کی جائے۔ایسے طریقے جو بہ نسبت نظری کے عملی ہوں اور جن کو بالغ لوگ آسانی سے قبول کرسکتے ہوں اختیار کئے جائیں۔بالغوں کی جماعتیں روزانہ دو گھنٹے شب میں (۷) اور (۱۰) بجے کے درمیان منعقد کی جانی چاہئیں اس وجہ سے ان مدارس کو عموماً مدارس شبینہ کہتے ہیں حالانکہ تمام مدارس شبینہ مدارس بالغان کی تعریف میں نہیں آسکتے۔ وجہ یہ ہے کہ مختلف عمر کے طلبا جن میں تعلیم حاصل کرنے کی عمر کے بچے بھی شامل ہیں ایسے مدارس میں بلاتفریق شریک کرا لئے جاتے ہیں اور یہی موجودہ صورت حال ہے۔ایسے مقامات پر اور ان دنوں جب کہ صباحی مدارس زیادہ موزوں ہوں اوقات تبدیل کئے جاسکتے ہیں اوقات مجوزہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔بجز اس کے کہ

عموماً یہ اوقات ان اصحاب کے لئے موزوں ہیں جو تمام دن کاروبار میں گزارتے ہیں۔ اس لئے جماعت ہائے شبینہ ان کے لئے سہولت بخش ہیں۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ طلبا کو مدرسہ آنے میں دلچسپی پیدا ہو مثلاً یہ کہ صوبہ جات متحدہ کی حکومت نے ان کے لئے حقوں وغیرہ کا انتظام کیا ہے۔ مکسیکو کے مدارس بالغان میں جہاں کے حالات ہم سے کم وبیش ملتے جلتے ہیں مرد اور عورتیں کئی میل پیدل چل کر آتے تھے اور ہر ایک متعلم اپنے ساتھ ایک چراغ لاتا تھا۔ جس کی دھندلی روشنی میں تعلیم حاصل کی جاتی تھی۔ سرما یا بارش کی انھیں مطلقاً پروا نہ تھی۔ دیگر مدارس کی طرح مدارس بالغان میں ہر ہفتہ (۶) روز کام کیا جائے جہاں تک تعطیلات کا تعلق ہے مدارس میں جس قدر تعطیلات دی جاتی ہیں اس قدر تعطیلات کی انھیں ضرورت نہیں۔ مذہبی تہوار۔ یا عیدوں اور دوسری تعطیلات کے ماسوا یہ مدارس سال بھر کام کریں۔ مقامی حالات کے لحاظ سے البتہ تعطیلات میں کچھ رعایت ہونی چاہیئے۔

اسناد۔ حوصلہ افزائی کے لئے اور اس نقطہ نظر سے کہ کاغذی اسناد کو خاص روایاتی اور جذباتی وقعت دی جاتی ہے کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ سرسری آزمایش کے بعد دو قسم کے اسناد ایک طبقہ تحتانیہ کے ششماہی نصاب کی تکمیل کے بعد۔ دوسرے دوسالہ نصاب کے بعد عطا کئے جاسکتے ہیں۔

نسوانی مدارس بالغان مدارس نسوان کا ذکر بھی یہاں پر بے محل نہ ہوگا وہ دن گئے کہ مردوں کی تعلیم پر کلیتاً زور دیا جاتا تھا اور تعلیم نسوان سے غفلت برتی جاتی تھی۔ جب عام جبری تعلیم کی اسکیم روبعمل لائی جائے تو اس کا تعلق ذکور و اناث ہر دو سے ہوگا۔ پس عورتوں کے لئے بھی مدارس بالغان کے قیام کی ضرورت ہے۔ جب تک عورتوں کی جہالت نہ مٹائی جائے گی عام جبری تعلیم کے اثرات امور خانہ داری میں سخت نفرت خیز ردعمل پیدا کریں گے جو ان مضر اثرات کے ماسوا ہوگا جن کا خود عورتوں کی زندگی سے تعلق ہے۔ مسرت کی بات ہے کہ

"کل ہند کانفرنس نسوان" اس معاملہ میں بے حد دلچسپی لے رہی ہے۔ اور اس تنظیم میں ریاست حیدرآباد کے نمایندوں نے عورتوں کی تعلیم میں جو گرم جوشی و مستعدی دکھائی ہے وہ کسی سے کم نہیں۔ ان کی مختلف صوبہ جاتی کانفرنسوں میں عورتیں نسوانی مدارس بالغان کے قیام پر زور دے رہی ہیں۔ اس ریاست میں تعلیم بالغان نسوانی کی اسکیم کو روبہ عمل لانے کے لئے کل ہند کانفرنس نسوان کی شاخ حیدرآباد سے مدد لینا چاہئے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے نصاب تعلیم میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مدارس بالغان کا خاص مقصد اشاعت تعلیم ہے عورتوں کی نصابی کتب میں چند مضامین کا شمول ضروری ہے۔ مثلاً بچوں کی نگہداشت امور خانہ داری وغیرہ جس طرح مردوں کے لئے مدارس کے قیام کی ضرورت ہے۔ اسی طرح (اگر زیادہ نہ ہو تو مضایقہ نہیں) عورتوں کے لئے مدارس کا آغاز نہایت ضروری ہے۔

بالآخر یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ محض جہالت کے مٹا دینے سے تعلیم بالغان کا مقصد کلیتاً تکمیل نہیں پاتا۔ البتہ بلند حوصلہ مقصد کو روبہ عمل لانے کے لئے یہ مناسب ابتدا ہے اگر ہمیں ان مقاصد کی تکمیل کے لئے بہتر مواقع کے انتظار کی ضرورت ہو تو اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ ان اعلیٰ مقاصد کو نظر انداز کرکے بے دلی سے کام شروع کیا جائے۔ بلکہ جو کچھ کام ہو وہ منظم پروگرام اور معین پالیسی کے تحت ہو۔ مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ممکنہ کم سے کم وقت میں بالغوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد خواندہ بنائی جاسکے۔ اس لائحہ عمل کے تحت اگر ریاست سے ناخواندگی کے استیصال کی پرجوش آرزو اور جذبہ حب الوطنی جیسے اعلیٰ جذبات کام کریں تو ہمیں قوی امید ہے کہ نمایاں اور عظیم الشان نتائج حاصل ہوں گے۔

ضمیمہ

(۱) ہمارا فرماں روا۔ تمہیدی :۔ خاندان آصفجاہی کی تاریخ ۔ تاریخ تخت نشینی۔(۲۵)
(ایک سبق) سالہ دور حکومت کے کارنامے ۔ ذات ہمایونی کی سیرت وخصائل۔
شہزادگان وشہزادیان بلند اقبال۔

(۲) ہم پر حکومت ۔ الف ۔ ریاست کی حکومت کا نظم ونسق ۔ مختلف محکمہ جات۔
کس طرح کی جاتی ب ۔ دیہی انتظام حکومت ۔
ہے ۔ (۲) سبق ۔ ج ۔ محاصل اور رعایا کے مفاد پر ان کا مصرف ۔

(۳) سائینس روزمرہ ۔ الف ۔ برقیات ۔ لاسلکی ۔ ریڈیو ۔ ٹیلیفون (ب) موٹر ۔
کی زندگی میں ۔ ہوائی جہاز ۔ ریل گاڑی ۔ دخانی جہاز ۔ (ج) عکاسی۔ گراموفون
(۳) اسباق سینما۔ (د) چھاپہ خانہ ۔

(۴) صفائی ایک سبق۔ عام خاکہ شہر و دیہات ۔ سڑکوں کی صفائی ۔ زمین دوز نالیاں
صاف اور ستھرا پانی ۔ پاک وصاف کنواں ۔ مارکٹ۔ صحت
بخش مقامات ۔

(۵) حفظ صحت ۔ الف ۔ حفظ صحت جسمانی کھیل اور اسپورٹس ۔
(۲) اسباق ب ۔ شخصی حفظ صحت اور صحت عامہ سے اس کا تعلق۔
ج ۔ غذا اور لباس میں صفائی ۔
د ۔ سماجی اخلاق ۔
ھ ۔ پرہیز ۔ احتیاط وعلاج امراض ۔
و ۔ اسباب امراض (دیوی دیوتا کے قہر سے نہیں) ملیریا
چیچک ۔ طاعون ۔ ہیضہ ۔ تپ میعادی ۔ دق تشنج ۔

(۶) مشروبات وماکولات (۲) سبق

تمہیدی:۔ (۱) غذا کی ترتیب ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ کھانے کی چیزوں میں غذائیت کا لحاظ ذائقہ پر مقدم رہے۔ پرخوری اور کم خوری کوٹے ہوئے چاول بمقابلۂ صاف کئے ہوئے چاول کے۔ گیہوں۔ جوار۔ دالوں تازہ ترکاریوں۔ میوہ اور انڈوں کی قدر و قیمت (بلحاظ غذائیت) اناج کی حفاظت۔ غذا کے لئے اوقات کا تعین۔

(۲) پانی جوش دینا۔ صاف پانی۔ ناصاف پانی بحیثیت اسباب امراض جیسے ہیضہ۔ پیچش۔ اسہال۔ تپ میعادی وغیرہ۔ چرخی دار باولیاں بہ مقابلہ زینہ دار باولیاں۔ نہریں نارو۔ قہوہ چائے یا گازدار پانی۔ شربت وغیرہ تازہ پانی۔ دودھ اور مکھن۔ (الکحل شراب کے خطرات)۔

(۷) پہلی امداد (فرسٹ ایڈ) ایک سبق

اس سے کیا مراد ہے۔ امراض کے علاج مختلف اور اس بناء پر عامی کے لئے ممکن و ضروری مختصر نصاب۔ زخم۔ احتراق۔ دورے۔ لو۔ غرقابی۔ آگ کے حادثات میں پہلی امداد۔ بچھو یا سانپ کے کاٹے کا علاج۔ صندوق الادویہ۔

(۸) مشاہیر (۳) اسباق

بلا لحاظ مذہب و ملت و زمانہ۔ سوانح مشاہیر کے مطالعہ کی ضرورت و اہمیت۔

(۱) کرشن جی۔ (۲) رامچندر جی۔ (۳) مہاتما بدھ۔ (۴) اشوک۔ (۵) حضرت عیسیٰؑ۔ (۶) حضرت محمدؐ۔ (۷) کبیر داس۔ (۸) رام موہن رائے (۹) اکبر اعظم۔ (۱۰) گاندھی جی۔ (۱۱) سر سید احمد خان۔ (۱۲) سرسالار جنگ اول۔

(۹) تاریخ (۲) اسباق

ثقافتی (تمدنی) تاریخ نہ کہ خاندانوں اور لڑائیوں وغیرہ کی فہرست "خطوط نہرو بنام دختر" کے انداز پر۔ مقصد یہ ہو کہ زندگی کے

متعلق وسیع اور معقول نصب العین متعلم کی نظر کے سامنے آجائے۔
اقوام عالم کی تقسیم کا خاکہ۔ نسلوں کا ترک وطن۔ قومیت کا
مفہوم ہندوستان اور حیدرآباد کے خاص حوالہ سے۔

(۱۰) جغرافیہ وفلکیات (۳) اسباق
مطالعہ کی قدر وقیمت۔ دنیا کے متعلق معلومات اور اس کے
متعلق وسیع النظری کائنات۔ ستارے اور سیارے۔ نظام شمسی
کسوف وخسوف۔ دن رات موسم۔
دنیا۔ خشکی اور تری۔ پہاڑ۔ آتش فشاں۔ زلزلے۔ سمندر۔ جھیل۔
جنگل۔ ریگستان۔
آب وہوا بارش۔ دنیا کے ممالک۔ پیداوار۔ پیشے۔ زراعت۔
صنعت وحرفت۔ آبادی۔ دیگر ممالک کے باشندے۔ ان کے
طور طریقے اور رسم ورواج۔

(۱۱) زراعت (ایک) سبق
(۱) حیدرآباد میں زراعتی وصنعتی کاروبار کا تناسب۔
(۲) ہندوستان کے خاص پیشے کی حیثیت سے زراعت کی اہمیت۔
(۳) موجودہ طریقے اور اس کی ترقی کی تجاویز زمین کی شناخت
جانچ۔ آلات کاشتکاری اچھے تخم۔ کھاد۔ زراعت میں انجمن ہائے
امداد باہمی کی کوششیں پیداوار کو بازار میں پہونچانا۔

( ) صنعتیں (ایک) سبق
مغرب، ہندوستان اور حیدرآباد میں کاتنا اور بننا۔ مشنیں
قالین سازی۔ ریشم۔ کاغذ۔ دیاسلائی۔ کانچ کی گڑیا۔ صابون۔
شکر اور نمک تیار کرنا۔ سونے چاندی کا بیدری کام۔

( ) شہری زندگی (ایک سبق)
(۱) شہری زندگی کی تعریف۔ شہریوں کے حقوق وفرائض۔
(۲) حکومت کے ساتھ تعاون۔
(۳) فرمانروا کے ساتھ وفاداری۔
(۴) سماجی خدمت۔

(۵) گاؤں کی پنچائتیں مقدمہ بازی سے باز رکھنے کی کوششیں۔
(۶) سماجی مساوات۔ (۷) منظم خیرات۔
(۷) انسداد بے رحمی بر جانوران۔

( ) ذرائع حمل ونقل ایک سبق
(۱) تاریخ قدیم زمانہ سے اب تک۔
(۲) پیدل چلنے والے۔ سائیکل۔ موٹر۔ ہوائی جہاز۔ جہازرانی۔ دخانی جہاز۔

( ) الف۔ ٹپہ ب۔ تاربرقی ایک سبق
(الف) قدیم زمانہ میں ٹپہ۔ بری۔ بحری اور ہوائی ذرائع آمدورفت میں حالیہ ترقیاں۔ داخلی و خارجی ٹپہ رسانی۔ کاروبار اور تنظیم۔ سیونگ بنکس۔
(ب) بیان۔ لاسلکی۔ ٹیلیفون۔ ریڈیو۔ اور دورنمائی یعنی (Television)۔

( ) انجمنہائے امداد باہمی (۲) اسباق
الف۔ تعریف (۲) اس کے مختلف پہلو۔ (۳) قرض خرید و فروخت۔ امداد باہمی اور اس کا بلند تصور۔ زراعت صنعت۔ تعمیر امکنہ (۴) حکومت کی جانب سے امداد عوام کے فرائض۔
ب۔ کفایت شعاری شخصی و سماجی پہلو۔ کفایت شعاری۔ اور اس کی تنظیم کے طریقے۔ کفایت شعاری۔ سکھانے والی انجمنیں۔ دیہی بینک کم خرچ شادیاں۔ اور دوسری تقریبیں۔ شراب خواری سے احتراز۔ سادگی بہ مقابلہ عیش و عشرت۔ قناعت پسندی۔

( ) باغ بانی و مرغ بانی ایک سبق
ترکاریوں کی قدر و قیمت۔ غذا میں میوہ اور انڈا۔ باغ بانی اور مرغ بانی کے طریقوں میں اصلاح کی ضرورت۔ جراثیم اور ان کے انسداد کی حکیمانہ تدابیر۔ مختلف قسم کے باغات اور ان کے نشو و نما کے طریقے۔ اصیل اور انجائی مرغوں کی پرورش کی ترویج۔

شربت ۔ مربے ۔ چٹنی اور اچار ۔

( ) توہمات ۔ مختلف ممالک کے توہمات ۔ ان کی حماقت اور بے علمی کی وجہ

ایک سبق ۔ سے توہمات کی وجہ خطرات ۔ تعلیم اس کا بہترین علاج ۔

( ) اشعار کل تقریباً بیانیہ نظموں کے (۵۰) اشعار جو اخلاقی نتائج پر مشتمل

(۳) اسباق ہوں ۔

ذیلی کمیٹی تعلیم بالغان

کے

مُرممہ و منظور شدہ سفارشات

(۳)

(۱) مدارس بالغان جنہیں ہم قایم کرنا چاہتے ہیں دو قسم کے ہوں ۔

الف ۔ ابتدائی مدارس بالغان ۔

ب ۔ اعلیٰ مدارس بالغان ۔

(۲) اول الذکر مدارس میں مدت تعلیم چھ مہینے ہو ۔ اور ثانی الذکر میں ڈیڑھ سال جس کے دو حصے ہوں گے ۔ پہلی میقات چھ مہینے کی ۔ دوسری ایک سال کی

(۳) ان مدارس کا اولین مقصد لکھنا پڑھنا اور حساب کے ذریعہ تعلیم کی اشاعت ہونی چاہئے ۔ پہلی قسم کے مدارس میں نوشت و خواند کے لئے خاص کتابیں تیار کی جائیں ۔ حساب کی حد تک ایک لاکھ تک ہندسوں کا لکھنا ۔ چار بنیادی قاعدوں پر سادہ سوالات حل کرنا (۱۰ × ۱۰) تک پہاڑے ۔ حساب بازاری لین دین

سے پڑھانا چاہیے۔

اعلیٰ مدارس بالغان میں خاص کتب کے ذریعہ نوشت و خواند اور کسی قدر زاید حساب۔ کتب ایسے موضوعات پر ہوں گی جن سے بالغوں کو دلچسپی ہو۔ ایسے معلومات مہیا کئے جائیں جن سے ناخواندہ شخص کو بہترین زندگی بسر کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔

جو مدارس بالغان خاص فرقہ کے لئے قائم ہوں ان میں بہ حصول اجازت دینیات و اخلاقیات کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔

(۴) جہالت کی طرف عود کرنے سے بچانے کے لئے کتب خانہ اور دار المطالعہ کی تنظیم ہونی چاہیے۔ سینما۔ ریڈیو۔ اور طلسمی فانوس سے بھی امداد لی جائے گی۔

(۵) محکمۂ تعلیمات غیر سرکاری ذرائع کی امداد اور تعاون سے ان مدارس کو قائم کرے گا۔ تعلیم بالغان کی اشاعت کے لئے تعلقوں اور اضلاع میں کمیٹیاں قائم کی جائیں گی۔

(۶) مدرسہ کی عمارت دفتر گاؤں کی چاوڑی پر تعلیم بالغان کا انتظام کیا جائے گا۔

(۷) تعلیم مدرسوں کے عام اساتذہ یا ایسے مدرسین دیں گے جن کا خاص طور پر تقرر ہو۔ عموماً شام کے وقت تعلیم دی جائے گی ایسے مدرسین کو ہر مدرسہ کے لئے جس میں بالغ تعلیم پانے والوں کی تعداد (۳۰ تا ۵۰) ہو ۱۵ روپیہ بہ شمول اتفاقی اخراجات بطور الونس دئے جائیں گے۔

(۸) حیدرآباد کی خواتین کانفرنس کے اتحاد عمل سے اس نہج کے مدارس بالغان برائے نسوان قایم کئے جائیں گے۔ جیسے ذکور کے لئے قائم ہوں گے۔

(۹) دو قسم کے اسناد خواندگی عطا کئے جائیں۔ ایک ششماہی نصاب کی تکمیل اور دوسرا دو سالہ نصاب کی تکمیل کے بعد۔

(۱۰) پوری اسکیم کو ایک معین منصوبہ اور معینہ مدت میں رو بہ عمل لایا جائے۔

(۱۱) ایک مرکزی بورڈ قایم کیا جائے جو پبلک سررشتہ تعلیمات اور دیگر سررشتہ جات کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔اس کی شاخیں اضلاع میں بھی قایم کی جائیں۔ تاکہ تعلیم بالغان کے اہم کام کو خاطر خواہ چلایا جاسکے۔

شذرات

ریاست حیدرآباد میں تعلیمی تنظیم حکومت سرکار عالی کا پریس نوٹ

حکومت سرکار عالی نے وہ تجویزیں منظور کرلی ہیں جو مجلس تعلیم ثانوی کی جانب سے ریاست میں تعلیمی تنظیم کے بارے میں پیش کی گئی تھیں۔یہ تجویزیں وسیع اصلاحات پر مشتمل ہیں جن کا تعلق لڑکیوں کی تعلیم سے نیز فنی تعلیم کو نصاب میں داخل کرنے اور امتحانات کے بار کو کم کرنے سے ہے۔ادنیٰ ثانوی مراحل میں لڑکیوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ریاست کی چاروں زبانوں میں سے کسی ایک زبان کو بطور ذریعہ تعلیم پسند کریں۔

اس نئی اسکیم میں تعلیم کی پوری مدت جو جماعت اول سے بی۔اے کے امتحان تک چودہ سال مقرر کی گئی ہے۔چار جدا جدا منزلوں میں تقسیم کی گئی ہے۔یعنی تحتانی منزل، ادنیٰ ثانوی منزل، اعلیٰ ثانوی منزل، اور جامعی منزل۔پہلی دو منزلوں کی مدت تعلیم چار چار سال ہے اور آخری دو کی تین تین سال۔تحتانی منزل میں (جس میں جماعت صغیر شامل نہ ہوگی) کم از کم ایک اور سال کی تعلیم کا انتظام ان طلبا کے لئے کیا جائے گا جو اس کو ختم کرکے ثانوی مدارس میں داخل نہ ہونا چاہتے ہوں۔جامعی امتحانات کے علاوہ دو سرکاری امتحانات مقرر کئے گئے ہیں۔پہلا امتحان ادنیٰ ثانوی منزل (جماعت پنجم سے جماعت ششم تک) کے ختم پر لیا جائے گا اور دوسرا امتحان اعلیٰ ثانوی منزل (جماعت نہم سے جماعت یازدہم تک) کے ختم پر لیا جائے گا۔یہ امتحانات علی الترتیب امتحان ادنیٰ ثانوی

) Lower Secondary stage (اور اعلیٰ ثانوی (Higher Secondary stage) کے نام سے موسوم ہوں گے۔

مجلس نے ثانوی تعلیم کی کمیٔ تنظیم کے لئے جو تجویزیں پیش کی ہیں وہ بہت دورس ہیں۔ امتحانات کا بوجھ گھٹانے کے لئے ادنیٰ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی ہر دو منزلوں کا نصاب امتحانی مضامین اور غیر امتحانی مضامین میں تقسیم کیا گیا ہے اعلیٰ ثانوی منزل تین شعبوں میں تقسیم ہو گی۔

الف۔ شعبہ فنون ب۔ شعبہ ریاضی وسائنس ج۔ شعبہ حیاتیات۔

دسویں جماعت سے طلبا خصوصی مضامین لے سکیں گے۔ سیکنڈری کمیٹی کے سفارشات کے مطابق ادنیٰ ثانوی مدارس کو شہری مدارس اور دیہی مدارس میں دستکاری کی تعلیم اور دیہی مدارس میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شہری مدارس میں دستکاری کی تعلیم اور دیہی مدارس میں باغبانی اور زراعت کی تعلیم غیر امتحانی مگر لازمی مضمون کی حیثیت سے دی جائے گی۔

جہاں تک لڑکیوں کا تعلق ہے ان کا نصاب اعلیٰ ثانوی منزل میں چار شعبوں میں منقسم ہو گا۔ الف۔ شعبہ فنون۔ ب۔ شعبہ ریاضی وسائنس (ج) شعبہ حیاتیات اور (د) شعبہ امور خانہ داری اور ادنیٰ ثانوی مدارس میں ان امتحانی مضامین کے علاوہ جو لڑکیوں کے لئے مقرر ہیں امور خانہ داری کو بھی زائد امتحانی مضمون کی حیثیت سے جگہ دی جائے گی۔

جہاں تک ذریعہ تعلیم کا تعلق ہے لڑکوں کے لئے ادنیٰ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی دونوں منزلوں میں بدستور اردو جاری رہے گی لیکن لڑکیوں کے لئے صرف اعلیٰ ثانوی منزل میں اُردو باقی رہے گی۔ ادنیٰ ثانوی منزل میں لڑکیوں کو اختیار ہو گا کہ اردو یا کسی دوسری ملکی زبان مثلاً تلنگی، مرہٹی، یا کنڑی کو ذریعہ تعلیم کے طور پر پسند کریں۔

یہ بات باعث دلچسپی ہے کہ ہر تعلیمی منزل کے اختتام پر خاص خاص فنی اداروں میں فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا علحدہ انتظام کیا جائے گا۔ چنانچہ تحتانی منزل کے اختتام پر یعنی پانچویں جماعت کے بعد صنعتی مدارس کھلے ہوں گے اور آٹھویں جماعت اور گیارھویں

جماعت کے بعد مختلف قسم کے پیشہ ورانہ فنی مدارس کا انتظام ہوگا۔

نئی اسکیم کا نفاذ جماعت پنجم، ششم اور ہفتم کے افتتاح سے ماہ امرداد ۱۳۴۸ف میں ہوگا۔ اس کے بعد ہر سال ایک ایک نئی جماعت کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس لحاظ سے پہلی دفعہ امتحان لور سکنڈری سرٹیفکٹ خورداد ۱۳۵۰ف میں اور امتحان اپر سکنڈری سرٹیفکٹ خورداد ۱۳۵۳ف میں لیا جائے گا۔ (حکومت سرکار عالی کا پریس نوٹ)

نصاب کی جدید تاریخی کتابیں

سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی نے نصاب کی تاریخی کتابوں کی نظر ثانی کرنے اور انھیں از سر نو مرتب کرنے کا اس مقصد سے بیڑا اٹھایا ہے کہ ان میں جو کچھ فرقہ وارانہ اثرات پائے جاتے ہوں انھیں دور کیا جائے۔ یہ کوشش ان متعدد کوششوں میں سے ایک ہے جو قومیت کو ابھارنے اور ترقی پذیر سطح نظر پیدا کرنے کے لئے ریاست میں کی جارہی ہے۔

غالباً یاد ہوگا کہ عالیجناب رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نے بھی گزشتہ سال ڈھاکہ یونیورسٹی میں اپنے خطبۂ تقسیم اسناد میں اس ضرورت پر زور دیا تھا کہ ہندوستانی تاریخ کی کتابوں کو فرقہ واری تعصب کے اثرات سے پاک کرنا چاہئے۔ برطانوی ہند کی بعض صوبہ واری حکومتوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ چنانچہ حال میں صوبہ جات متحدہ کی مجلس وضع قوانین نے اس بارے میں ایک تحریک بھی منظور کی ہے۔

سررشتۂ تعلیمات نے دو سال قبل ایک خاص کمیٹی مقرر کر کے اس کام کو آغاز کیا۔ یہ کمیٹی جامعہ کے بعض اساتذہ اور محکمۂ مذکور کے نمایندوں پر مشتمل ہے اور اپنے کام کی انجام دہی میں حسب ذیل تین اصول اس کے پیش نظر رہے:۔

(۱) کتابوں میں سے فرقہ واری رجحانات کو دور کر دیا جائے تاکہ طلبا میں رواداری کا جذبہ ترقی پانے میں مدد ملے۔

(۲) تاریخی واقعات کے تہذیبی اور معاشرتی پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا جائے اور

(۳) سلیس زبان استعمال کی جائے۔

مزید برآں کمیٹی نے لڑائیوں اور سازشوں کی تفصیلات کو نظر انداز کیا ہے اور

ان کے بجائے ایسے واقعات کو شامل کیا ہے جن سے طلبار کے دلوں میں اپنے مشترکہ قومی جذبہ کا فخر آمیز احساس پیدا ہو۔ اس وقت تک کمیٹی نے جماعت ہائے سوم وچہارم، پنجم ششم، ہفتم، ہشتم کے لئے پانچ درسی کتابیں تیار کرلی ہیں اور وہ عنقریب میں شائع ہوں گی۔

چند مثالوں سے ان اصولوں کی وضاحت ہو جائے گی جو ان کتابوں کی تیاری میں پیش نظر رہے ہیں مثلاً علاء الدین خلجی اور چتوڑ کی پدمنی یا بلیک ہول آف کلکتہ (کلکتہ کی کال کوٹھری) جیسے قصہ نما نیم تاریخی یا نزاعی تذکروں کو یا تو ترک کر دیا گیا ہے یا بہت مختصر کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف طبقوں کے درمیان سیاسی برتری کی جو کشمکش رہی ہے اسے اس کے صحیح مطمح نظر میں پیش کیا گیا ہے یعنی اسے نسلی یا مذہبی رنگ میں نہیں بلکہ اس اصول کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے جس کے تحت مختلف اوقات میں مرکز پسند اور مرکز گریز قوتیں کام کرتی رہی ہیں چنانچہ اکبر اور راجپوتوں کے درمیان یا اورنگ زیب اور مرہٹوں کے درمیان جو کشمکش رہی ہے اوسے اسی اٹل قانون کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ واقعات کے تہذیبی عنصر کے سلسلہ میں بھگتی تحریک جیسی تحریکوں کو کافی نمایاں کیا گیا ہے جو کبیر نانک' اور نام دیو جیسے بزرگوں کے فیض کا نتیجہ ہیں اور جو اسلامی اور ہندو تہذیب کے سنگم کی دلپذیر پیداوار ہیں کتابوں کی اس نئی ترتیب میں کمیٹی نے مشہور مورخوں کی تازہ تحقیق اور ریسرچ کے نتائج سے پورے طور پر استفادہ کیا ہے۔ (معلومات عامہ کا پریس نوٹ)

فہرست کتب درسی برائے جماعت پنجم تا ہشتم

مجوزہ ذیلی کمیٹی ہائے نصاب ومنظورہ کمیٹی آف کورس

(۱) انگریزی

مدارس شہری

پنجم ۔غائر مطالعہ۔

مندرجہ ذیل سے کوئی ایک کتاب حسب انتخاب صدر مہتمم صاحب تعلیمات

یا پرنسپل صاحب متعلقہ ۔

(۱) آکسفورڈ انگلش کورس۔ فاسٹ نمبر (۲)

(۲) دی نیو میتھڈ ریڈر ویسٹ نمبر (۲)

سرسری مطالعہ :۔

نیو میتھڈ ریڈرس کے ساتھ ان کی متعلقہ سپلمنٹری ریڈرین اور آکسفورڈ ریڈر کے ساتھ سلسلہ کی حسب ذیل کتب استعمال کی جائیں گی۔

(۱) رابن ہڈ (Robin Hood)

(۲) انڈین ٹیلس (Indian Tales)

قواعد :۔ حسب ذیل کتب کے استعمال کی سفارش کی جاتی ہے۔

(۱) اے سمپل انگلش گرامر وتھہ اکسرسائزس از ای۔ اے میکنی (ا۔ی پریس)

A Simple English Grammar with Exercises by E. A. Macnee

(۲) این اوٹ لائن انگلش گرامر اسٹیج ون از آر۔ ڈبلیو جپسن (لانگ منس)

An Outline English Grammar - Stage one by R. W. Jipson

ششم ۔ غائر مطالعہ ۔

مندرجہ ذیل سے کوئی ایک کتاب حسب انتخاب صدر مہتمم صاحب تعلیمات یا پرنسپل صاحب انٹرمیڈیٹ کالج متعلقہ ۔

(۱) آکسفورڈ انگلش کورس۔ فاسٹ نمبر (۳)

(۲) دی نیو میتھڈ ریڈر ویسٹ نمبر (۳)

سرسری مطالعہ :۔

نیو میتھڈ ریڈرس کے ساتھ ان کی متعلقہ سپلمنٹری ریڈرین استعمال کی جائیں اور آکسفورڈ ریڈر کے ساتھ اسی سلسلہ کی مندرجہ ذیل کتب استعمال ہوں گی۔

(۱) رپ وان ونکل۔ Rip Van Winkle

(۲) کنگ آف دی گولڈن ریور۔ King of the Golden River

قواعد:۔ پنجم کی کتب پڑھائی جائیں گی۔

ہفتم ۔ غائر مطالعہ (مندرجہ ذیل سے کوئی ایک کتاب) حسب انتخاب صدر مہتمم صاحب تعلیمات ۔ پرنسپل صاحب انٹرمیڈیٹ کالج متعلقہ ۔

(۱) آکسفورڈ انگلش کورس فاسٹ نمبر (۴)

(۲) نیو میتھڈ ریڈر نمبر (۴)

سرسری مطالعہ :۔ نیو میتھڈ ریڈرس کے ساتھ متعلقہ سپلمنٹری کتب اور آکسفورڈ ریڈر کے ساتھ سلسلہ کی حسب ذیل کتب پڑھائی جائیں گی۔

(۱) دی عربین نائیس The Arabian Nights

(۲) دی ٹمپیسٹ The Tempest

قواعد :۔ حسب ذیل کتب کے استعمال کی سفارش کی جاتی ہے۔

(۱) اکسرسائزس ان انگلش گرامر اینڈ ایڈیم از ای ۔ اے میکنی (آ۔ی پریس)

Exerciseas in English Grammar & Idioms by E, A. Macnee

(۲) انگلش گرامر فار ٹوڈے ۔ از ۔ آر ۔ ڈبلیو جپسن (لانگ منس)

English Grammar for to-day by R. W. Jipson

(۳) رنس شارٹر انگلش گرامر (کوپر بمبئی) Wrenn's Shorter English Grammar (Cooper Bombay)

برائے مدارس دیہی

پنجم ۔ غایر مطالعہ — کوہ نور پرائمر

ششم ۔ غایر مطالعہ — کوہ نور ریڈر پہلی کتاب

ہفتم ۔ غایر مطالعہ — ,, ,, دوسری کتاب (نوٹ) سپلمنٹری ریڈر سلسلہ کی متعلقہ ریڈرس استعمال کی جائیں گی۔

بنیادی (بیسک) انگریزی کی تعلیم ہر صوبہ کے ۳۔۴ منتخب مدارس میں بطور تجربہ

دی جائیں گی۔ مدارس کا انتخاب اور کتب کا اعلان متعاقب کیا جائے گا۔

(۲) جغرافیہ

کتب موجودہ (برائے طلبا)

(۱) سلسلہ جغرافیہ حصہ اول تا چہارم از ایم۔آر قریشی صاحب (مکملن) اردو
(۲) اٹلس لانگ منس سینیر اٹلس فار انڈیا (فلپ)

(۳) دینیات

جماعت پنجم۔	رسالۂ دینیات پنجم	(مرتبہ سررشتہ تعلیمات)
جماعت ششم۔	رسالۂ دینیات ششم	(" " ")
جماعت ہفتم۔	رسالۂ دینیات ہفتم	(" " ")

کلام مجید کی تعلیم حسب سابق ہو گی۔

(۴) اُردو

پنجم (۱) درسیہ عثمانیہ پانچویں کتاب (انجمن ترقی اردو)

مجوزہ امدادی کتب۔

(۱) تحفۂ جاپان اصغر حسین صاحب اصغر	انڈین پریس الہ آباد
(۲) ارجن۔	
(۳) تخت سلیمان شیخ نور الٰہی	رائے گلاب سنگھ لاہور
(۴) علی بابا چالیس چور لالہ سوہن لال	" " "
(۵) بالشتیوں کی سرزمین	" " "

ششم۔ کتب مجوزہ درسی۔

(۱) درسیہ عثمانیہ چھٹی کتاب	انجمن ترقی اردو

مجوزہ امدادی کتب ۔

(۱) تحفۂ مصر و حبش اصغر حسین اصغر	انڈین پریس الہ آباد
(۲) ہوائی گھوڑا جزان چند چاولہ	عطر چند کپور الہ آباد
(۳) ولیم ٹیل محمد نصیر ہمایون	قومی کتب خانہ لاہور
(۴) بحر جنوبی کا سفر جگل کشور	دار الاشاعت پنجاب

ہفتم ۔ کتب مجوزہ درسی ۔

(۱) درسیہ عثمانیہ ساتویں کتاب	انجمن ترقی اردو

امدادی کتب ۔

(۱) تحفۂ قطبین اصغر حسین اصغر	انڈین پریس الہ آباد
(۲) مفید ایجادات کی کہانی ۔	″
(۳) لیلی پت کا بحری سفر	″
(۴) بہار کشمیر	″
(۵) دنیا کے آبشار	″

قواعد:۔ قواعد اردو حصہ دوم مرتبہ سررشتہ تعلیمات ۔

(۵) ابتدائی ریاضی

ابتدائی ریاضی مرتبہ سررشتہ تعلیمات پڑھائی جائے ۔ دوسری کتابیں مدرسین حسب ضرورت استعمال کرسکتے ہیں ۔

(۶) اخلاق

کتب مجوزہ درسی ۔ حسب سابق عمل ہو ۔

(۷) سنسکرت

مجوزہ درسی کتب ۔

پنجم :-	(۱) ابھی نیوا پتیھا کی پہلی کتاب	پہلے ۱۵ سبق
ششم	(۱) " " " "	مکمل مع نظم
	(۲) بھنڈارکر کی پہلی کتاب	پہلے ۹ سبق
ہفتم	(۱) ابھی نیوا پتیھا ولی دوسری کتاب	نصف اول
	(۲) بھنڈارکر کی پہلی کتاب	سبق ۱۰ تا ۲۴

پنجم ۔ مجوزہ درسی کتاب (۸) عربی

(۱) مبادی القرءة الرشیدہ جزو اول تالیف محمد عبید صاحب مطبوعہ مطبع المعارف مصر۔

ششم ۔ مجوزہ درسی کتاب ۔

(۱) مبادی القرءة الرشیدہ جزو ثانی تالیف محمد عبید صاحب مطبوعہ مطبع المعارف مصر۔

قواعد :۔ (۲) کتاب الصرف تالیف حافظ عبد الرحمٰن صاحب امرتسری مطبوعہ اسٹیم پریس لاہور، مدرس کے پیش نظر رکھنے کی سفارش کی جاتی ہے۔

ہفتم :۔ مجوزہ درسی کتابیں ۔

(۱) القرءة الرشیدہ جزو اول تالیف عبد الفتاح صبری بک وعلی عمر بک مطبوعہ مطبع المعارف مصر

امدادی کتب ۔

(۱) کتاب الارنب الذکی — مطبعۃ المعارف مصر

قواعد (۱) ششم کی قواعد مدرس کے پیش نظر رہے ۔

(۲) کتاب النحو تالیف حافظ عبد الرحمٰن امرتسری مدرس کے پیش نظر رہے۔

(۹) تلنگی

جماعت پنجم ۔

(۱) غایر مطالعہ تلگو ریڈر نمبر ۵ ازلکشمی نرسیوم وراگوینڈ راؤ (ونکٹ رام کمپنی ایلور)
یا (۲) غایر مطالعہ آندھرا واچکم ۵ (ونکٹ رام اینڈ کمپنی ایلور)
(ب) سرسری مطالعہ بھارت نیتی کتھالو حصہ اول (مسرز ونکٹ رام اینڈ کمپنی ایلور)
(ج) قواعد۔ سبودھنی ویاکریم حصہ اول (مسرز ونکٹ رام اینڈ کمپنی ایلور)
(۲) ویاکرن بودھنی برائے جماعت پنجم (فرسٹ فارم) سندر رام اینڈ سنس تنالی۔

جماعت ششم۔

(۱) غایر مطالعہ تلنگو ریڈر نمبر ۶ ازلکشمی نرسیوم وراگوینڈ راؤ (ونکٹ رام کمپنی ایلور)
یا الف۔ ۲۔ غایر مطالعہ۔ اندھرا واچکم نمبر ۶
ب۔ سرسری مطالعہ۔ بھارت نیتی کتھالو حصہ دوم۔
ج۔ قواعد۔ سبودھنی ویاکرنم حصہ دوم اور ویاکرن بودھن برائے سکنڈ فارم۔

جماعت ہفتم:۔

(الف) (۱) غایر مطالعہ تلگو ریڈر نمبر (۷) ازلکشمی نرسیوم وراگھوینڈ راؤ (ونکٹ رام کمپنی ایلور)
(۲) غایر مطالعہ آندھرو اچکم نمبر (۷)
(ب) سرسری مطالعہ بھارت ویرلو (مسرز ونکٹ رام اینڈ سنس)
(ج) قواعد سبو دھنی ویاکرنم حصہ سوم اور ویاکرن بودھنی برائے تھرڈ فارم۔

نوٹ۔ غایر مطالعہ کی کتب کا انتخاب صدر مہتمم تعلیمات یا پرنسپل صاحب انٹرمیڈیٹ کالج متعلقہ کریں گے۔

(۱۰) مرہٹی

جماعت پنجم۔

(الف) درسی کتاب نظم و نثر مراٹھی واچن مالا کتاب نمبر (۵) از جی یم ویدیا اور اے۔ وی مراٹھی (پوری کتاب) کے۔ڈی وہولے گرگام بمبئی۔

(ب) کمپوزیشن۔ از کے۔ یم بھیڈے حصہ اول (نصف کتاب)

جماعت ششم۔

(الف) درسی کتاب نظم و نثر مرہٹی واچن مالا بک نمبر (۶) از جی یم ویدیا اور اے۔ وی مراٹھی (پوری کتاب)

(ب) قواعد۔ آچھے بولنے۔ از یم۔ یس مونے حصہ دوم

(ج) کمپوزیشن۔ شدھ دسکا۔ از کے یم بھیڈے حصہ اول (دوسرا نصف حصہ) کے۔ڈی ڈھولے گرگام بمبئی۔

جماعت ہفتم۔

(الف) درسی کتاب نظم و نثر۔ مرہٹی واچن مالا کتاب نمبر (۷) از جی یم ویدیا اور اے وی مرہٹی (پوری کتاب)

(ب) قواعد۔ آچھے بولنے از یم۔ یس مونے حصہ سوم۔

(ج) کمپوزیشن نیندہ ویپیکا۔ از کے یم بھیڈے حصہ دوم۔ (پہلا نصف حصہ)

(۱۱) کنڑی

جماعت پنجم۔

(الف) غایر مطالعہ۔	کنڑی کی چوتھی کتاب سبق پانچ اور دس تا سبق (۳۱)
نثر	۳۴ تا ۳۹ اور ۴۱ تا ۴۵ (تیار کردہ میسور ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ مطبوعہ ۱۹۳۶ء سیتا یشو وہن بکڈپو بنگلور)
نظم	اسی کتاب سے۔
نظم	اسی کتاب سے نظم نمبر (۱-۴-۷-۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-اور ۱۵)۔

(ب) سرسری مطالعہ۔ سیتا راما ازیم۔ ین کایت بال ساھیتیا منڈل کوڈیال بیل بنگلور۔

(ج) قواعد۔ ہوس کنڑ ویاکرن۔ از بی ملیا صفحہ ایک تا ۱۸ ۱۹۳۱ء ایڈیشن ڈپارٹمنٹ آف پبلک انسٹرکشن میسور ستیا ییشودہن بک ڈپو بنگلور

جماعت ششم۔

(الف) غایر مطالعہ۔ نثر۔ کنڑ پانچویں کتاب۔ ڈپارٹمنٹ آف پبلک انسٹرکشن میسور۔ ۱۹۳۶ء ایڈیشن۔ ا سباق ۴۔۱۰۔۱۴۔۱۷۔۱۹۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۳۱ اور ۳۴۔

نظم — اسی کتاب سے اسباق ۱۔۲۔۳۔۵۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶ اور ۱۷

(ب) سرسری مطالعہ — چانکیا تنتر دو نو حصے۔ ازیم شنکر بھٹ۔ بال ساھتیا منڈل کوڈیال۔بیل بنگلور۔

(ج) قواعد۔ ہوس کنڑ ویاکرن صفحہ (۱۹ تا ۳۹)

جماعت ہفتم۔

(الف) غایر مطالعہ۔ نثر۔ کنڑ چھٹی کتاب ڈپارٹمنٹ آف پبلک انسٹرکشن میسور۔ ۱۹۳۶ء ایڈیشن۔ ایک تا ۲۵ اسباق۔

نظم — اسی کتاب سے اسباق ۱ تا ۶ اور ۱۴ اور ۱۵۔

(ب) سرسری مطالعہ۔ پلے چتر گلو از گرو راموری انیتگاد۔ سیتا شودھن پبلشنگ ہوس بنگلور۔

(ج) قواعد۔ ہوس کنڑ ویاکرن۔ ۴۰ تا ۶۵ صفحہ

(۱۲) تاریخ

جماعت پنجم ۔ تاریخ دکن مرتبہ سررشتہ تعلیمات ۔ سید عبدالقادر اینڈ سنس تاجران کتب چارمینار حیدرآباد دکن

جماعت ششم ۔ ہندوستان کی تاریخ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

جماعت ہفتم ۔ تاریخ ہند حصہ اول 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

(۱۳) فارسی

جماعت پنجم ۔ کتاب فارسی دورہ سوم مرتبہ سررشتہ تعلیمات ۔ سید عبدالقادر اینڈ سنس تاجران کتب چارمینار حیدرآباد دکن

جماعت ششم ۔ 〃 〃 〃 چہارم 〃 〃 〃 〃 〃 〃

جماعت ہفتم ۔ 〃 〃 〃 پنجم 〃 〃 〃 〃 〃

جماعت پنجم تا ہفتم ۔ قواعد ۔ مفتاح القواعد مطبوعہ الہ آباد ۔

نوٹ :۔ سائنس اور امور خانہ داری وغیرہ کی کتب زیر ترتیب ہیں ۔

تفصیلی فہرست کتب نصابی برائے جماعت صغیر تا چہارم من ابتدائے یکم امرداد ۱۳۴۸ف لغایۃ ختم تیر ۱۳۴۹ف مرتبہ دفتر نظامت تعلیمات ملک سرکار عالی

نشان سلسلہ	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
۱	زبان لازمی	صغیر	اردو کا قاعدہ مدرسیہ عثمانیہ مرتبہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سالم کتاب	
	اُردو	اول	اردو کی پہلی کتاب 〃 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 دوسری کتاب 〃 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 تیسری کتاب 〃 اور اشارات قواعد برائے مدرسین مرتبہ سررشتہ تعلیمات	
		چہارم	〃 〃 چوتھی کتاب 〃 〃 اور مرمہ قواعد اردو حصہ اول مرتبہ سررشتہ ہذا۔ سالم کتاب	
۲	تلنگی برائے ذکور (زبان لازمی)	صغیر	بملا بالا سکشا مرتبہ ونکٹ راما اینڈ کو ویلور و سکندرآباد سالم کتاب	
		اول	اندھرا واچکم نمبر ۱ 〃 〃 〃 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 ۲ 〃 〃 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 ۳ 〃 〃 〃 〃 〃	
		چہارم	〃 〃 ۴ 〃 〃 〃 〃 〃	
			اور پرائمر آف تلگو گرامر مرتبہ 〃 〃 〃 〃	
۳	زبان لازمی تلنگی (برائے اناث)	صغیر	بملا بالا سکشا مرتبہ ونکٹ راما اینڈ کو ویلور و سکندرآباد سالم کتاب	
		اول	تلگو ریڈر نمبر ۱ 〃 〃 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 ۲ 〃 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 ۳ 〃 〃 〃 〃	
		چہارم	〃 〃 ۴ 〃 〃 〃 〃	
			اور پرائمر آف تلگو گرامر مرتبہ 〃 〃 〃	

نمبر سلسلہ	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
۴	زبان لازمی مرہٹی	صغیر	مرہٹی پرائمر واچن مالا مشتہرکے ڈی ڈھوسلے گرگاون بمبئی سالم	
		اول	〃 〃 نمبر۱ 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 ۲ 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 ۳ 〃 〃 〃	
		چہارم	〃 〃 ۴ 〃 〃 〃	
۵	زبان لازمی کنڑی	صغیر	کنڑ بالا بودھا (کنڑی کا قاعدہ) مرتبہ میسور ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ ۱۹۳۵ء سالم	
		اول	کنڑی ریڈر نمبر۱ 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 ۲ 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 ۳ 〃 〃 〃	
			نصف حصہ اول نثر و نظم نصف حصہ اول	
		چہارم	〃 〃 نصف حصہ دوم نثر و نظم نصف حصہ دوم	
۶	حساب	صغیر	حسب نصاب مقررہ ۔ کوئی کتاب مقرر نہیں ہے . . .	
		اول	〃 رسالہ حساب جدید حصہ اول مرتبہ مولوی فیض محمد صاحب صدیقی ۔	
			یا رسالہ حمایت الحساب حصہ اول مرتبہ مولوی غلام رسول صاحب	
		دوم	رسالہ حساب حصہ دوم مرتبہ مولوی فیض محمد صاحب صدیقی	
			یا حمایت الحساب حصہ دوم مرتبہ مولوی غلام رسول صاحب	
		سوم	رسالہ حساب حصہ سوم مرتبہ مولوی فیض محمد صاحب صدیقی	
			یا حمایت الحساب حصہ سوم مرتبہ مولوی غلام رسول صاحب	
		چہارم	رسالہ حساب حصہ چہارم مرتبہ مولوی فیض محمد صاحب صدیقی	
			یا حمایت الحساب حصہ چہارم مرتبہ مولوی غلام رسول صاحب	
۷	معلومات عامہ	اول	(الف۔جغرافیہ) (حسب نصاب جدید) کوئی کتاب مقرر نہیں ۔	

نمبر شمار	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
		دوم	(حسب نصاب جدید) (اشارات جغرافیہ دوم وسوم مرتبہ سررشتہ ہذا برائے مدرسین)	
		سوم	جغرافیہ حصہ سوم اردو مرتبہ سررشتہ ہذا " " سوم تلنگی " " " " " سوم مرہٹی " مولوی سجاد مرزا صاحب (اشارات جغرافیہ دوم وسوم مرتبہ سررشتہ ہذا برائے مدرسین)	
		چہارم	جغرافیہ حصہ چہارم اردو۔ مرہٹی۔ تلنگی۔ مرتبہ مولوی سجاد مرزا صاحب۔	
		سوم	(ب۔ تاریخ) تاریخی کہانیاں برائے جماعت سوم مرتبہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب ومولوی نورالحسن صاحب منظورہ سررشتہ ہذا۔	
		چہارم	تاریخی کہانیاں برائے جماعت چہارم مرتبہ " " " " " " " " " "	
۸	السنۂ زائد اردو	دوم	انجمن ترقی اردو کا قاعدہ مکمل اور اردو کی پہلی کتاب انجمن ترقی اردو نصف حصہ اول۔	
		سوم	اردو کی پہلی کتاب مرتبہ انجمن ترقی اردو نصف حصہ دوم اور اردو کی دوسری کتاب مرتبہ انجمن ترقی اردو نصف حصہ اول	

نمبر شمار	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
		چہارم	اردو کی دوسری کتاب مرتبہ انجمن ترقی اردو نصف حصہ دوم اور اردو کی تیسری کتاب " " " (سالم)	
۹	السنہ زاید فارسی	دوم	قاعدہ فارسی مرتبہ متین صاحب نصف حصہ اول۔	
		سوم	" " " " دوم۔	
		چہارم	دروس فارسی سالم مرتبہ متین صاحب	
۱۰	السنہ زاید تلنگی برائے ذکور	دوم	بلا بالاسکشا سالم اور آندھرا ریڈر نمبر ا نصف حصہ اول۔	
		سوم	آندھرا ریڈر نمبر ا نصف حصہ دوم اور آندھرا ریڈر نمبر ۲ نصف حصہ اول	
		چہارم	آندھرا ریڈر نمبر ۲ نصف حصہ دوم اور آندھرا ریڈر نمبر ۳ سالم	
۱۱	السنہ زاید تلنگی برائے اناث	دوم	بلا بالاسکشا سالم اور تلگو ریڈر نمبر ا نصف حصہ اول	
		سوم	تلگو ریڈر نمبر ا نصف حصہ دوم اور تلگو ریڈر نمبر ۲ نصف حصہ اول	
		چہارم	" " ۲ " " " ۳ سالم	
۱۲	السنہ زاید مرہٹی	دوم	مرہٹی پرائمر واچن مالا سالم اور مرہٹی واچن مالا نمبر ا کا نصف حصہ اول	
		سوم	مرہٹی واچن مالا نمبر ا کا نصف حصہ دوم اور مرہٹی واچن مالا کا نصف حصہ اول۔	
		چہارم	مرہٹی واچن مالا نمبر ۲ کا نصف حصہ دوم اور مرہٹی واچن مالا نمبر ۳ سالم	
۱۳	السنہ زاید کنڑی	دوم	کنڑی پرائمر سالم اور کنڑی ریڈر نمبر ا کا نصف حصہ اول	
		سوم	" ریڈر نمبر ا کا نصف حصہ دوم اور کنڑی ریڈر نمبر ۲ کا نصف حصہ اول	
		چہارم	کنڑی ریڈر نمبر ۲ کا نصف حصہ دوم اور کنڑی ریڈر نمبر ۳ کا نصف حصہ اول نثر و نظم۔	

نمبر شمار	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
۱۴	السنہ زائد دوم انگریزی	سوم	فاسٹ پرائمر اکسفورڈ یونیورسٹی یا نیو میتھڈ ریڈر بائی ویسٹ ریڈر نمبر (۱) اے پرائمر۔ ۔ ۔	
		چہارم	فاسٹ ریڈر نمبر (۱) آکسفورڈ یونیورسٹی یا نیو میتھڈ ریڈر بائی ویسٹ ریڈر نمبر ا بی کمپوزیشن نمبرا۔ سپلمنٹری ریڈر نمبر ا	
۱۵	مطالعہ قدرت	صغیر	حسب نصاب مقررہ کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔	
		اول تا چہارم	،، ،، (مطالعہ قدرت حصہ اول تا چہارم مرتبہ سررشتہ ہذا برائے مدرسین)	
۱۶	قصہ گوئی	صغیر تا دوم	حسب نصاب مقررہ کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔	
۱۷	دینیات	صغیر	(۳ کلمے) کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔	
		اول	دینیات کا پہلا رسالہ مرتبہ سررشتۂ ہذا۔ قاعدہ بغدادی پارۂ عم ناظرہ (ربع حصہ) پانچ سورتیں با ترجمہ۔ الحمد۔ قل ہو اللہ انا آعطینا۔ اذا جاء۔ والعصر۔	
		دوم	دینیات کا دوسرا رسالہ مرتبہ سررشتۂ ہذا اور بقیہ حصۂ پارۂ عم۔ الم بلا ترجمہ۔ پانچ سورتیں۔ با ترجمہ یعنی والناس۔ فلق۔ فیل۔ قریش۔ انا انزلنا۔	
		سوم	دینیات کا تیسرا رسالہ مرتبہ سررشتہ ہذا۔ پارہ نمبر ۲ تا ۴ بلا ترجمہ۔	
		چہارم	دینیات کا چوتھا رسالہ مرتبہ سررشتہ ہذا۔ پارہ نمبر ۵ تا ۹ بلا ترجمہ۔	

نمبر شمار	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
۱۸	اخلاقیات	صغیر	اخلاقی نظم کے جنس اشعار طالب علم کی لازمی زبان میں کوئی کتاب مقرر نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔	
		اول تا چہارم	کوئی کتاب مقرر نہیں۔ حسب نصاب مقررہ	
۱۹	حفظ صحت	صغیر تا چہارم	حسب نصاب مقررہ۔۔ کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔	
۲۰	ورزش جسمانی	صغیر تا چہارم	" " " " (رسالہ تربیت جسمانی مرتبہ سررشتہ ہذا برائے مدرسین)	
۲۱	معلومات دیہی	سوم	" " " " کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔	
۲۲	معلومات شہری	سوم	" " " " "	
۲۳	نقش کشی و دستی مشاغل	صغیر تا چہارم	" " " " "	
۲۴	سوزنکاری و امور خانہ داری برائے اناث	" "	" " " " کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔ شرح دستخط	

مددگار ناظم تعلیمات　　　　شرح دستخط

صیغہ دار

نوٹ ۔ مرہٹی اور کنڑی گرامر کے متعلق متعاقب اطلاع دی جائے گی۔

ادارتی مقالے

جدید تنظیم ! نئے تعلیمی سال کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ثانوی تعلیم کا پورا نظام نئے لباس میں نظر آرہا ہے۔ وسطانی اور تحتانی طبقوں کے نصاب کی ابتدا سے انتہا تک نظر ثانی کی گئی ہے۔ ہم اس کے بارے میں پہلے بھی سرسری طور سے تبصرہ کر چکے ہیں۔ حکومت سرکار عالی کا جو پریس نوٹ شائع ہوا ہے وہ اسی رسالہ میں کہیں اور دیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے بخوبی روشن ہوگا کہ جس چیز کے متعلق قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں وہ معرض وجود میں آگئی ہے۔ اب یہ تصفیہ ہوا ہے کہ نئے نصاب کے مطابق جماعت ہائے پنجم تا ہفتم کی تعلیم امرداد ۱۳۴۸ف سے شروع کی جائے۔ ہشتم کی جماعت ۱۳۴۹ف سے کھولی جائے گی۔

نئی تعلیمی تنظیم کے لحاظ سے نصاب اور کتابوں میں تھوڑا بہت تغیر ہوگا۔ بلکہ حیدرآباد کے تعلیمی نظام میں عظیم الشان انقلاب ہوگا۔ سب سے اہم خصوصیت یہ ہوگی کہ اب ہر لڑکا جو وسطانیہ کی تعلیم ختم کرے گا فوقانیہ میں نہ جائے گا بلکہ صرف وہ لڑکے فوقانیہ کی تعلیم حاصل کریں گے جو خالص ادبی رجحان رکھتے ہیں۔ جن لڑکوں کا مذاق ادبی نہیں بلکہ ان کی طبیعتیں ہنر اور دست دوزی کی مائل ہیں وہ مخصوص فنی اور پیشہ ورانہ مدارس میں جائیں گے۔ دوسری خوبی نئے نظام کی یہ ہے کہ مضامین نصاب کو امتحانی اور غیر امتحانی مضامین میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ طلبہ پر امتحان کا حد سے زیادہ بار نہ پڑے۔ البتہ غیر امتحانی مضامین کے سبب مدرسین کی ذمہ داریوں میں خاصا اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ غیر امتحانی مضامین میں بچوں کو مشاق بنانے کا فرض کلیتہً انھیں پر عاید ہوگا۔

درسی کتابیں بھی حتی الوسع بدل دی گئی ہیں۔ بعض زیر ترتیب ہیں۔ نئی کتابیں نئے طرز پر اور نئے اصولوں کے مدنظر لکھوائی گئی ہیں مثال

کے لئے تاریخ کی نئی کتابوں کو لیجیے۔ ان کتابوں کی تیاری میں سررشتہ تعلیمات نے غیر معمولی دلچسپی لی ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں فرقہ وارانہ اثرات کا شائبہ نہ رہنے پائے چنانچہ ایک کمیٹی مسلسل دو سال تک شب و روز ان کی تیاری میں مصروف رہی اور ایک ایسا سلسلہ مرتب کرنے میں کامیاب ہوئی ہے جو سلیس زبان میں ہونے کے ساتھ ساتھ، فرقہ واری رجحانات سے پاک ہے۔ ان میں خاص طور سے یہ کوشش کی گئی ہے کہ جنگ و جدال کے واقعات کی تفصیل کے بجائے "تاریخی واقعات کے تہذیبی اور معاشرتی پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا جائے تاکہ طلبہ میں رواداری کا جذبہ ترقی پائے اور ان کے دلوں میں اپنے مشترکہ قومی جذبہ فخر آمیز احساس پیدا ہو۔

نئے نصاب میں لڑکیوں کی خصوصی ضرورتوں کا کافی لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ ہر لڑکی کے لئے امور خانہ داری کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جسمانی ورزش کا بھی التزام رکھا گیا ہے۔ لیکن لڑکیوں کے لئے ایسی ورزشیں مقرر کی گئی ہیں جن سے لڑکیوں کی جسمانی نشو و نما بوجوہ احسن ہو۔

لڑکیوں کے لئے ایک اور سہولت یہ رکھی گئی ہے کہ ان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ادنیٰ ثانوی تعلیم تک اپنی مادری زبان کے ذریعہ تحصیل علوم کریں۔ البتہ اعلیٰ ثانوی طبقہ میں اُردو ذریعہ تعلیم رہے گی۔ جو لڑکیاں مادری زبان میں ثانوی تعلیم حاصل کریں گی وہ بھی اُردو بطور زبان زائد سیکھیں گی تاکہ اعلیٰ ثانوی طبقہ میں اُن کو ذریعہ تعلیم کے باعث دشواری پیش نہ آئے۔

ظاہر ہے کہ ثانوی تعلیم کے نصاب کی ترمیم بے معنی سی چیز ہوتی اگر تحتانی نصاب میں بھی ضروری تبدیلی نہ کی جاتی۔ چنانچہ طبقہ تحتانیہ کے نصاب میں بھی رد و بدل کیا گیا ہے اور ثانوی نصاب سے مطابقت پیدا کی گئی ہے۔ جس سے توقع ہے کہ بچوں کو ابتدا ہی سے ایسے راستہ پر لگا دیا جائے گا کہ وہ آگے چل کر ثانوی تعلیم سے کما حقہ استفادہ کر سکیں اور اس کے گوناگوں شعبوں میں سے جس شعبہ کے لئے وہ قدرۃً موزوں ہیں، اس شعبہ کی تعلیم حاصل کر کے اپنے جوہروں کو جلا دیں اور قوم و ملک کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید

و کار آمد بن سکیں۔

عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات کے استقلال پر مبارک باد

عالی جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن) نے ۶ر تیر ۱۳۴۶ف میں عہدہ نظامت کا جائزہ حاصل فرمایا تقریباً دو سال تک منصرمانہ خدمت انجام دینے کے بعد حکومت سرکار عالی نے صاحب معز کو اپنی خدمت پر مستقل فرمادیا ہے اس استقلال کی خوشی میں ہم حیدرآباد کے طول و عرض کے مدنین کے ساتھ شریک ہیں اور ہم مدرسین ریاست کی طرف سے اور اپنی طرف سے جناب ممدوح کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اس دو سال کی محدود و مختصر مدت میں جناب ممدوح نے پے در پے کئی مہمیں سر کیں۔ ان میں سے ہر ایک مہم ہفتخوان رستم سے صعوبت و دشواری میں کم نہیں۔ ہم اس موقعہ پر ان اہم کارناموں کی تفصیل نہیں دے سکتے البتہ ان کا مختصراً ذکر کئے دیتے ہیں تاکہ قارئین کرام پر روشن ہو جائے کہ جناب ممدوح نے کس طرح اس قلیل مدت میں ان ہونی کو ہونی اور ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔

جناب والا نے جائزہ لیتے ہی یہ احساس فرمایا کہ ملک کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کی توسیع ہو۔ ہمیں ابھی اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقعہ پر سر تیج بہادر سپرو نے ہماری تعلیم کے متعلق کہا تھا کہ "سرگراں" ہے۔ اس سرگرانی کو ممکن ہے کہ اوروں نے بھی محسوس کیا ہو مگر ہمارے ناظم صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جہاں دوسرے ضرورت کو محسوس کرتے اور خاموش ہو بیٹھتے ہیں وہاں جناب ممدوح ضرورت کو محسوس کرتے ہی اس کوشش میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی سبیل نکالی جائے چنانچہ آپ نے غیر ضروری مصارف کو تخفیف کر کے موجودہ موازنہ ہی میں گنجائش نکال کر تقریباً چار سو نئے تحتانی مدارس کا افتتاح فرمایا۔

جناب معز نے تحتانیہ مدارس کے افتتاح پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ پرائمری تعلیم کی مزید توسیع کے لئے ۵ سالہ پروگرام تیار فرمایا ہے۔ اس پروگرام کا منشا یہ ہے کہ ایک ہزار کی آبادی کا کوئی گاؤں باقی نہ رہے جس میں مدرسہ نہ ہو۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ایسے (۵۲۰)

گاؤں ہیں۔ پروگرام کے منظور ہونے کی صورت میں جس کی پوری توقع ہے ان سب گاؤں میں ۵ سال کے اندر ایک ایک مدرسہ قائم ہو جائے گا جس سے اُمید ہے کہ مستقبل قریب میں اوسط خواندگی میں قابل لحاظ اضافہ ہو جائے گا۔

توسیع تعلیم کی ایک اور سبیل جناب ممدوح کا زبردست کارنامہ ہے۔ صاحب موصوف نے تعلیم کو وسعت دینے اور گھر گھر پھیلانے کے لئے گاؤں گاؤں مدرسے قائم کرنے کا پروگرام تیار فرمالیا تھا مگر وہی مدارس میں جہاں اسٹاف کم اور طلبا کی تعداد زیادہ تھی وہاں اس بات کا اندیشہ تھا کہ بچوں کی کافی تعداد تعلیم سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ صاحب معزنے ان مدارس میں شفٹ سسٹم یا باری وار طریقہ رائج کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ مدرسہ میں بچے باری باری تعلیم حاصل کرنے آئیں۔ آدھے بچے ایک وقت، آدھے دوسرے وقت۔ اس حکمت عملی سے چند مدرسین گاؤں کے زیادہ سے زیادہ بچوں کو تعلیم دے سکیں گے۔ اور تعلیم یافتہ افراد کی تعداد ہر گاؤں میں کم وبیش دوگنی ہو جائے گی۔

آپ کے دور نظامت میں ثانوی تعلیم کی تنظیم جدید کی گئی ہے۔ اور آپ کے زیر رہبری مجلس ثانوی نے نیا نصاب اور کتابیں مرتب کیں۔ اسی سلسلہ میں مدارس تحتانیہ کے نصاب پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت داعی ہوئی۔ چنانچہ یہ کام بھی مکمل ہو گیا۔

تعلیم نسوان کی جانب خاص توجہ فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ گلبرگہ شریف میں ایک جدید مدرسہ فوقانیہ نسوان قائم کیا گیا اور بلدہ اور اضلاع کے موجودہ مدارس ثانویہ کی اصلاح کے لئے تدابیر اختیار فرمائی گئی ہیں۔ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ تین مہتممات مدارس نسوان کا تقرر عمل میں آیا ہے۔ اس اقدام سے توقع ہے کہ مدارس نسوان کی خاطر خواہ اصلاح ہو گی اور بچیوں کی تعلیم پہلے سے کہیں بہتر اور موثر ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی مدرسہ تعلیمات المعلمات بلدہ کی اصلاح کی گئی ہے اور اس میں میٹرک کامیاب اُستانیوں کی ٹریننگ کا انتظام کیا گیا ہے۔

دنیا میں صرف ہٹے کٹے اور کام کے انسان ہی نہیں بستے بلکہ بہت سے اپاہج اور نکمے بھی زندگی کے دن کسی نہ کسی طرح گزار رہے ہیں۔ ان کی زندگی دکھ اور مصیبت

سے بھری ہوئی ہے اور ان کا بوجھ دوسروں کو دبائے ہوئے ہیں۔ اب تک ہمارے ملک میں ان کی زندگی کو خوش گوار بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ان بیچاروں سے حقیقی ہمدردی جناب ناظم صاحب نے فرمائی۔ آپ نے اندھوں اور بہروں کے لئے ایک مدرسہ کا افتتاح فرمایا جس میں چار مدرسین تعلیم کے فرائض انجام دیں گے۔ ان میں سے دو نے دہلی میں اور دو نے کلکتہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی ہے۔

سررشتہ تعلیم کی ایک شدید ضرورت جو عرصہ دراز سے محسوس کی جارہی تھی وہ یہ ہے کہ مدارس کے لئے موزوں عمارتیں مہیا کی جائیں۔ اس ضرورت کو جناب موصوف نے بہت زیادہ محسوس فرمایا اور بچت سررشتہ کو بڑی حد تک مدرسوں کی جدید عمارتوں کے لئے محفوظ فرمادیا ہے۔

ہم نے اوپر جناب ناظم صاحب کی بعض اہم خدمات کا ذکر کیا ہے۔ قارئین کرام محسوس کریں گے کہ ان میں سے ہر ایک کام حد درجہ اہمیت رکھتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان بنیادی کاموں پر جدید تعلیم کی شاندار عمارت کھڑی ہوگی۔

ہم آخر میں پھر جناب ممدوح کو ان کے استقلال پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں۔ اور ہماری دلی دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ آپ کو اپنے مساعی جمیلہ میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

تنقید و تبصرہ

سخنورانِ دکن مرتبہ سید تسکین عابدی۔ سلسلہ نشرات زاویہ ادبیہ۔ حیدرآباد دکن
سنہ اشاعت ۱۳۵۷ھ۔ قیمت درج نہیں ہے۔

یہ ۳۸۴ صفحوں کی ضخیم کتاب عہد عثمانی کے اردو شعراء کا تذکرہ ہے۔ اس میں سرزمین دکن کے اُن چھ سو شاعروں کے مختصر حالات اور کلام کے نمونے درج ہیں جو سنہ ۱۹۱۱ء اور سنہ ۱۹۳۶ء کے درمیان دکن میں موجود تھے۔ ان تذکروں کے جمع کرنے میں لائق مؤلف نے بہت تحقیق اور جستجو سے کام لیا ہے۔ اس میں ایسے شاعروں کا کلام مل جائے گا جو کسی دوسرے تذکرہ میں نہ مل سکے گا۔ شاعروں اور شاعرات کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے۔ شروع میں علامہ نیاز فتحپوری کا پیش لفظ اور اختر قریشی صاحب ایڈیٹر سفینۂ نسوان کا تعارف ہے جس میں تسکین عابدی صاحب کے حالات و کمالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب بہت اچھی چھپی ہے۔ سرورق تسکین صاحب کی قلمکاری سے مزین ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے طلبہ اور مدرسین اور عام پبلک کو خاطر خواہ فائدہ پہونچے گا۔